هذي مشائخنا فهاتِ مثالهم
إنْ كنتَ توجد يا زمانُ فأوجد

علمائے مظاہر کے تقویٰ و تقدس، زہد و تقشف، علمی تبحر، فقہی تعمق، عبادت و ریاضت
اور سادگی و قناعت پر مشتمل بے مثال واقعات کا شاندار مجموعہ

یہ تھے اکابرِ مظاہر

مفتی ناصر الدین مظاہری
استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور

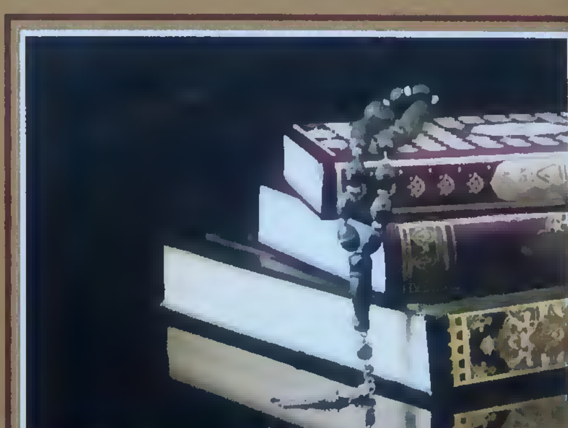

مکتبۃ الانور دیوبند

علمائے مظاہر کے تقویٰ و تقدس، زہد و تقشف، علمی تبحر،
فقہی تعمق، عبادت و ریاضت اور سادگی و قناعت پر مشتمل
بے مثال واقعات کا شاندار مجموعہ

یہ تھے
اکابرِ مظاہر

تالیف

مفتی ناصر الدین مظاہری
استاذ مظاہر علوم وقف سہارنپور

ناشر
مکتبۃ الانور دیوبند

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب : یہ تھے اکابرِ مظاہر

مؤلف : مفتی ناصرالدین مظاہری

(استاذ مظاہر علوم وقف، سہارنپور)

اشاعت : رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق اپریل ۲۰۲۲ء

صفحات : ۳۱۲

تعداد : چھ سو

دیوبند کے معروف کتب خانوں پر دستیاب ہے۔

ناشر

مکتبۃ الانور دیوبند

MAKTABA
Al-Anwar

Shah Manzil, Moh. Khanqah, Deoband - 247554 (U.P.)
9568797801, 8171554526
alanwardbd@gmail.com

اس کتاب میں

''الف سے اللہ'' ۲۱

باتیں ہماریاں ۲۲

فکر عالی: حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہٗ ۲۸

اکابرِ مظاہر کا ذکرِ جمیل: حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی مدظلہٗ ۳۳

زبان میری ہے بات ان کی: مولانا محمد ساجد کھجناوری ۳۶

مقدمہ: حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر دام ظلہٗ ۴۰

عرضِ ناشر ۴۴

یہ تھے اکابرِ مظاہر: محمد سمعان خلیفہ ندوی، بھٹکل ۴۷

اکابر علمائے مظاہر: محمد اسلام انجم سہارنپوری ۴۹

سہارنپور ۵۰

مظاہر علوم ۵۲

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے ۵۴

حضرت مولانا سعادت علی فقیہؒ ۱۲۸۶ھ

دورانِ مطالعہ کیا کھایا؟ ۵۶

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ ۱۲۹۷ھ

۱۸ر سال کی عمر میں حصول علم ۵۸

صبر وتحمل کی عجیب مثال ۵۹

سفر خرچ نہ لینے کا پہلا واقعہ ۵۹

سفر خرچ نہ لینے کا دوسرا واقعہ ۵۹

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ ۱۳۰۲ھ

ذائقہ جنت کے شربت کا ۶۰
صبح کی اشرفی، شام کو مل گئی ۶۱
منشی نول کشور پر آپ کی صحبت کا اثر ۶۲
خواب اور تعبیر ۶۳
لطف علیؒ اور اسد علیؒ ۶۴

حضرت حافظ فضل حق سہارنپوریؒ ۱۳۰۲ھ

''اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا'' ۶۶

حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ ۱۳۰۴ھ

پیدل چلتے چلتے تعلیم و تعلّم ۶۸
علم و فضل ۶۹
اورینٹل کالج میں ملازمت کے لئے مولانا کی شرطیں ۷۰
تمہارا حج قبول ہو گیا ۷۱

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ ۱۳۳۴ھ

لباس کی سادگی ۷۲
کپڑوں کی ادلا بدلی ۷۳
مختلف سالنوں کا آمیزہ ۷۳
چند دن میں نو مقامے پڑھ لئے ۷۳
استاذ شاگرد، شاگرد استاذ ۷۴

تقویٰ ۷۴
حضرت تھانویؒ کا ارشاد گرامی ۷۵
شرح صدر کا لطیفہ ۷۵
انتقال کے صرف ایک گھنٹے بعد تدفین ۷۵
حضرت الحاج حافظ قمر الدین سہارنپوریؒ ۱۳۳۴ھ
صف اول اور تکبیر اولیٰ کا اہتمام ۷۷
حضرت مولانا تجمل حسین بہاریؒ ۱۳۴۲ھ
وتر، قنوت اور مناجات ۷۸
حضرت مولانا ثابت علی پورقاضویؒ ۱۳۴۲ھ
مدرسہ کے حرج کی وجہ سے اپنے گھر نہ جاتے ۸۳
مجھے نہ کسی سے کچھ لینا نہ کسی کو کچھ دینا ۸۴
قبر میں فرشتوں کے سوال اور آپ کے جواب کا لطیفہ ۸۴
حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ ۱۳۴۶ھ
مشتبہ مال کو معدہ نے قبول نہیں کیا ۸۵
زہر دینے والے حکیم کو معاف کر دیا ۸۶
حزم واحتیاط ۸۶
عجیب وغریب تحمل ۸۷
یہ قالین میرا نہیں مدرسہ کا ہے ۸۸
فاقہ کشی ۸۸
تکبیر اولیٰ اور صف اول میں شرکت کا شوق ۸۹

سخت بیماری میں بھی روزہ قضا نہیں فرمایا ۹۰

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ ۱۳۴۶ھ

مناظر اسلام ۹۱

نماز سے عشق ۹۲

زیارتِ رسول ۹۲

استاذ اور شاگرد کے درمیان احترام باہمی ۹۲

عشق الٰہی کی تپش ۹۳

حضرت مولانا عنایت الٰہی سہارنپوریؒ ۱۳۴۷ھ

الٰہی! عنایت بر عنایت الٰہیؒ ۹۵

حضرت مولانا عبدالوحید سنبھلیؒ ۱۳۵۵ھ

ہم ان کتابوں کو پڑھانے کے قابل نہیں ۹۷

حضرت مولانا مہر علی شاہ گولڑویؒ ۱۳۵۶ھ

بھارت جاؤ فتنہ ہونے والا ہے ۱۰۰

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ ۱۳۶۰ھ

نماز جنازہ شیخ محمد زکریا پڑھائیں ۱۰۲

سب سے کم عمر مفسرِ قرآن ومترجمِ قرآن ۱۰۳

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ۱۳۶۳ھ

رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن ۱۰۵

گولروں سے افطار وسحر: کھانا کب آئے گا؟ ۱۰۶

تنگ دستی ۱۰۷

نظریں نیچی رکھنے کا معمول ۱۰۷

حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ ۱۳۶۴ھ

مفسر قرآن ۱۰۸

خادم الطلبہ ۱۰۹

کھیت میں ہل چلاتے ۱۰۹

دیوار کی تعمیر کر رہے تھے ۱۱۰

جرابوں کا واقعہ ۱۱۰

حضرت مولانا حبیب احمد کیرانویؒ ۱۳۶۶ھ

محقق کیرانویؒ ۱۱۲

کتب تھانویؒ کی تصحیح ۱۱۲

اہم تفسیری خدمت ۱۱۳

کوکب الدری میں تسامح پر استفسار ۱۱۳

ہر فن مولیٰ ۱۱۴

اپنے بھائی کے مکان سے دُور رَہے ۱۱۴

حضرت مولانا محمد زکریا قدوسیؒ ۱۳۷۰ھ

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا اعتراف ۱۱۶

ہدیہ کی مسور مدرسہ میں جمع کرادی ۱۱۷

حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ ۱۳۷۳ھ

کیا یہ مظاہر علوم کے ناظم ہیں؟ ۱۱۹

دورانِ وضو شاطبیہ پڑھ لیا کرو ۱۲۱

مدرسہ سے کھانا بند تو گھر سے جاری ۱۲۱

حضرت مفتی سعید احمد اجراڑویؒ ۱۳۷۷ھ

تقویٰ یہ بھی ہے ۱۲۳

دو روپے ۱۲۴

صاحب زادگان کو وصیت ۱۲۵

حضرت مولانا عبدالوہاب سہارنپوریؒ ۱۳۸۰ھ

کیا آٹھ بج گئے؟ ۱۲۷

اختری بہشتی زیور ۱۲۸

حضرت مولانا عبدالسبحان کسانویؒ ۱۳۸۱ھ

توکل علی اللہ ۱۲۹

سوتے وقت باآواز بلند قرآن پڑھنے کا معمول ۱۲۹

حج بیت اللہ ۱۳۰

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ۱۳۸۲ھ

شکم سیری اور لغویات ۱۳۱

حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ ۱۳۸۴ھ

''مولانا امیر شیخ کبیر'' ۱۳۳

تنخواہ کم، ناشتہ ختم ۱۳۴

حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ ۱۳۸۵ھ

تصلُّب اور تسلُّف ۱۳۵

علم کی گہرائی و گیرائی ۱۳۶

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا اعتراف ۱۳۷
مجدد صاحبؒ کے کشف کو طاق میں رکھ دو ۱۳۸
ہر وقت ذکر الٰہی ۱۳۸

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ ۱۳۸۵ھ

کفن سلامت بدن سلامت ۱۴۰
حفاظ کرام کا احترام ۱۴۰
تمنائے مدینہ ۱۴۱
حضرت تھانوی کے وعظ نے زندگی بدل دی ۱۴۱

حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ ۱۳۸۸ھ

مہمان ہو تو ایسا ۱۴۳

حضرت مولانا منظور احمد سہارنپوریؒ ۱۳۸۸ھ

بیر کھانے کا واقعہ ۱۴۴

حضرت علامہ مولانا صدیق احمد کشمیریؒ ۱۳۸۹ھ

سادگی اور عسرت ۱۴۵
حق گوئی و بے باکی ۱۴۶
طالب علمی کے دور میں مجاہدہ ۱۴۷
نحوی قاعدے سے ثابت کیا کہ نماز ہوگئی ۱۴۷
نماز مغرب کی امامت اور سورۂ کافرون ۱۴۸
آخری تمنا آخری دن ۱۴۸
یہ فقیر نہیں ہم سب کے استاذ ہیں ۱۴۹

برداشت اور تحمل ۱۴۹

حضرت مولانا سید ظہور الحق دیوبندیؒ ۱۳۸۹ھ

نمک نہیں چکھا ۱۵۱

فاقہ کی وجہ سے قدم لڑکھڑا گئے ۱۵۲

حضرت مولانا اکرام الحسن کاندھلویؒ ۱۳۹۱ھ

چار آنے ۱۵۳

سجدے میں انتقال ۱۵۴

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ۱۳۹۴ھ

پُر مشقت طالب علمانہ زندگی ۱۵۶

میں اپنے گھر میں کرسی ورسی نہیں آنے دیتا ۱۵۶

ہم فقیر آدمی ہیں ۱۵۷

نماز میں تلاوت قرآن کریم ۱۵۸

خطیب، خطابت اور مخاطب ۱۵۹

حضرت مولانا عبدالمجید مہیسرویؒ ۱۳۹۶ھ

یتیمی کا داغ ۱۶۰

لحد میری کفن اُن کا ۱۶۱

مولانا مودودی مرحوم سے ملاقات ۱۶۳

حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ ۱۳۹۷ھ

درس کی پابندی ۱۶۴

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ ۱۶۴

حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولویؒ ۱۳۹۸ھ

تقوی ہوتو ایسا ۱۶۶

اندازِ تربیت ۱۶۷

اچھا بھائی! ہم تو چلے! ۱۶۸

حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ ۱۳۹۹ھ

اَمرد کو دیکھنے سے احتیاط ۱۷۰

دربان نے گیٹ نہیں کھولا ۱۷۱

۴۸ سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی ۱۷۲

۵۴ سال: یومیہ صلوۃ التسبیح ۱۷۲

تہ بند کے سلسلہ میں احتیاط ۱۷۳

نماز کی روحانی طاقت ۱۷۳

دو روپے: رات بھر کی بے چینی ۱۷۵

بھنگی سے معافی ۱۷۶

درود شریف کی کثرت ۱۷۸

سنت نبوی سے عشق ۱۷۸

نام پاک کی عظمت ۱۷۸

ایک کو نیند آ گئی دوسرے کی نیند گئی ۱۷۹

فاقوں کی نوبت ۱۸۰

چٹنی پر اکتفا ۱۸۰

حضرت مولانا محمد علی سواتیؒ ۱۴۰۱ھ

ہدایہ پڑھاتے پڑھاتے فوت ہوئے ۱۸۲

الحاج اللہ بندہ مرحوم

مدینہ منورہ میں کتے مر گئے ۱۸۴

حضرت مولانا ممتاز احمد گیاویؒ

قابل رشک طالب علمانہ زندگی ۱۸۵

حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ ۱۴۰۲ھ

حضرت شیخ زکریاؒ اور ایام اضحیہ ۱۸۷

کراچی کی دعوت ۱۸۹

تین دعائیں: تینوں مقبول ۱۸۹

پھول ایک مگر رنگ تین ۱۹۰

حضرت شیخ الحدیثؒ اور اسٹیشن ماسٹر ۱۹۱

شرح جامی سفر میں پڑھ لی ۱۹۲

ذکر کی لذت ۱۹۳

اذهب الی الهند، اذا جاء أجلك نطلب ۱۹۶

حضرت مولانا نور محمد خان ٹانڈویؒ ۱۴۰۲ھ

ٹانڈہ ضلع فیض آباد ۱۹۹

مبلغ، مدرس، مناظر اور انشاء پرداز ۲۰۰

اعلیٰ حضرت کا حقہ شریف ۲۰۱

مرزا قادیانی کا کیدِ لایعنی ۲۰۱

اندازِ تقریر ۲۰۲

اسلوبِ نگارش ۲۰۳
ہمہ جہت ہمہ صفت ۲۰۴
زمیں کی امانت زمیں کے حوالے ۲۰۴

حضرت مولانا ظریف احمد پورقاضویؒ ۱۴۰۲ھ

آلاتِ علم کا احترام ۲۰۵
سڑک پر چلتے چلتے اچانک جوتے اتار لئے ۲۰۶

حضرت مولانا علیم اللہ بستویؒ ۱۴۰۶ھ

دِہاتی کہاں سے آجاتے ہیں ۲۰۷

حضرت مولانا عبیداللہ بلیاویؒ متوفی ۱۴۰۹ھ

آستین میں ٹاٹ جوڑ لیا ۲۰۹

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ ۱۴۱۵ھ

غریب علیؒ ۲۱۰
شامی کا ایک ذاتی نسخہ نہ خرید سکے ۲۱۰
احتیاط کا یہ عالم تھا ۲۱۱
مالی کے پھول کو قبول نہ کیا ۲۱۱
ایک سال کی تنخواہ واپس کردی ۲۱۱
مظاہر علوم سے لی ہوئی پوری تنخواہ واپس کردی ۲۱۲
حقوق کی ادائیگی ۲۱۲
ہر سال دس نفلی حج بدل ۲۱۲
مدرسہ صولتیہ مکہ اور مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ کا تعاون ۲۱۳

شک کی وجہ سے ۷۵ ہزار روپے نہیں لئے ۲۱۴

جہاز کی دوسری سیٹ استعمال کرنے میں احتیاط ۲۱۴

حضرت مولانا ضیاء اللہ کرناٹکیؒ

پیرومرشد کے قدموں میں جگہ مل ہی گئی ۲۱۶

حضرت علامہ محمد یامین سہارنپوریؒ ۱۴۱۵ھ

اپنا ڈبہ اٹھا اور چل! ۲۱۸

۲۵ پیسے ۲۱۹

حضرت مولانا عتیق الرحمن فیروز پوریؒ ۱۴۱۵ھ

پکوڑے بناتے اور پڑھتے ۲۲۱

حضرت مولانا محمد اللہ سہارنپوریؒ

مشکل بحث آسان ہوگئی ۲۲۳

حضرت مولانا عشیق احمد پور قاضویؒ ۱۴۱۵ھ

''نام بتا کام بتا'' ۲۲۴

دودھ کا گلاس کیوں دیا جارہا ہے؟ ۲۲۴

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ۱۴۱۷ھ

زاہد وقانع ۲۲۶

جائداد نہیں بنائی ۲۲۷

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ ۱۴۱۸ھ

رات میں بیت الخلاء کی صفائی ۲۲۸

مہمانوں کی ضیافت ۲۳۰

حضرت مولانا حیات میر پشاوریؒ ۱۴۲۰ھ

"مولوی حیات تا حیات" ۲۳۱

حضرت حافظ فضل الرحمن کلیانویؒ ۱۴۲۱ھ

کثرتِ تلاوت سے حافظ ہو گئے ۲۳۳

حضرت مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ ۱۴۲۴ھ

ڈھائی برس کی عمر میں پاؤ پارہ حفظ ۲۳۵

"مظاہری" لکھنے کی وجہ ۲۳۵

تلاوت قرآن پاک کا معمول ۲۳۶

تفقہ اور فتاویٰ شامی ۲۳۶

فتاویٰ مظفریہ ۲۳۶

بڑا عہدہ بڑی ٹینشن ۲۳۷

دماغ کا آپریشن ۲۳۷

معالج بھی معتقد ہو گیا ۲۳۷

زبردستی کی دعوت ۲۳۷

کرائے کے مکان میں ۲۳۹

فقیہ الاسلام اور خانقاہ تھانہ بھون ۲۴۰

شیخ محمد یونس جون پوریؒ کی گواہی ۲۴۲

حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئیؒ ۱۴۲۶ھ

قرآن کریم کا احترام ۲۴۴

حضرت مولانا اطہر حسین اجراڑویؒ ۱۴۲۸ھ

فراستِ ایمانی ۲۴۶

نازک مزاجی ۲۴۶

تم دارالافتاء کے اہل نہیں ہو! ۲۴۷

گلے پڑ گیا ۲۴۷

امتحانی پرچہ ۲۴۸

حضرت مولانا انعام الرحمن تھانویؒ ۱۴۲۹ھ

کفایت شعاری کی اعلیٰ مثال ۲۴۹

حضرت مولانا محمد قاسم سہارنپوریؒ ۱۴۲۹ھ

موت کی تیاری ۲۵۲

الحاج بابو محمد عبداللہؒ ۱۴۲۹ھ

مسئلہ پچاس پیسے کا نہیں ہے ۲۵۳

حضرت مولانا عبداللطیف نلہیڑ ویؒ ۱۴۲۹ھ

صاحبِ کشف وکرامات بزرگ ۲۵۵

گردے کی پتھری ۲۵۵

اولاد سے محرومی ۲۵۶

مقدمہ سے بری ۲۵۶

حضرت مولانا عبدالکریم بجنوریؒ ۱۴۳۲ھ

نماز باجماعت کا اہتمام ۲۵۹

تلاوت قرآن کا عشق ۲۶۰

حضرت مولانا سید وقار علی بجنوریؒ ۱۴۳۲ھ

امام الفرائض ۲۶۲
مدرسہ کی گمشدہ امانت مل گئی ۲۶۳
یہ شخص کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہو جائے؟ ۲۶۳
اس ڈنڈے نے سعید و یونس کو شیخ الحدیث بنا دیا ۲۶۴
متقدمین میں ہوتا تو میرے بھی اقوال لکھے جاتے ۲۶۴
رات ٹھیک تین بجے آنکھ کھل جاتی ۲۶۵
یاد رہا تو صرف وضو اور نماز ۲۶۵
ہدیہ کی رقم مدرسہ میں جمع کر دی ۲۶۶

جناب ملاجی منظور احمد سہارنپوریؒ ۱۴۳۳ھ

تو نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے ۲۶۷

حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ ۱۴۳۴ھ

احترامِ باہمی ۲۶۹

حضرت مولانا شیخ محمد یونس جون پوریؒ ۱۴۳۸ھ

امیر بھی، غریب بھی ۲۷۲
صابون کے جھاگ سے کپڑے دھوئے ۲۷۳
ایک ہی سوٹ میں گزارا ۲۷۳
توکل کی راہ میں فاقے بہت ۲۷۳
مہمان آگئے اور پاس کچھ بھی نہیں ۲۷۴
نامحرم پر نظر نہ پڑ جائے ۲۷۴
عسرت اور عشرت ۲۷۵

ماحول، مطالعہ اور شخصیت سازی ۲۷۸
السوال نصف العلم ۲۷۹
کتاب الام غائب ہونے کا افسوس ۲۷۹
پوری رات مطالعہ میں گزر گئی ۲۸۰

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ ۱۴۴۰ھ

کچا گھر ۲۸۱
علماء کو خوش حال ہونا چاہیے ۲۸۲
تراویح میں قرآن کریم سنانے کا واقعہ ۲۸۲
داڑھی مونڈنے والے تبلیغی کو طمانچہ رسید کردیا ۲۸۳
ایل آئی یو افسر کو طمانچہ رسید کردیا ۲۸۳
دورانِ دُعا فلسطین اور اسرائیل کا تذکرہ ۲۸۴
دعا مختصر کرنے کی توفیق عطا فرما! ۲۸۵
دعا میں تکرار لفظی ۲۸۵
تفضّل والے تفضّل ۲۸۵

حضرت مولانا محمد حنیف پرتاب گڑھیؒ

ایک وہ تھے ایک ہم ہیں ۲۸۷

حضرت مولانا عبد الرحمن حیدرآبادیؒ ۱۴۴۰ھ

خدمت سے خدا ملتا ہے ۲۸۹
علمی کرامت ۲۸۸
حضرت مولانا حمد اللہ جان مظاہریؒ ۱۴۴۰ھ ۲۹۱

روزانہ ۴۸ سبق ۲۹۲
جہاز میں درسِ قرآن ۲۹۲
حرمِ محترم میں درس ۲۹۳
روحانی علاج ۲۹۳
اسلامی معاشیات کا مطالعہ ۲۹۴
ایک گھنٹہ میں سورۂ بقرہ یاد ہوگئی ۲۹۴
تبلیغ کی برکت ۲۹۴
مقبولیت اور محبوبیت ۲۹۵
انتقال پر ملال ۲۹۶

حضرت مولانا محمد ارشاد مظاہریؒ ۱۴۴۲ھ

تنخواہ علی الحساب نہیں دی ۲۹۷

چند خانقاہیں

خانقاہ کاندھلہ ۳۰۰
خانقاہ تھانہ بھون ۳۰۲
خانقاہ رائے پور ۳۰۳
خانقاہ سہارنپور ۳۰۴
خانقاہ ہردوئی ۳۰۶

التجائے ناصر!

''نہ چھین لذّتِ آہِ سحر گہی مجھ سے'' ۳۰۸

”الف سے اللہ“

لکڑی کے قلم سے .... لکڑی کی تختی پر
سب سے پہلے .... ”الف سے اللہ“
لکھنے کی مشق کرانے والے

استاذِ مکرم حضرت مولانا حفظ الرحمن نعمانی مدظلہٗ (خیری)

کے نام!

ناصر الدین مظاہری

''باتیں ہماریاں''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أحمدہ و أصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

پڑھے لکھے لوگوں کے لئے نہ تو مظاہر علوم محتاج تعارف ہے نہ ہی علمائے مظاہر محتاج تعریف، یہ سچ ہے کہ شروع سے ہی اس ادارہ کے اکابر نے زاویہ خمول اور گم نامی میں رہنے کو ترجیح دی ہے، وہ اسٹیج سے بھی دور ہی رہے، شہرت سے انھیں کوئی دلچسپی نہ رہی، سادگی اور قناعت اُن کا بوریا بستر اور خمول وگمنامی ان کی مملکت تھی، اسی گمنامی اور خمول پسندی کا نتیجہ ہے کہ آج علمائے کرام کا بڑا طبقہ مظاہر علوم کے اصل بانی حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوریؒ تک سے بالکل ناواقف ہے اور واقفین کا بھی یہ حال ہے کہ انھیں صرف نام سنا سنا لگتا ہے، کام سے پھر بھی ناواقفیت ہے۔

پیش نظر کتاب ''یہ تھے اکابر مظاہر'' کوئی مستقل تالیف نہیں ہے، واٹسپ پر ''علم وکتاب'' نامی ایک گروپ ہے جس میں دنیائے اسلام کی بہت سی اہم شخصیات اور قابل قدر علماء شامل ہیں، مجھے بھی اس گروپ کے ایڈمن محترم مولانا عبدالمتین منیری بھٹکلی (دبئ) نے ازراہ محبت وعنایت شامل اور برداشت کررکھا ہے، ایک دن بعض احباب نے مشورہ دیا کہ علمائے مظاہر کے بے شمار واقعات جو سینوں، سفینوں، کتابوں، کتابچوں، رسالوں،

جریدوں اور منتشر طور پر اِدھر اُدھر بکھرے پڑے ہیں کیوں نہ ان واقعات کو قسط وار گروپ میں پیش کیا جائے تاکہ دنیا بھر میں سوشل میڈیا سے مربوط افراد واقف ہو سکیں۔

بنام خدا یہ سلسلہ ''یہ تھے اکابر مظاہر'' کے عنوان سے شروع کیا گیا، قارئین نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، گروپ سے دیگر گروپوں میں منتقل ہوتے ہوتے ملکی حدود سے دور بہت دور تک یہ سلسلہ پہنچنا شروع ہوا، جس کو بھی ملا، اس نے کارِ خیر سمجھ کر آگے بڑھا دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ تحسین آمیز بے شمار میسیج، پیغامات اور براہِ راست حوصلہ افزاء کلمات سے نوازا گیا، بہت سے حضرات نے اس کی فوٹو کاپیاں کرا کے تقسیم کیں، بہتوں نے مستقل کتاب کا تقاضا شروع کر دیا، مجھے تو تصور بھی نہیں تھا کہ سلسلہ اتنا مقبول اور اتنا مشہور ہوگا، مستقل کتاب کے شدید تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے احباب کا مشورہ ہوا کہ سو قسطیں پوری ہونے پر سلسلہ کو موقوف کر کے پہلے کتابی شکل میں لایا جائے، بعد میں یہ سلسلہ کسی اور نام سے گروپ میں جاری رکھا جائے۔ اس لئے تین مہینہ دس دن پورے ہونے پر الحمدللہ سو قسطیں پوری ہو گئیں۔

گروپ میں لکھتے وقت میرے پیش نظر کوئی مستقل ترتیب نہیں تھی، چلتے پھرتے، بسوں، ٹرینوں، پلینوں اور اکثر و بیشتر رات کے کسی بھی حصہ میں جو بھی واقعہ جہاں یاد آ گیا فوری طور پر موبائل سے ہی لکھ کر گروپ میں شیئر کر دیا گیا، بہت سے احباب نے ذاتی طور پر میسیج بھیجے کہ صبح تلاوت قرآن کے بعد اس سلسلہ کو پڑھنے کی باقاعدہ ترتیب بنالی، کسی دن اگر ترسیل میں تاخیر ہوئی تو پرسنل پر یاددہانی کے پیغامات آنے شروع ہو گئے۔

بہر حال یہ جو کچھ تیار ہوا ہے اس میں ان اکابر کی روحانی سرپرستی اور توجہ کا اثر ہے، اس دوران کئی بزرگوں بالخصوص حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئیؒ، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ اور ایک سے زائد دفعہ حضرت شیخ محمد یونس جونپوریؒ کی خواب میں زیارت ہوئی۔

علم و کتاب گروپ میں جو اقساط لکھی اور پوسٹ کی گئیں وہ سب یونیکوڈ میں تھیں لیکن ہمارے کئی کرم فرماؤں نے بڑی محنت کے ساتھ ان تمام اقساط کو نہ صرف یکجا کر کے پی ڈی ایف میں منتقل کر کے استفادہ کی راہ کو آسان بنایا بلکہ بہت سے مفید مشورے بھی دیئے جس

میں سرفہرست محترم جناب مولانا محمد طلحہ منیار صاحب ہیں جو اپنی بے شمار علمی مصروفیات کے ساتھ اس حقیر سراپا تقصیر پر بھی کرم فرماتے رہے اور مسلسل پی ڈی ایف فائل بنا کر گروپ اور شائقین تک پہنچانے کا ذریعہ بنتے رہے۔ فجز اہم اللہ أحسن الجزاء۔

ایک اور عالم دین کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے نہ صرف ان اقساط کو یکجا کیا بلکہ اردو اِن پیج میں بھی منتقلی، تصحیح اور کتابی شکل میں لانے میں نہایت محبت ومحنت اور دلچسپی دکھائی وہ ہیں مظاہر علوم وقف سہارنپور کے شعبۂ کمپیوٹر کے نگراں اور آپریٹر محترم مولانا محمد عارف ندوی مظاہری جو میرے لئے بڑی آسانی اور راحت رسانی کا ذریعہ بنے۔

کتابی شکل میں ترتیب دیتے وقت از سرِ نو تمام اقساط کا پرنٹ نکلوا کر کئی کام کئے گئے مثلاً:

☆ تمام شخصیات کو سنین وفات کے اعتبار سے مرتب کر دیا گیا ہے۔

☆ اکثر واقعات یادداشت سے لکھے گئے تھے لیکن اب حوالہ جات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

☆ بعض تاریخی اغلاط کی درستگی بھی کر دی گئی ہے۔

☆ جن واقعات کے حوالہ جات موجود نہیں ہیں وہ سب اب تک سینہ بسینہ آرہے تھے، جن کو مکمل دیانت داری اور ذمہ داری کے ساتھ ضبط تحریر میں لا کر پیش کیا جارہا ہے۔

یہ چند سطور اس عظیم الشان ادارہ کے حق کو کسی بھی صورت ادا نہیں کر سکتی ہیں تاہم آنے والی نسلوں کو جانے والی نسلوں کے علم وتقدس، تقویٰ وطہارت، سادگی وقناعت، اخلاص وعمل، تواضع وفروتنی، گہرائی وگیرائی، شرافت ومروت، استغناء وبے نیازی اور مختلف علوم فنون میں مہارت وحذاقت کا پتہ ضرور دیتی ہیں اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی ملتا ہے کہ

باپ کا علم اگر بیٹے کو نہ ازبر ہو
پھر پسر لائق میراث پدر کیوں کر ہو

☆ یہ عجالہ خدا کرے نافعہ بن جائے۔

☆ یہ دردِ دل خدا کرے نئی نسلوں کی ذہنی وروحانی استقامت کا ذریعہ ثابت

ہو جائے۔

☆ یہ سطور خدا کرے موجوں میں اضطراب وارتعاش پیدا کردیں۔

☆ یہ احساسات خدا کرے عمل کی راہیں ہموار اور آسان بنادیں۔

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

دورانِ تحریر بہت سی ایسی ہستیوں سے متعارف ہوا ہوں جن کے واقعات وکمالات ایسے ہیں کہ ان کے بارے میں خیر القرون کا گمان ہوتا ہے، بہت سی ایسی ہستیوں سے بھی واقف ہوا جن کے بارے میں کہیں پڑھا نہ کچھ سنا، نام سے بھی ناواقف اور کام سے بھی ناآشنا۔

اِن سطور کے ذریعہ نہایت ہی عاجزی کے ساتھ تمام اہل علم سے درخواست کروں گا کہ اس کتاب کو تسبیح کا پہلا دانہ اور پہلی کڑی تصور فرمائیں اور اکابر علمائے مظاہر کے مستند حالات وواقعات اگر آپ کے علم میں آویں تو ازراہِ کرم یا تو کتاب ہی بھیج دیں، بصورت دیگر اس کا عکس اور حوالہ واٹسپ فرمادیں تاکہ ان واقعات کو بھی اس سلسلۃ الذہب کا حصہ بنایا جاسکے۔

دورانِ تحریر بار بار استاذ مکرم، ادیب اریب، فقیہ لبیب، عاشق حبیب حضرت مولانا اطہر حسین مظاہری اجراڑویؒ کی یاد اور ضرورت محسوس ہوتی رہی لیکن افسوس......افسوس اور......صرف افسوس......اب تو زندگی بھر اُس متاع عزیز کے کھونے کا غم مقدر ہو چکا ہے، جو جاچکا ہے وہ آنہیں سکتا اور جو رہ گئے ہیں ان کی حالت بھی ایسی ہوگئی ہے کہ

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں

بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد

میرے حضرت مولانا اطہر حسینؒ میرے لئے ایک مآخذ اور مرجع تھے، ایک سند اور حرف تصدیق تھے، مولانا کی نظر عمیق، علم پختہ، یادداشت مضبوط اور تجربہ کہنہ تھا، کاش آج وہ حیات ہوتے تو اپنے اس دوحرفی شاگرد کی اِس دوسطری کاوش پر اظہار مسرت

فرماتے، وہ بار بار کاغذ کے قدیم وکہنہ کرم خوردہ ٹکڑے ہاتھ میں پکڑے مجھے تلاش کرتے اور ملنے پر کہتے ''ناصر! دیکھ تیرے لئے کیالایا ہوں''

اِن سطور میں جگہ جگہ حضرت مولانا اطہر حسینؒ ہی کی دی ہوئی اور بتائی ہوئی یادیں ہیں، لکیریں ہیں، خطوط ہیں، نقوش ہیں، ان ہی کی دعائے نیم شبی ہے، آہ سحر گاہی ہے، چھوٹی چھوٹی تحریروں پر ان کی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی تھی، کبھی فرماتے کہ ناصر! میرے والد کی سوانح لکھ دے، کبھی گویا ہوتے کہ ناصر! شجرۂ سعادت کی شخصیات کے تذکرے جمع کردے، کبھی ارشاد ہوتا کہ ناصر! ''مقروض علماء'' کے نام سے ایک کتاب لکھ دے! لیکن آہ! اب کوئی کہنے والا نہیں، کوئی سرپرست نہیں، کوئی اشک شو نہیں۔

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ اوستاد ازل گفت بگو می گویم

آہ! کسی کے والد فوت ہوئے، کسی کے دادا اور نانا فوت ہوئے، میری تو کل کائنات اجڑ گئی، الہا! اُس پاک وپاک باز بندے کے درجات بلند فرما!

اکابر علمائے مظاہر کے اِن سبق آموز، بصیرت افروز واقعات وحکایات کو اپنے لئے وسیلۂ نجاح اور دلیل فلاح تصور کرتا ہوں اور آپ سے بھی دعاؤں کا طالب ہوں۔

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

تحریر کے دوران جس شخصیت کا جو واقعہ ذہن میں آ گیا اُس واقعہ کو اُسی وقت قلم بند کرکے گروپ میں شیئر کردیا، اسی لئے ابھی بے شمار شخصیات اس کتاب کا حصہ ہونے سے رہ گئی ہیں، چونکہ یہ کتاب نقش اول ہے اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ دیر تک اور دور تک جاری رکھنے کا ارادہ ہے اس لئے ممکن ہے کہ جو ہستیاں اس کتاب میں شامل نہیں ہیں وہ نقش ثانی یا نقش ثالث میں شامل ہوجائیں تاکہ بعد میں کوئی بندۂ خدا اس سلسلہ کو ''عناوین'' کے تحت جمع اور یکجا کردے تو یہ مظاہر علوم کی بڑی خدمت ہوگی۔

ممکن ہے کہیں غلطیاں رہ گئی ہوں، یہ بھی ہوسکتا ہے تاریخی سہو ہوگیا ہو، عین ممکن ہے

کمپوزنگ میں کچھ خامی ہوگئی ہو! بہر حال مطلع فرمائیں۔تا کہ بعد کے ایڈیشنوں میں ان کی اصلاح کی جاسکے۔

ناصرالدین مظاہری

استاذ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

۳۰ر صفر المظفر ۱۴۴۳ھ

فکر عالی

حضرت مولانا محمد سعیدی مدظلہ

ناظم ومتولی مظاہر علوم وقف سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی علم بالقلم، علّم الانسان مالم یعلم، والصّلوٰة والسلام علیٰ رسوله الأکرم وعلی آله وصحبه ومن تبعه من الأمم۔ وبعد!

گوشۂ گمنامی اور خمول کی زندگی اس لحاظ سے بہت اچھی چیز ہے کہ گمنامی کی زندگی بسر کرنے والا بہت سی آفات وبلیات بالخصوص غیبت جیسی موذی بیماری اور اعمال صالحہ کو گھن کی طرح کھا جانے والے مرض سے محفوظ رہتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إنما مثل الجليس الصالح وجليس السوء كحامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك وإما أن تبتاع منه وإما أن تجد منه ريحا طيبة ونافخ الكير إما أن يحرق ثيابك وإما أن تجد منه ريحا منتنة. (متفق عليه)

اچھے مصاحب (پاس بیٹھنے والے) کی مثال مشک والے جیسی ہے اگر تمہیں اُس سے کچھ نہ ملے تب بھی خوشبو پہنچے گی اور برے مصاحب کی مثال بھٹی والے کی طرح ہے اگر تمہیں (اس کی بھٹی سے) سیاہی نہ بھی پہنچے پھر بھی اس کا دھواں تو پہنچے گا ہی۔

اسی لئے تنہائی کو برے ساتھی سے بہتر، اچھے ساتھی کو تنہائی سے بہتر، اچھی بات بولنے کو خاموشی سے بہتر اور خاموشی کو بری بات سے بہتر فرمایا گیا اور تاکید کی گئی کہ تم برے ساتھی سے بچو! کیونکہ تم اس کے ساتھ ہی پہچانے جاؤ گے۔ اسی طرح برے ساتھی کو جہنم کا ٹکڑا قرار دیا گیا کیونکہ اس کی محبت فائدہ نہیں پہنچائے گی اور وہ اپنا عہد وفا نہیں کرے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم علما کے پاس بیٹھنا اور دانا لوگوں کے کلام کو دھیان سے سننا لازم پکڑو کیونکہ دانائی وحکمت کے نور سے مردہ دل کو زندہ کرتا ہے، جیسا کہ مردہ وبنجر زمین کو بارش کے پانی سے زندہ کرتا ہے۔ (منبہات)

داناؤں کی دانائیوں سے ناواقف اور انجان شخص کے لئے رہنمائیوں کے دروازے وا ہوتے ہیں، حکمت کی باتیں ذہن تک پہنچتی ہیں، ہدایت کی راہیں کھلتی اور گمراہی کے راستوں سے بچنے کی توفیق ملتی ہے چنانچہ کسی دانا شخص سے مروی ہے کہ تین چیزیں غم وآلام کو دور کرتی ہیں: (۱) ذکر الٰہی (۲) اولیاء اللہ سے ملاقات (۳) داناؤں کی گفتگو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لاپرواہی کے ساتھ شکم سیری کو، ظالموں کی صحبت کو، گذشتہ گناہوں کی فراموشی کو اور لمبی لمبی امیدوں کو دل کی تاریکی سے تعبیر فرمایا ہے۔

خوف خدا اور خشیت الٰہی کی وجہ سے بھوکے پیٹ رہنے، نیکوکاروں کی صحبت اختیار کرنے، پچھلے گناہوں کو یاد رکھنے اور چھوٹی امیدوں سے دل کو نور اور فرحت وسرور میسر ہوتا ہے۔

علمائے کرام کی صحبت نہایت ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی تاکید فرمادی گئی کہ تم ایسے علمائے کی صحبت لازم پکڑو جن سے خیر کے چشمے جاری ہوتے ہوں، جن کے پاس بیٹھ کر یاد خدا آتی ہو، جن کی باتیں سن کر خوف طاری اور قلب جاری ہوجاتا ہو جو تمہیں شک سے یقین کی طرف لانے والا ہو، غرور سے تواضع وانکساری کی طرف کھینچنے والا ہو،، دشمنی سے نصیحت وخیر خواہی کی طرف ڈھکیلنے والا ہو، ریاکاری اور نمود ونمائش سے اخلاص کی طرف لانے والا ہو اور خواہشاتِ دنیا اور حرص وہوس سے ہٹا کر زہد وقناعت اور خشیت وانابت کی وادیوں میں پہنچانے والا ہو۔

اس خمول اور گمنامی کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس مزاج کے لوگ عام طور پر افاضہ

خیر نہیں کر پاتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی خیر، ان کے علوم، ان کے تجربات لاشئی ہو کر رہ جاتے ہیں، جب کہ اس قسم کی خصوصیات کے حامل اربابِ خیر کو خداداد قیمتی جواہر اور علم کے درہائے نایاب کے افاضہ کی ضرورت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں خلق خدا کے ساتھ اختلاط اور ان کی طرف سے پیش آمدہ تکالیف کا سامنا ہوتا ہے مگر ان کا یہ عمل نہ صرف ان کے لئے بلکہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان فرمودہ تفصیل کے مطابق یہ شخص دوسری قسم کے لوگوں سے بہتر ہے، ارشاد گرامی ہے: وہ مومن جو لوگوں سے اختلاط اور میل جول رکھتا ہے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتا ہے، تحمل سے کام لیتا ہے وہ اُس مومن سے بہتر ہے جو ایمانی بھائیوں سے میل جول رکھتا ہے اور نہ ہی ان کی طرف سے پہنچنے والے مصائب و تکالیف اور رنج و محن کا مکلف ہوتا ہے۔

امت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو گوشۂ گمنامی اور خمول کی زندگی کو نعمت سمجھتے ہیں، اس کو بھی اختیار کرتے ہیں اور اپنے خاص انداز سے محدود دائرہ میں رہ کر لوگوں کے ساتھ کسی قدر اختلاط اور میل جول رکھ کر ان کو فائدہ پہنچانے کے لئے بھی کوشاں رہتے ہیں، ان سے ملنے والی تکالیف کو بڑے صبر و تحمل کے ساتھ جھیل کر دامن تحمل میں جگہ بنا لیتے ہیں اور اپنے لئے خیر کی سند حاصل کر لیتے ہیں ایسی ہی بات مظاہر علوم کے قابل تقلید اور لائق تحسین و آفرین اکابر اور علماء و مشائخ کے واقعات میں ملتی ہے، یہ ایسی پاکیزہ نفوس قدسی صفات شخصیات ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آئے، جن کے عمل سے انسان میں صلاح و فلاح کی پیدائش بلکہ افزائش، روح کو زندگی اور تابندگی نصیب ہو، ان کی زندگی میں آنے والے واقعات کو بڑھ کر حضرت صحابہ اور خیر القرون کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور قاری یہ کہہ اٹھتا ہے ''تیری شان جل جلالہ''۔

اللہ جزائے خیر دے عزیز گرامی قدر مولانا ناصر الدین مدیر تحریر ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم کو جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رواں دواں اشہب قلم ارزانی کیا گیا ہے، جن کو خداوند کریم نے پاکیزہ ذوقِ تحریر عطا کیا ہے کہ قلم اٹھاتے ہیں اور الفاظ قطار در قطار ان کی طرف سبقت کرتے چلے آتے ہیں کہ ہم میں کون خوش نصیب ہے جس کو حضرتِ ناصر

انتخاب کا شرف بخشیں گے، وہ مظاہر علوم کی بے شمار شخصیات پر قلم اٹھا کر صفحۂ قرطاس پر ان کی عظیم قابل تقلید زندگی اور ان کے لائق تحسین مقدس پاکیزہ حالات پر بے شمار مضامین رقم کر چکے ہیں۔ ان کے مضمون نگاری کے استاذ گو حضرت مولانا انعام الرحمن تھانویؒ ہیں مگر ان کو تاریخی ذوق بالخصوص تاریخ مظاہر پر ان کی نظر اور اس میں روز افزوں ترقی میرے والد ماجد گرامی قدر استاذ العلماء شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اطہر حسین صاحبؒ کی نظر کیمیا اثر کا رہین منت ہے اور اس پر فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کی مستجاب دعاء اور نظر فیض اثر کا شمول بھی ہے، جن کی نگاہ التفات نے ان کو لاریب کندن بنا دیا ہے ،حضرت مرحوم کی جانب سے ان کو مظاہر علوم (وقف) کے ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم کا مدیر تحریر بنانا ان کی طرف سے ان کی صالحیت وصلاحیت کی دلیل ہے۔

اس وقت موصوف نے حضرات اکابر ومشائخ علمائے مظاہر کے عجیب وغریب پاکیزہ حالات جن سے اُن کے فناء فی اللہ ہونے اور ہر کام کو اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ کرنے کا پتہ چلتا ہے بلکہ ان واقعات کو پڑھ کر قلوب متاثر ہوتے ہیں، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، ان واقعات کو پڑھنے کے دوران اشکوں کا براہ راست آستین سے ربط وتعلق قائم رہتا ہے، دل میں خوف خدا طاری اور زبان پر ذکر خدا جاری رہتا ہے، واقعات کیا ہیں یواقیت اور جواہر کا خزانہ ہیں، ہر واقعہ ایک سبق لئے ہوئے ہے، کتاب کا ہر صفحہ اور ہر سطر پڑھنے اور عمل کرنے کے لائق ہے۔

جناب مفتی ناصر الدین صاحب مظاہری نے جب واٹس اپ کے ذریعہ اکابر علمائے مظاہر کے واقعات کو نہایت رواں دواں اسلوب میں قارئین کے سامنے پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو اہم دینی شخصیات، مؤقر علماء اور دینی واصلاحی ذوق رکھنے والے حضرات نے داد تحسین وآفرین سے نہ صرف نوازا بلکہ ہر طرف سے اِن واقعات کی اشاعت کا مطالبہ بڑے شد ومد کے ساتھ کیا جانے لگا، کتنے ہی کتب خانے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لینے اور اپنے اپنے مکتبوں سے شائع کرنے کی جستجو میں سرگرداں ہوئے۔

ابھی تک یہ سلسلہ سو قسطوں پر مشتمل ہے، ضرورت ہے کہ اس سلسلہ کو مزید آگے

بڑھایا جائے، گرچہ یہ کام اپنے آپ میں کچھ کم نہیں ہے، موضوع کی ندرت بھی ہے، شخصیات کا تعارف بھی ہے، ان کے کمالات بھی ہیں اور ایسے مخفی گوشے بھی جو نہاں خانۂ دل میں مستور ومحفوظ تھے، اس میں سبق بھی ہے، عزت بھی ہے، اہل دل کے لئے سامان تفریح قلب بھی، اور روح کو تسکین بہم پہنچانے والا دل آویز اور جاذب نظر مواد بھی۔

''خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را''

اللہ تعالیٰ مرتب کو سلامت رکھے، صحت وسلامتی کے ساتھ لمبی عمر دے، علم وعمل میں برکت ارزانی فرمائے اور نئی تاریخ مظاہر مرتب کرنے کی بھی توفیق بھی عطا کرے، تاکہ تاریخ کے نام پر روز نامچے اور روداد یں پڑھنے کی ضرورت باقی نہ رہے، خدا کرے یہ تشنگی بہت جلد دور ہو کر سامانِ سیرابی وفیضیابی پیدا کرے۔ اللّٰھم زد فزد

محمد سعیدی

ناظم ومتولّی مظاہر علوم وقف سہارنپور

۲۰/ صفر المظفر ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۹/ستمبر ۲۰۲۱ء

اکابرِ مظاہر کا ذکرِ جمیل

حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی مدظلہٗ
سابق استاذ و نائب مدیر ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند
مقیم حال کویت

چشمِ فلک نے چلتے پھرتے انسانوں کا سب سے مقدس گروہ اگر کوئی روئے زمین پر دیکھا ہے تو وہ صحابہ کرامؓ کا گروہ تھا جنہوں نے ایمان کی حالت میں اپنی آنکھوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال انور کا مشاہدہ کیا تھا اور آپ کی ذات بابرکات سے اپنے دل و دماغ کو منور کیا تھا۔ اس گروہ کی تربیت میں آسمانی ہدایات قدم قدم پر کارفرما رہی ہیں۔ چنانچہ وہ بہت جلد جاہلیت اور کفر و شرک کی ظلمت سے نکل کر علماء، فقہاء اور حکماء ربانیین کے صف میں شامل ہوتے چلے گئے اور پھر ساری انسانیت کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت، انسانی نظام کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت تک لے جانے کے لیے پوری عزیمت کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ قرآن کریم نے ان کا حلیہ ''تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ'' (الفتح: ۲۹) کہہ کر بیان کیا ہے تاکہ بعد میں آنے والے ان کے نقش قدم پر چلیں اس لئے صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

من كان متأسيا منكم فليتأس بأصحاب محمد صلى الله عليه وسلم فإنهم كانوا أبرّ هذه الأمة قلوبًا وأعمقها علمًا وأقلها تكلفًا وأقومها هديًا وأحسنها حالًا، قوم اختارهم الله تعالى لصحبة نبيه صلي الله عليه وسلم فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم في آثارهم فإنهم كانوا علي الهدى المستقيم (حلية الاولياء ج:۱، ص ۳۰۵)

اب تقویٰ وطہارت نیکی و پاکیزگی اور علم وعمل سب کے لیے اصل اسوہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات ہے اور آپ کے شمائل ہی دلیل راہ ہیں اور انہیں کا عکس صحابۂ کرام کے سلوک اور کردار اور دین کی خاطر ان کی بے مثال قربانیوں میں ہے، لہٰذا ان کے نقش سے جو جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اس کی زندگی مثالی و معیاری سمجھی جائے گی۔ اکابر دار العلوم دیوبند ہوں یا اکابر مظاہر علوم سہارنپور، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی ہوں یا مولانا محمد مظہر نانوتوی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور مولانا اشرف علی تھانوی ہوں یا ان دونوں کے استاذ گرامی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سبھوں کی زندگی میں صحابہ کرامؓ کی زندگی کا ہی عکس جمیل نظر آئے گا۔

مشہور ہے کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے کسی نے علامہ انور شاہ کشمیری کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے برجستہ اپنے مخصوص خطیبانہ لہجہ میں فرمایا کہ: میں ان کی تعریف میں کیا کہوں؟ یہ سمجھ لو کہ ’’صحابہ کرام کا قافلہ جا رہا تھا اس میں سے یہ پیچھے رہ گئے۔‘‘ برادرم مولانا مفتی ناصر الدین مظاہری نے اکابر مظاہر کی زندگی کی بعض جھلکیاں اپنے سلسلہ مضامین ’’یہ تھے اکابر مظاہر‘‘ میں پیش کی ہیں جن کا مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔ اس دائرہ کو اور بھی وسیع کیا جاسکتا ہے اور مظاہر علوم و دار العلوم کے خیر القرون کے دیگر اکابر کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے جن کا اب صرف تذکرہ ہی باقی رہ گیا ہے۔ اس مجموعہ کے اصل مخاطب ان اداروں کے منتظمین اور اساتذہ کو سمجھنا چاہئے کیوں کہ مدارس کی علمی سطح سے لیکر اخلاقی امور میں بھی بے حد گراوٹ آگئی ہے، اس کے اسباب کا جائزہ لیا جانا چاہیے، ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا؟ علم دین کے حصول کے لیے آنے والے طلبہ

امانت ہیں وہ اپنی تعلیم وتربیت میں اساتذہ اور ذمہ داران کا ہی اثر قبول کرتے ہیں جب تعلیم کا معیار گرنے اور اخلاص واخلاق میں گراوٹ عام ہونے کی شکایت ہو تو اکابر کے حالات سے علم کا ذوق پیدا کرنے اور اخلاص کا جذبہ ابھارنے میں مدد مل سکتی ہے۔ دعا ہے کہ اکابر کا یہ ذکرِ خیر محض مجلس آرائی کا ذریعہ نہ ہوگا بلکہ مؤلف اور قاری سب کے لیے سبق آموز اور اخلاص عمل پر ابھارنے کا باعث بنے گا۔

واللہ ولی التوفیق

بدرالحسن القاسمی۔ الکویت

زبان میری ہے بات ان کی

مولانا محمد ساجد کھجناوری
مدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، سہارن پور، یوپی

رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ دل علماء اور صالحین سے محبت رکھنے اور ان کی ہم نشینی اختیار کرنے والوں کو کامیابی کی بشارت دی ہے چنانچہ آپ علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: **ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم** (جامع الترمذی باب الدعوات ۲ ص ۱۹۹)

یہ ایسے مقبولان حق ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا محروم اور شقی نہیں رہتا، خود قرآن مقدس ناطق ہے کہ اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو اور صادقین کی معیت اختیار کرو۔

اب ذرا چشم وا کر کے دیکھا جائے تو یہ عقدہ بالکل روشن ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے پیغمبروں کو مادی کثافتوں سے دور روح وروحانیت کا ایسا چشمۂ خیر بنا دیتا ہے کہ ان کی ذات والا صفات ہدایت وایمان کا واسطہ بن جاتی ہے، اللہ کی وحی ان کے پاس اترتی ہے تو ان کا درجۂ حرارت ایمان بھی صد فیصد رہتا ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کی مثالی زندگی تو سب کے سامنے ہے جنھوں نے دنیا کے سامنے کفر وشرک ـــــ اور بدبودار سماج کا کس طرح مقابلہ کر کے دنیا کو جینے اور اپنے حقیقی پروردگار سے حقیقی شناسائی پیدا کرنے کا حوصلہ دیا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تیئس سالہ اپنے دور نبوت میں یقین ومعرفت کے ایسے ایسے آفتاب وماہتاب روشن کیے جن کی حرارت ایمانی نے ایوان

ظلمت کو چکا چوند کیا اور دنیا میں تہذیب و شرافت، تمدن، انسانیت اور خدا شناسی کا بول بالا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ نبوت سے براہ راست استفادہ کرنے والوں کو خود دربار الٰہی سے خوش بختی اور پسندیدہ کارگزاری کا سرٹیفکٹ ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

جس کا ترجمہ یہ ہے:

محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں، آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کررہے ہیں کبھی سجدہ کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار سجدہ کی تاثیر کے سبب ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

آفتاب نبوت سے جگمگانے والے اس مقدس گروہ اور چودہ سو سال کا زمانی فاصلہ طے ہونے کے باوجود ان کی اداؤں پر مر مٹنے اور ان کے نقوش زندگی کو چراغ راہ بنانے والے اگر کسی خوش نصیب قافلے پر نگاہیں جمتی ہیں تو پھر مسند الہند الامام حضرت شاہ ولی اللہ محدث الدھلوی اور آپ کے ہم مشن اکابر دار العلوم و مظاہر علوم ہی خیر القرون کے جلوہ جہاں آرا کے ترجمان نظر آتے ہیں، جنہوں نے پورے اعتدال و جامعیت کے ساتھ دین قیم کی راست تعبیر و تشریح اپنی زبان و قلم اور حال و قال سے اس طرح کی ہے کہ دین فطرت کے جواہر آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت حقہ کے فیضان سے مشرق و مغرب کو منور کیا ہوا ہے: و ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

مخدوم گرامی مولانا مفتی ناصر الدین مظاہری استاذ مظاہر علوم وقف سہارن پور نے اسی خدامست طائفہ کے کچھ مردان حر سے صالح زندگی کے رازہائے ترقی ہم تک پہچانے کی کوشش کی ہے، اکابر مظاہر کے یہ واقعات دلوں پہ نہ صرف دستک دیتے ہیں بلکہ ایمان وعقیدہ کی جنس جگانے اور خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کا بھی صادق جذبہ عطا کرتے

ہیں۔ان واقعات وحکایات میں صداقت کی خوشبو،عملِ صالح کی جستجو اور کمال کی چاشنی ہے۔اپنے رب سے مستجاب سرگوشیوں کی البیلی ادائیں ہیں۔خالق ومخلوق کے مابین فرق مراتب ملحوظ رکھنے کے ساتھ کمالِ قرب پانے کی داستان عشق وفا ہے۔یہ ان خاصان خدا کے قصص اور وظائفِ زندگی ہیں جہاں جو ہر انسانیت کو بچانے کی ہر قیمت چکائی گئی ہے۔ اس الف لیلائی داستان میں سیرت وکردار کے ایسے ایسے درخشاں باب پنہاں ہیں جہاں انسانی عظمتوں کا طواف قلب ودماغ کو صیقل کرنے کے ساتھ عبدیت وفنائیت کی معراج کراتا ہے۔خوش اخلاقی،خوش کلامی،خوش فکری،خوش عقیدگی اور تقوی وخشیت جیسے اوصاف اس کے خانۂ دل میں انگڑائی لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ان واقعات میں خوف ورجا کی ایسی ملی جلی تصویر ہے جہاں مؤمن بندہ احتساب عدالت کا اذعان بھی رکھتا ہے اور غفران الذنوب کی کامل توقع بھی۔اسی لیے ندامت سے ٹپکنے والے آنسوں کیا بعید ہے کل روز قیامت موتی سمجھ کر چن لیے جائیں اور دم بھر میں بیڑہ پار ہوجائے۔مفتی ناصرالدین صاحب کی ترتیب دادہ کتاب ''یہ تھے اکابر مظاہر'' ایسے ہی احساسات ودروس کا دل کش مجموعہ ہے جس کے مضامین از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق اور یقین ومعرفت کی سرد انگیٹھی کو حرارت بخشنے والے ہیں۔ہنوز یہ ایمان افروز واقعات سینوں،سفینوں اور قلم وقرطاس کے پنوں پر بکھرے پڑے تھے،حال آں کہ یہ اپنے تنوع افادیت اور تاثیر عمل کے لحاظ سے روح افزا اور بہترین ٹانک بھی ہیں۔مفتی صاحب نے ارباب علم ودانش کے سنجیدہ اور فعال واٹس ایپ گروپ ''علم وکتاب'' پر اس کی ایک دو قسطیں پیش فرمائیں تو ھل من مزید کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے علم وکتاب سے شروع ہونے والا یہ زریں سلسلہ مقبول خاص وعام ہوگیا اور اسے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی تحریک زور پکڑنے لگی۔رحمان ورحیم کی مہربانی دیکھیے کہ اسباب خیر فراہم ہوتے چلے گئے،چنانچہ اب بہت جلد یہ کتاب اہل طلب اور باذوق ہاتھوں میں ہوگی۔ان شاء اللہ تعالیٰ

مرتب کتاب مولانا مفتی ناصرالدین مظاہری زید مجدہم مدیر آئینہ مظاہر علوم سہارن پور کے بارے میں کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے جیسا ہی کہلائے گا۔اللہ نے آپ کو

زبان وقلم کا خوب صورت ذوق بخشا ہے، وہ تقریباً تین دہائیوں سے قلم وکتاب سے جڑے ہیں۔ انہوں نے ہر طرح کے موضوعات پر اپنے قلم کو سلامی دی ہے اور زبان وبیان کے فنی تقاضوں کو پورا کرنے ساتھ صحافت وادب کی نمایاں خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے قلم گہر بار سے اب تلک تقریباً ایک درجن مصنفات کتب ورسائل اور دستاویزی نمبرات کی شکل میں مطبوعہ وغیر مطبوعہ ہیں، جن سے آپ کی قلمی پیش رفت اور زود نویسی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی تحریروں میں بلا کی روانی اور جاذبیت پائی جاتی ہے، موضوع کوئی بھی ہو مفتی صاحب بے تکان لکھتے اور وافر معلومات بکھیرتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ آپ کا یہ علمی اور قلمی سفر دیر اور دور تک یونہی جاری وساری رہے اور آپ کا مرحلہ شوق کبھی طے نہ ہو۔

والسلام

محمد ساجد کھجناوری

مدیر ماہنامہ صدائے حق گنگوہ

۲۷ رجب المرجب ۱۴۴۳

یکم مارچ ۲۰۲۲

مقدمہ

حضرت مولانا سیّد نسیم اختر شاہ قیصر مدظلہٗ

استاذ دار العلوم وقف دیوبند

زندگی اتنی ارزاں اور سستی نہیں کہ اسے غفلتوں کے حوالے کر دیا جائے، یہ بندوں کو عطا کیا گیا وہ قیمتی سرمایہ ہے جسے خالق نے بخشا، مالکِ کل نے حسن، خوبصورتی، دلکشی، جاذبیت عطا فرما کر اس کارزارِ عالم میں اپنی بندگی کی دولتِ عظیم سے نوازا۔ یہ زندگی اس احساس، جذبہ اور شہادت کو زندہ رکھتی اور جلا بخشتی ہے جو روزِ ازل میں قائم کی گئی تھی۔ یہ معبود اور عبد کے حقیقی رشتوں، خالق ومخلوق کے مضبوط رابطوں کی وہ داستانِ مسلسل ہے جو اختتامِ دنیا تک دہرائی جاتی رہے گی۔ اس داستان کی تزئین اور رعنائی جن لوگوں سے باقی اور جاری ہے ان میں سب سے اول اعلیٰ اور مکمل نمونہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ عظیمہ کی صورت میں موجود ہے۔ یہ وہ چشمۂ صافی ہے کہ اس کے چند قطرے ابھی حلق سے اترے اور ابھی ایمان، یقین، عقیدے، محبت، خشیت، للّٰہیت، اطاعت، عبادت کے ایسے کوہ وستون وجود میں آئے جنہیں انسانی دنیا روح میں بساتی، دلوں میں جگہ دیتی اور اپنا مقتدا تسلیم کرتی ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، علم، اخلاق، کردار، عمل، سلوک، برتاؤ، معاملات، اور معاشرت کا وہ بحرِ رواں اور بحرِ بے کراں ہے جس کی موجوں نے کروڑوں میل کا سفر طے کرنے کے باوجود اپنی توانائیوں اور وسعتوں کو قطعی متاثر نہیں ہونے دیا۔ یہ سمندر کہ جس کے طول وعرض کو ناپا نہیں جا سکتا، توحید کے پیاسوں اور ایمان کے لئے مضطرب انسانی قافلوں کی سیرابی اور سکون کا کام صدیوں سے انجام دے رہا ہے۔

دورِ نبوت میں صدق وصفا کی اتنی شمعیں قطار اندر قطار نظر آئیں، خدائی بندگی اور غلامی کے اتنے فانوس روشن ہوئے، عاشقینِ دین اور فریفتگانِ رسول کے اتنے چراغ جلے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے لے کر آس پاس کے تمام علاقے نور ونکہت کا مرکز بنے۔ خدائے ذوالجلال کی کبریائی اور بڑائی کی صدائیں رات اور دن سنائی دینے لگیں، صالح معاشرہ اور مہذب سماج کی تشکیل سے پوری دنیا اخلاقیات کے نور میں ڈوب گئی، قیادت ان کا امتیاز اور سیادت ان کی تاریخ ٹھہری۔ انہوں نے زمین کے جس حصہ پر قدم رکھا وہاں حسنِ عمل کے ساتھ حسنِ باطن کے سوتے جاری ہو گئے، اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ کے خداوندی اعلان کا خود کو مستحق بنایا۔ جاہ وجلال کے مالک حکمراں، وسیع اور طاقتور حکومتیں ان کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ انہوں نے احکاماتِ خداوندی کی تعمیل اس طرح کی کہ فرشتے ان کا دیدار کرتے، ان کے ایمانی عزائم اور دینی استقامت کو ان آنکھوں سے دیکھتے جن میں رشک ہی رشک نظر آتا۔

زمانے نے چند قدم اور آگے بڑھائے اور وقت نے سینۂ گیتی پر چند اور حقائق کو جگہ دی، کچھ اور صداقتیں وجود میں آئیں، کچھ اور سچائیاں رقم ہوئیں، یہ حقائق، یہ صداقتیں، یہ سچائیاں ان انسانوں کی صورت میں تھیں جو ہماری اسی دنیا کے وہ کردار تھے جو مثال بنے، نظیر قرار پائے، انفرادیت کے حامل ٹھہرے، دورِ آخر میں ان اشخاص نے تاریخ علم وعمل کو نئی تاب وتوانائی، رعنائی وزیبائی بخشی، ان کی شخصیت کے سحر، ان کے انفاس کی خوشبو، ان کے کارہائے بے شمار کی دھمک، سطحِ زمین سے ہوتی ہوئی روحوں کی گہرائی، قلوب کی دنیا اور اذہان کے ہر گوشے میں محسوس کی گئی۔ انسانوں کے یہ وہ قافلے اور علمائے ربانیین کے یہ وہ کارواں تھے جن کو علم، کمال، ذہانت، فطانت، رذانت، صلاحیت، اخلاص کی دولتِ فراواں حاصل ہوئی۔ ان کے شب وروز اللہ کے ولیوں کے شب وروز تھے، ان کی صبح کا آغاز ”اللہ نے یہ فرمایا“ سے ہوتا، ان کی شام رات کا آئینہ ہوتی اور رات اپنے رب کے حضور قلب کی پاکیزگی کے ساتھ گزارتے، دیگر اوقات میں درس وتدریس کی ہماہمی رہتی، علمی نکتہ آفرینیوں اور دینی مسائل کی گتھیوں کو سلجھانا ہی ان کی زندگی کی بنیاد اور عنوان تھا، وہ

معاملات اور اخلاق وعمل کی ایسی جوئے رواں تھے جس کے رکنے اور خشک ہونے کا تصور ہی قدرت نے مٹادیا تھا۔ اصلاح وتربیت، سلوک وتصوف، بیعت وارشاد کے جتنے پیکر ڈھلے وہ ہمارے ان ہی بڑوں کی علمی، عملی تاریخ سے عبارت ہیں۔ ہمارے بزرگوں، ولی صفت انسانوں اور علمائے باوقار کی ایک جماعت، ایک گروہ اور ایک مقتدر قبیلہ علمائے مظاہر کی صورت میں بساطِ حیات پر یوں نمودار ہوا کہ ان کے علم، اخلاص وللہیت، کمال وفن، انابت الی اللہ، خشوع وخضوع کے حقیقت افروز واقعات، پاکیزہ اور زرّیں قصے، متاعِ گراں مایہ اور متاعِ بے بہا قرار پائے، بلکہ انہیں متاعِ زندگی کہنا زیادہ صحیح اور مناسب ہوگا۔

یہ واقعات زندگی کا حسن ہیں، انسانی عظمتوں کے روشن مینار ہیں، علماء کبار کی عالمانہ بلکہ نفس وشیطان کے خلاف مجاہدانہ سرگرمیوں کا خوبصورت بیان ہیں۔ ہمارے محترم اور مکرم مولانا مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب مدظلہ استاذ ومدیر ماہنامہ آئینہ مُظاہر علوم (مظاہر علوم وقف سہارنپور) کے سحر طراز قلم نے انہیں نئی زندگی دی اور آبِ حیات کے قطرے پلائے، جس کے نتیجے میں ماضی جاگ اٹھا، گزرا زمانہ نگاہوں کے سامنے آکھڑا ہوا۔ بیتے وقت نے کروٹ لی، چہروں کی رونق، تازگی، پاکیزگی کے منظر چابک دستی اور مہارتِ تامہ کے ساتھ کاغذ کے سینے پر اتارے گئے، اس کا اندازہ تو کچھ وہی لوگ کرسکتے ہیں کہ جو اس کتاب ''یہ تھے اکابر مظاہر'' کی قسطیں پڑھ چکے ہیں، یا اب کتاب کی صورت میں پڑھیں گے انشاء اللہ۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبد اللطیف پورقاضویؒ، حضرت مولانا عبد الرحمن کیمل پوریؒ، حضرت شیخ مولانا زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ جیسے اساطینِ امت اور علمائے دہر کے واقعات آنکھوں کی روشنی، دل کی طمانیت، روح کی نظافت کا سامان فراہم کرتے ہیں، یہ جبالِ علم وعمل انسانوں کے ہجوم میں مثال ہیں، ان مثالوں کو جو مختلف کتابوں کا حصہ اور سینوں کا اثاثہ تھیں۔ محترم مولانا مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب مدظلہ نے اسلوب وادا کے منفرد

انداز، زبان و بیان کے نکھار، قلم کی بے ساختگی، لب ولہجہ کی سطوت، جملوں کی بناوٹ، عبارتوں کی جامعیت اور تسلسل کو یوں لکھا اور باقی رکھا کہ ہر واقعہ اپنی تاثیر اور کیفیت سے نئے عالم کی سیر کراتا اور اس دور سے ہمیں متعارف کراتا ہے جو روحانی اور باطنی کمالات کی حامل شخصیات اور زمانہ ساز ہستیوں کا دور تھا۔ محترم مولانا مفتی ناصر الدین مظاہری مدظلہ کی تحریریں جذبۂ خالص سے لکھی ہوئیں، دل کے تاروں کو اپنے لمس کا احساس دلاتی ہوئیں، اپنی انگلیوں سے روح کو گدگداتی ہوئیں اور فکر وخیال کو زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کراتی ہوئیں تحریریں ہیں۔ کتاب کو انہوں نے بڑی محبت اور چاؤ سے لکھا ہے اس لئے سوز، عقیدت، محبت، واقعیت، فریفتگی، الفت خود بخود جگہ بناتے چلے گئے، ان کے قلم نے انفرادیت اور ندرت کے ساتھ بامعنیٰ تعبیرات، نکھری تشبیہات اور پرزور تمثیلات کی ایسی حصار بندی کی کہ ان سے باہر قدم نکالنے پر طبیعت کسی صورت آمادہ نہیں ہوتی، ہزاروں قیمتی ہدیوں، بہترین تحفوں، لاجواب سوغاتوں کے مقابلے میں اگر یہ کتاب ہاتھ میں ہوتو ہر صورت میں کتاب انتخاب وپسند کی میزان میں بھاری ثابت ہوگی۔ اللہ کریم کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبولیت سے گزار کر بندوں کے درمیان مقبولیت کی سند عطا فرمائے اور صاحبِ قلم اور ناشر دونوں کے لئے دینی اور اخروی منافع کا ذریعہ بنائے۔ آمین

عرضِ ناشر

کتابی دنیا میں دیوبند کی اہمیت اور اس کی اشاعتی سرگرمیاں پوشیدہ نہیں ہیں، طویل زمانے سے دیوبند نے کتابی دنیا میں نہ صرف یہ کہ اپنی پہچان بنائی بلکہ اعتبار کی منزلوں کو سر کیا ہے۔ ''مکتبۃ الانور'' کتب خانوں کی بھیڑ میں پہلے دن سے اس کے لیے کوشاں ہے کہ قارئین کو وہ مواد فراہم کرے اور ایسی کتابیں منظر عام پر لائے جو عام آدمی کی زندگی سے لے کر خاص آدمی کے لئے رہنما ہوں اور جن سے سماجی، معاشرتی، دینی، شرعی، اخلاقی ضرورتوں کی تکمیل ہو، رسومات و بدعات کی بیخ کنی ہو، نیکیوں اور خیر کی جانب لانے والی ہوں، برائیوں اور گناہوں سے بچانے والی ہوں۔

ایسے لٹریچر کے لیے ہم نے ایک کمیٹی قائم کی ہے جس میں علماء و فضلاء کے ساتھ ساتھ دانشوران اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد شامل ہیں۔ ان کے مشوروں اور تجربوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کتابوں کا انتخاب کیا جاتا ہے جو کار آمد اور مفید ہوں اور ہم ایسے اصحابِ علم اور اصحابِ قلم سے رابطہ میں ہیں جو ادارے کی بنیادی سوچ اور فکر کے اعتبار سے کتابیں لکھ سکیں اور ترتیب دے سکیں۔

بحمد اللہ مختلف عنوانات اور موضوعات پر ادارہ کئی کتابیں شائع کر چکا ہے، خاص طور سے مسائل حاضرہ پر اس کی کاوشیں لائق توجہ ہیں۔ اس کے علاوہ طلباء مدارس دینیہ کی سہولت اور آسانی اور ذہنی استعداد کے پیش نظر مختلف علوم کی وہ ابتدائی و متوسط کتابیں لکھوائی ہیں جن سے طلباء کی استعداد نکھرے اور ان کی علمی صلاحیت کو جلا ملے، پھر معیار کا

بھی ہم نے خاص خیال رکھا ہے، کاغذ اور طباعت اعلیٰ اور عمدہ ہو، تصحیح کا اہتمام ہو، کتاب حتی الامکان اغلاط سے پاک ہو اور قاری کو ایک معیاری کتاب واجب قیمت میں فراہم ہو۔

قارئین کرام کی خدمت میں مکتبہ کی نئی کتاب ''یہ تھے اکابر مظاہر'' پیش ہے۔ یہ ہماری اعلیٰ مطبوعات کی سنہری کڑی میں ایک بیش قیمت گوہر کا اضافہ ہے۔ اکابرِ مظاہر اپنے علم و عمل، زہد و تقوی، خشیت وللّٰہیت، سادگی و معصومیت، اخلاص و انابت الی اللہ، تبحر وعلمی رسوخ، بزرگی و فنائیت، ظاہر و باطن کی پاکیزگی اور قال و حال کی صداقت میں زمانہ بھر میں لامثال، بس اپنی مثال آپ تھے۔ یہ اکابر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر مضبوطی سے عمل پیرا اور آپ کی سنتوں کے دیوانگی کی حد تک متبع وشیدائی تھے۔ عمر بھر تنگ دستی، فقر و فاقہ، ہزاروں تکلیفیں، اور بے شمار مصائب جھیلتے رہے، نہ عالی شان کوٹھیاں تیار کیں، نہ بلند و بالا محلات تعمیر کئے، نہ اپنے پیچھے زرِ کثیر اور مال و دولت کا انبار چھوڑا۔ درویشی اور استغنا میں زندگی بسر کی اور شب و روز قال اللہ وقال الرسول کا پیغام عام کرنے، خدا کے دین کو دور دور تک پہنچانے، نیکیوں کہ طرف بلانے اور برائیوں سے بچانے میں گزاری۔ بے شک ان قدسی صفات اکابر کا تعلق بھی اس گروہِ خاص سے تھا جس کے بارے میں حضرت سفیان بن عیینہؒ نے فرمایا ہے: تنزل الرحمۃ عند ذکر الصالحین (نیک بندوں کے تذکرے کے وقت رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے)۔ صلحاء کا تذکرہ عظیم سعادت اور خاص توفیقِ خداوندی کی نشانی ہے۔ حق جل مجدہ کی جانب سے مولانا ناصر الدین مظاہری صاحب کو یہ سعادت اور توفیق عطا ہوئی اور انہوں نے ''صالحینِ مظاہر'' کا ذکرِ خیر ''یہ تھے اکابرِ مظاہر'' کے عنوان سے بڑی خوش اسلوبی اور جادو بیانی سے کیا۔ زیرِ قلم اکابر کی شخصیات کا حسن و جمال اور دلفریبی تو چڑھتے سورج کی طرح عیاں ہے، خود تذکرہ نگار قلم کی سحر طرازی، دلکشی، فسوں کاری بھی چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہے۔ مولانا ناصر الدین مظاہری اردو داں طبقہ کے لیے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ طویل عرصہ سے رسائل و جرائد میں کثرت اور تسلسل سے لکھ رہے ہیں اور اپنی قلمی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک ان کی یہ تازہ کاوش ان کا اب تک کا سب سے نمایاں

کام ہے۔اور یہ اس لیے کہ انہوں نے یہ مضامین سوز و گداز، جذب وشوق، محبت وعقیدت کے بحرِ بیکراں میں ڈوب کر لکھے ہیں اور ہمارے سامنے انمول، نایاب بے بہا موتی اور جواہر چن چن کر پیش کئے ہیں۔اے مولائے کریم اس کتاب کے مصنف، قاری، ناشر اور اس کی طباعت میں تعاون کرنے والے ہر فرد کو اپنے خزانۂ رحمت سے نواز دے اور ان اکابر کی زندگیوں کے آئینہ میں کچھ سیکھنے، عمل کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔آمین یا ربّ العالمین

أحب الصالحين ولست منهم

لعل الله يرزقني صلاحًا

عبید انور شاہ قیصر

استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

وڈائریکٹر مکتبہ الانور دیوبند

8171554526

یہ تھے اکابرِ مظاہر

نتیجۂ فکر: محمد سمعان خلیفہ ندوی
(استاد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، مدیرِ اعلیٰ ماہ نامہ بچوں کا پھول)

یہ مظاہر کے افق کے آفتاب وماہتاب
جن سے تابندہ خذف تھے اور گہر تھے فیض یاب
گلستانِ معرفت میں جن کے دم سے تھی بہار
اور گلہائے چمن کو جن سے ملتا تھا قرار
رندِ بادہ خوار تھے وہ حق کے مے خانے کے بیچ
کیا عجب مستی تھی اُن کے دل کے پیمانے کے بیچ
راہ کو پُر نور کر کے تیرے دیوانے گئے
جن کے نقشِ پا سے رستے حق کے پہچانے گئے
بزمِ ہستی میں فروزاں شمعِ محفل کی طرح
رزم گاہِ زیست میں وہ مرغِ بسمل کی طرح
وہ تھے بہرِ محفلِ جاناں شرابِ ناب بھی
اور وصالِ حق کی خاطر ماہیِ بے آب بھی
دشتِ امکاں میں مثالِ آہوئے تاتار تھے
اور جہانِ معرفت میں ناقۂ سیار تھے

علم کے پیاسوں کی جولاں گاہ زیرِ آسماں
مہروماہ ومشتری اور بزمِ انجم ہم عناں
جن کو حاصل معرفت کی دولتِ بیدار تھی
اور تمنا جن کی محوِ لذتِ اظہار تھی
وہ سراپا برق بہرِ خرمنِ طاغوت تھے
اِس جہانِ آب وِگل میں طائرِ لاہوت تھے
کاروانِ معرفت کے قافلہ سالار تھے
کشتِ ویراں کے لیے وہ ابرِ گوہر بار تھے
جن کے دم سے آشکارا تھے شریعت کے رموز
فخر کرتا ہے مظاہر اُن کی روحوں پر ہنوز
تربتوں پر اُن کی برسے تیری رحمت کی پھوار
اور آئے اُن کے گلشن میں بہارِ پُر بہار
پاک سیرت قدسیوں کی اِس جماعت کو سلام
اِس صداقت اِس عدالت اِس شجاعت کو سلام
پیکرِ انوار ہیں یہ بندۂ مولا صفات
مرکزِ الطاف بھی اور عکسِ آئینِ ثبات
ساقیانِ معرفت ندوہ مظاہر دیوبند
ہند کی ظلمت میں ملت اُن کی ہے احسان مند
ہوں شرابِ ناب سے لبریز پھر جام وسبو
مے کدہ آباد ہو سمعانؔ کی ہے آرزو

اکابر علمائے مظاہر

وارثینِ انبیاء داناۓ رازِ کُن فکاں
پاکدامانی پہ جن کی جھومتا ہے آسماں
جن سے وابستہ ہے علم وفضل کی کاہِ کشاں
گلستانِ قوم وملت کے حقیقی پاسباں
تاجدارِ انبیاء کے ان غلاموں کو سلام
جن کے دم سے ہے مظاہر کی بہاروں کو قیام
آسمان علم و فن کے آفتاب و ماہتاب
جن کے صبر وفقر میں پلتی تھی روحِ انقلاب
جرأت و اظہارِ حق میں آپ ہی اپنا جواب
باادب رہتے تھے جن کے سامنے عزت مآب
یہ مظاہر سے، مظاہر ان سے پہچانا گیا
آئینہ کو ہی جواب آئینہ مانا گیا
پیش ہے انجمؔ تعارف ایسی شخصیات کا
زندگی پر جن کی سایہ تھا الٰہیات کا

(محمد اسلام انجمؔ سہارنپوری)

سہارنپور

سہارنپور کا تاریخی نام شہر پرزیب ہے، اس کا اصل نام شاہ ہارون پور ہے جو تحریف ہو کر سہارنپور ہو گیا (''واقعات دار الحکومت'' کے مصنف نے جو وجہ تسمیہ درج کی ہے وہ صحیح نہیں ہے)۔

اس شہر کی آبادی کا آغاز ۷۲۶ھ میں محمد تغلق کے دور سے ہوا ہے، شاہ ہارون چشتیؒ کے زمانہ میں راجو قتال کے خواہر زادہ قصبہ اوچھ ملتان سے سہارنپور تشریف لائے، یہاں آ کر علمی وعرفانی خدمات کا سلسلہ شروع فرمایا جو قرناً بعد قرن باختلاف حالات وشئون اب تک مدارس وخانقاہوں کی شکل میں جاری ہے، دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور دیگر جاری وساری مدارس اور بافیض خانقاہیں درحقیقت آپ ہی کے فیض کے ثمرات ہیں۔ (شیخ الادب نمبر)

جس زمانے کی میں باتیں بتا رہا ہوں اس زمانے کی کسی بھی شخصیت کے بارے میں تقوی اور تقدس کا واقعہ، حزم واحتیاط کی باتیں، عبادت وریاضت کے قصے اور سنتوں کا اہتمام کچھ بھی ممکن ہے، جب میں یہ واقعات بتاتا ہوں تو خطرہ اور دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ کہیں میری اِن باتوں کو جھوٹ یا مبالغہ پر محمول نہ کیا جائے، میں بھی یقین نہ کرتا اگر میں نے اپنی اِن ہی آنکھوں سے فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین کے تقدس کو، شیخ الادب حضرت مولانا اطہر حسین کی طہارت کو، ادیب اریب حضرت مولانا انعام الرحمن تھانویؒ کی کفایت شعاری کو، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری کے تقوی وتقدس کو، حضرت مولانا زین العابدین اعظمی کی سادگی وتقشّف کو اور حضرت مولانا حافظ فضل الرحمن کلیانوی

کے زہد وورع کو نہ دیکھ لیتا، لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ میں نے شر القرون میں خیر القرون کے چہرے دیکھے، میں نے مظاہر علوم میں انسانوں کی شکل میں چلتے پھرتے فرشتے دیکھے، میں نے سہارنپور میں دین ودیانت کا بول بالا دیکھا، میں نے عوام میں خوف خدا دیکھا، میں نے تاجروں میں دینداری دیکھی، عوام کی نماز میں دلچسپی دیکھی، میں نے دیکھا کہ نوجوان اسکولی بچے بھی اپنی جیب میں ٹوپیاں رکھتے تھے تا کہ کہیں بھی ہوں نماز باجماعت میں شامل ہوسکیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو قرب و جوار کی مساجد کے اوقات صلوۃ کا پتہ رہتا تھا، یہاں کے خوانچہ فروش، چائے فروش، فروٹ فروش اور عام لوگوں کی زبان پر اکابر کے تذکرے دیکھے، رمضان المبارک کے مہینے میں پورے شہر کے مسلم ہوٹل بند دیکھے، ہر دیندار کو کسی نہ کسی بزرگ سے مربوط دیکھا، عید قرباں کے تینوں دن تمام مسلمان اپنے ہوٹل بند رکھتے تھے، آہ! ع

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی

۞۞۞

مظاہر علوم

ڈیڑھ صدی پہلے کرۂ ارض پر ابھرنے والا علم وعمل کا کوہ ہمالہ، تقویٰ وتقدس کا شعلہ جوالہ، تدبیر وتدبر اور دانش وبینش کا وہ پرکیف و پرکشش "ہالہ" ہے، جس کے اردگرد ٹمٹماتے، جھلملاتے، جگمگاتے اتنے ستارے اور سیارے ہیں، جن کی گنتی مشکل اور خوبیوں کا شمار ناممکن ہے۔

چنانچہ:

حضرت مولانا مفتی سعادت علیؒ کی فقاہت

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی تفسیر

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کی حدیث

حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنیؒ کی تصنیفات

حضرت مولانا عنایت الٰہیؒ کا ورع

حضرت مولانا ثابت علی پورقاضویؒ کا علم معقول

حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ کا تقویٰ

حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ کا سلوک

حضرت مولانا سید ظہور الحق دیوبندیؒ کا استغناء

حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی اوجز المسالک اور فضائل اعمال

حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ کی عبادت

حضرت مولانا قاری عبدالعزیز کاکویؒ کا علم القراءت

حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کا تفقہ

حضرت مولانا سید صدیق احمد کشمیریؒ کا زہد

حضرت مولانا عبدالمجید مہیسرویؒ کی لگن

حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ کی ریاضت

حضرت مولانا محمد زکریا قدوسیؒ کی خطابت

حضرت مولانا قاری محمد سلیمان دیوبندیؒ کی بالغ نظری

حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولویؒ کی غیرت

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کی ادبیت

حضرت مولانا سید ظریف احمد پورقاضویؒ کی ظرافت

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی حاضر جوابی

حضرت مولانا قاری سید محمد سلیمان دیوبندی کی تدریس

حضرت مولانا انعام الرحمن تھانویؒ کا اسلوب نگارش

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ کی بصیرت

حضرت مولانا محمد اللہ سہارنپوریؒ کی نزاکت

حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ سہارنپوریؒ کی دانائی

حضرت مولانا سید وقار علی بجنوریؒ کا علم میراث

حضرت مولانا شیخ محمد یونس جونپوریؒ کا علم الحدیث

حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز رائے پوریؒ کی دور اندیشی

حضرت مولانا اطہر حسین اجراڑویؒ کی عربیت

حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوریؒ کی شرافت

اور کیا کیا بتاؤں؟ کہاں تک بتاؤں؟ کیونکر بتاؤں؟

ہر شخص میل کا پتھر...... ہر شخصیت لعل و گوہر

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے

جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے

وہ دور میں نے نہیں دیکھا البتہ ان لوگوں کو خوب دیکھا ہے جنھوں نے نہ صرف اُن مناظر کو دیکھا بھی بلکہ محفوظ بھی کیا اور زبانی ہی سہی اگلی نسلوں تک پہنچانے کا کام کیا، لیکن سینہ بسینہ انتقال اور زبان درزبان نقل سے تبدیلیاں واقع ہوتی چلی جاتی ہیں، الفاظ بدلتے چلے جاتے ہیں، محاکات کی ندرت ماند پڑتی چلی جاتی ہے، اب نہ وہ دماغ رہے، نہ حافظے، نہ وہ غذائیں رہیں نہ رابطے، نہ وہ شرافت بھری زندگی رہی نہ واسطے، اب ''خلافت'' خالی آفت بنادی گئی، شرافت کو ''شروآفت'' سے بدل دیا گیا۔ تعبیرات بدل دی گئیں، سوچ بدل گئی، برہنگی کو ''فن کاری'' کہاجانے لگا، عریانیت کو ''فیشن'' کا نام دے دیا گیا، اخلاق باختگی ''ترقی'' ٹھہری، صنفی بے راہ روی ''جمہوریت'' بن گئی، گالی گلوچ ''آزادی رائے'' قرار پائی، خرد کا نام ''جنوں'' رکھ دیا گیا، جنون اور دیوانگی کو ''عقل ودانش'' سے یاد کیا جانے لگا مرض نہیں رہا، مریضوں نے اپنے نظریئے بدل لئے، بیماریاں ''خوبیاں'' بن گئیں، بدنظری، فحش کلامی اور حیاسوزی نے ''فلرٹنگ'' کا جامہ پہن لیا، سچ ہی تو کہا ہے شاعر مشرق نے:

نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حُسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زُلفِ ایاز میں
جو میں سر بسجدہ ہُوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صَنم آشنا، تجھے کیا مِلے گا نماز میں

اصاغر کے اِس جھرمٹ میں اکابر کی یادیں بہت ستاتی ہیں، خاندانی قدروں کو پامال ہوتے دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے، شرافت کے جنازے کو اوباش جب کاندھا دیتے ہیں تو دل پر جو گزرتی ہے زبان پر نہیں آسکتی، پہلے ہر چیز کی حدود تھیں اب حدبندیوں کو

توڑ دیا گیا ہے، اب کے مقابلے پہلے کے سارے ہی لوگ بہتر تھے، انسانی شرافت کا عکس جانوروں میں نظر آتا تھا، کتے تک تہذیب کا مظاہرہ کرتے تھے، شعور کا اظہار کرتے تھے، قانون فطرت کا لحاظ رکھتے تھے، اُس زمانے میں جب لوگ گاؤں سے دور جھاڑیوں، جنگلوں، کھیتوں میں ہلکے ہوتے تھے تو اُسی زمانے میں کتوں کی بھی یہ حالت تھی کہ بول و براز صاف جگہ پر نہیں کرتے تھے، میں نے سہارنپور مظاہر علوم کی دو عمارتوں رُواق مظفر اور دارِ قدیم کے درمیان واقع گلی کی ایک نالی میں ایک کتے کو پاخانہ کرتے دیکھا ہے، یہ بھی دیکھا ہے کہ کتے جفتی کے لئے بھی عوامی جگہوں سے بچتے تھے لیکن آہ! اب کی نسل نے کتوں کو پیچھے چھوڑ دیا، کتے ہمیشہ پیشاب سے بچتے ہیں اور انسانی شکل میں چلتے پھرتے ''لوگ'' پیشاب سے بالکل احتیاط نہیں کرتے، گویا کتوں میں انسانیت پائی گئی اور انسانوں میں حیوانیت دیکھی گئی:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

❁❁❁

حضرت مولانا سعادت علی فقیہؒ ۱۲۸۶ھ

دوران مطالعہ کیا کھایا؟

حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کے معاصر و معتمد، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے استاذ گرامی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے استاذ الاساتذہ، مظاہر علوم کے بانی اور حضرت سید احمد شہید بن عرفان رائے بریلیؒ کی جماعت کے رکن رکین، فقیہ عصر حضرت مولانا سعادت علی علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات اور خدمات ہنوز پردہ خفا میں ہیں، گمنامی اور زاویہ خمول میں پوری زندگی گزاری، نہ والد اور تاریخ ولادت کا پتہ، نہ خاندان اور شجرۂ نسب کا علم، مشکل سے دو چار واقعات کا علم ہوسکا ہے، نزہۃ الخواطر، مظاہر علوم کا ریکارڈ، کتاب سید بادشاہ کا قافلہ، آپ بیتی، علماء مظاہر علوم، نفح المشموم وغیرہ دو چار ہی کتابیں ہیں جو ماخذ کے لئے دو چار سطور فراہم کرتی ہیں ورنہ تاریخ کی تقریبا سبھی کتابیں فقیہ سہارنپور کے تذکرے سے خالی نظر آتی ہیں۔

حضرت مولانا سعادت علیؒ ''فقیہ سہارنپور'' سے مشہور تھے، ۱۲۸۳ھ میں مظاہر علوم کی شروعات اپنے گھر سے کی، گھر پر ہی بچوں کو پڑھاتے تھے، طلبہ زیادہ ہوئے تو کرایہ کا ایک مکان لے لیا، کچھ تعداد اور بڑھی تو قاضی کی مسجد میں تعلیم جاری کردی، اسی دوران ۱۲۸۶ھ میں آپ کا وصال ہوگیا اور مسجد شاہ نور جی کے متصل تدفین عمل میں آئی، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ جیسی نیک طینت ہستیاں مل گئی تھیں جنہوں نے بانی محترم کے انتقال کے بعد تعلیمی سلسلہ کو سنبھالا۔

حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوریؒ کو مطالعہ کا بڑا ذوق تھا، تاریخ میں یہ واقعہ

ملتا ہے کہ ایک بار آپ مطالعہ میں مصروف تھے کھانا سامنے آ گیا، آپ نے دوران مطالعہ کھانا شروع کر دیا، اسی درمیان آپ کی اکلوتی صاحب زادی نے انڈے کا سالن بھی رکھ دیا، مولانا کھانے سے فارغ ہوئے تو بیٹی نے پوچھا کہ انڈے کا سالن کیسا لگا؟

مولانا نے انڈے کے سالن سے لاعلمی کا اظہار کیا تو بیٹی نے عرض کیا کہ میں نے خود آپ کے سامنے انڈے کا سالن رکھا تھا، مولانا خفا ہو گئے اور فرمایا:

"پہلے ہی کیوں نہیں بتلایا تا کہ میں انڈے کا سالن مزے لے کر کھاتا"

گمنامی اور للّٰہیت کے ساتھ زندگی گزاری، آپ کا قائم فرمودہ عظیم الشان ادارہ ''مظاہر علوم'' الحمد للہ صدقہ جاریہ بنا ہوا ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت یہ فیضان علمی جاری وساری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

(بزم اطہر: ملفوظات حضرت مولانا اطہر حسینؒ)

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ ۱۲۹۷ھ

۱۸ر سال کی عمر میں حصولِ علم

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ (متوفی ۱۲۹۷ھ) نے عمر عزیز کے تقریباً ۱۸ر سال تک لہو ولعب اور کبوتر بازی وغیرہ خرافات میں گزار دیئے، تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جس کا قلق اور اندرونی طور پر قلبی احساس حضرت مولانا مفتی سعادت علیؒ کو بہت شدت سے تھا چنانچہ آپؒ نے ایک شخص کے ذریعہ مولانا احمد علیؒ سے ایک علمی مسئلہ دریافت کرایا۔ اس شخص نے حضرت محدث سہارنپوریؒ کے پاس پہنچ کر مسئلہ پوچھا تو آپ جواب نہ دے سکے، جس پر اس سائل نے بطور طنز کہا کہ:

''شہر کے اتنے بڑے معزز علمی ودینی خانوادے میں پیدا ہوئے ہو پھر بھی تمہیں یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے؟''

اُس شخص کی اس بات سے آپؒ کے دل پر سخت چوٹ لگی، غیرت نے کروٹ لی، اپنی عمر عزیز کے اٹھارہ سال ضائع ہو جانے کا احساس اور تنبہ ہوا چنانچہ لہو ولعب اور کبوتر بازی وغیرہ چھوڑ کر تحصیل علم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے میرٹھ،، سہارنپور، کاندھلہ، دہلی وغیرہ کی دانش گاہوں میں حصول علم اور تکمیل علم کے دوران ہی پتہ چلا کہ شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے تو محرومی کا سخت احساس ہوا، اپنے اس احساس کا اظہار اپنے استاد حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ سے کیا چنانچہ استاذ محترم کے ہمراہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے، وہاں ایک سال رہ کر شاہ محمد اسحاقؒ سے صحاح ستہ کا درس بایں طور لیا کہ

''فجر کے بعد سے ظہر تک احادیث کی کتابوں کو نقل فرماتے تھے اور ظہر کے بعد سے حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلویؒ کی مجلس درس میں حاضر ہوتے تھے اور اس طرح آپ نے اس مجلس علم میں صحاح ستہ کی تکمیل کی''۔ (بیاض حضرت مولانا اطہر حسینؒ)

صبر وتحمل کی عجیب مثال

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ ایک دن اپنے چند شاگردوں کے ساتھ کہیں تشریف لے جارہے تھے، پرانی وضع، سادہ لباس، طلبہ بھی سادگی کا پیکر اس ہیئت وسادگی کو دیکھ کر کسی منچلے دِہاتی نے جملہ کس دیا کہ: ''ڈاکوؤں کا گروہ جارہا ہے''

طلبہ مارنے کے لئے آگے بڑھے لیکن آپ نے فوری طور پر روک دیا، اسی تکدر، غصہ اور رنج وغم کے عالم میں گھر پہنچے، ایک بڑا صندوق کھولا جس میں اعیان علم وتقدس، اکابر واساطین کے خطوط رکھے ہوئے تھے، ہر خط میں آپ کے لئے بلند وبالا القاب اور آداب کے خطابات تھے، آپ کی عظمتوں کے اعترافات تھے، آپ کی لیاقت وصلاحیت اور تقویٰ وانابت کے گن گائے گئے تھے، آپ نے ان خطوط پر نظر ڈالی، لوگوں کو بھی وہ خطوط دکھلائے اور فرمایا کہ:

''اتنے لوگ اگر مجھ کو ایسا سمجھتے ہیں اور ایک یا چند لوگ ایسا سمجھتے ہیں تو بھلا برا ماننے کی کون سی بات ہے۔'' (ماہنامہ الفرقان لکھنؤ: مدیر حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

سفر خرچ نہ لینے کا واقعہ

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ ایک مرتبہ فراہمی مالیات کے لئے کلکتہ تشریف لے گئے وہاں ایک ایسی جگہ گئے جہاں آپ کا کوئی جاننے والا تھا وہاں بھی چندہ خوب ہوا مگر جب آپ نے مدرسہ میں آمد وصرف کا حساب پیش کیا تو ایک جگہ تحریر تھا کہ:

''کلکتہ میں فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک کا کرایہ نہ لکھا جائے کیونکہ وہاں مجھے ایک دوست سے ملنا تھا، چندے کی نیت نہیں تھی اگرچہ کافی چندہ ہوا''۔

سفر خرچ نہ لینے کا دوسرا واقعہ

ایک مرتبہ بکار مدرسہ بنارس میں والیٔ ٹونک سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے تو سفر خرچ کے حساب میں سہارنپور سے کانپور تک کا کرایہ نہیں لکھا وجہ یہ تھی کہ کانپور میں ایک صاحب سے ذاتی ملاقات کی تھی، اہل مدرسہ نے کوشش کی کہ کرایہ لے لیں مگر آپ نے واپس فرمادیا۔ (بیاض خاص حضرت مولانا اطہر حسینؒ)

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ ۱۳۰۲ھ

ذائقہ جنت کے شربت کا

درسگاہ میں ہوتے یا مسجد میں، خلوت میں ہوتے یا جلوت میں ایک عجیب عادت جوانی کے دنوں سے ہوگئی تھی، بار بار اپنے اوپری ہونٹ کو چاٹتے، زبان پھیرتے تھے، محسوس ہوتا تھا کہ اس عمل سے انھیں حظ اور لذت ملتی ہے، بڑے اتنے کہ پوچھنے کی ہمت نہیں، عظیم ایسے کہ اکثر معاصرین بھی خرد، صاحب علم ایسے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ وغیرہ تلمیذ وخوشہ چین، آخر کار کسی نے ہمتوں کو مجتمع کر کے پوچھ ہی لیا کہ حضرت! آپ یہ بار بار اپنا اوپری ہونٹ کیوں زبان سے تر کرتے اور چاٹتے ہیں؟

سوال بہرحال سوال تھا، معقول تھا، اِدھر یہ حال کہ ایک سربستہ راز تھا جو صرف عبد و معبود کے درمیان تھا، تیسرا کوئی واقف اسرار نہیں، مطلع وخبردار نہیں، جواب دیں تو ایک راز نہانی سے پردہ اٹھ جائے، کچھ دیر توقف کیا، جواب دینے میں تامل کیا اور پھر بولے:

''شاملی کے میدان میں انگریزوں سے جنگ ہوئی، میرے کئی ساتھی جان بلب ہوگئے، میرے گھٹنے میں بھی ایک گولی لگی، درد اور کرب کی اس کیفیت میں میں نے دیکھا کہ حوران بہشتی تمام شہداء کو بڑے خوبصورت جام وفنجان سے شربت پلا رہی ہیں، ایک حور میرے پاس بھی آئی، شربت کا ایک پیالہ میرے ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ ٹھیک اسی وقت ایک دوسری حور نے اس حور کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور بولی یہ ان (شہداء) میں سے نہیں ہے، لیکن پیالہ چونکہ میرے ہونٹ سے لگ چکا تھا، میرا ہونٹ اس بہشتی شربت سے لذت پا چکا تھا، وہ لذت اور ذائقہ اب تک مجھے محسوس ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے بار بار ہونٹ پر زبان

پھیرتا رہتا ہوں‘‘

یہ واقعہ سب سے پہلے اور بار بار اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا اطہر حسین اجراڑویؒ سے سنتا رہا پھر ملفوظات فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ میں بھی پڑھا اور پھر اسی ملفوظات کے حوالہ سے مولانا نورالحسن راشد نے حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ (متوفی ۱۳۰۲ھ) کے حالات میں بھی ذکر کیا ہے۔

میں نے حضرت مولانا اطہر حسینؒ سے یہ بھی سنا کہ پاکستان میں ایک مشہور حکیم تھے جو بکثرت ”أَسْتَغْفِرُ اللّٰہ“ کہتے تھے، اسی وجہ سے ”حکیم استغفر اللہ“ سے ہی مشہور ہو گئے، بڑے صاحب کشف بزرگ تھے، حضرت رائے پوریؒ کے لوگوں میں تھے، ایک بار سہارنپور تشریف لائے، قبرستان حاجی شاہ کمال الدین بھی گئے، قبرستان میں داخل ہوتے ہی بولے: سبحان اللہ! دودھ اور شہد کی نہریں جاری ہیں۔

حضرت مولانا اطہر حسینؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی قبر کے بارے میں معلوم تھا کہ کس جگہ واقع ہے، پھر بھی میں نے اپنے اطمینان اور مزید یقین کے لئے پوچھا کہ حکیم جی! ذرا یہ بھی بتایئے کہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کس جگہ آرام فرما ہیں؟

حکیم صاحب نے ذرا سا توقف کیا اور پھر ہاتھ کا اشارہ ایک طرف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں آرام فرما ہیں اور پاؤں سے خون جاری ہے۔

مولانا اطہر حسین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑوی کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ میرے والد ماجد ہیں، فرمایا:

”جی ہاں یٰسین شریف کی تلاوت کر رہے ہیں۔“

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ملفوظات میں بھی تلاوت کا تذکرہ ہے۔

(ملفوظات فقیہ الامت، تذکرہ مولانا محمد مظہر نانوتوی، بزم اطہر)

صبح کی اشرفی، شام کو مل گئی

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ مظاہر علوم سہارنپور کے گویا مؤسسین میں سے ہیں،

مدرسہ کے بالکل ابتدائی اساتذہ میں آپ کا بھی شمار ہوتا ہے، آپ یہاں صدر مدرس اور ناظم بھی رہے ہیں، آپ کا درس حدیث وتفسیر اس زمانے میں دور دور تک مشہور ہو چکا تھا۔

گھر سے مدرسہ، مدرسہ سے گھر، راستے میں کئی محلے اور بازار سے گزر، ایک بار پیدل مدرسہ تشریف لا رہے تھے راستے میں ایک اشرفی گر گئی، پورے سکون کے ساتھ مدرسہ میں پڑھایا، کارہائے مدرسہ انجام دئے، شام کو واپس گھر جاتے ہوئے طے کیا کہ اسی راستے سے جانا ہے جس پر اشرفی گری تھی، کچھ دور چلے ایک بازار سے گزر رہے تھے کہ اشرفی دکھائی دی، آپ نے اشرفی اٹھالی، ایک شخص اوپر چھت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا، جلدی سے نیچے آیا ماجرا پوچھا، فرمایا: کہ صبح جاتے ہوئے میری ایک اشرفی گر گئی تھی وہی ملی ہے، اس شخص نے کہا کہ میں صبح سے اوپر سے یہ اشرفی دیکھتا ہوں اور جب نیچے آتا ہوں تو دکھائی نہیں دیتی، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ نے فرمایا کہ جب تیری تھی نہیں تو ملتی کیسے؟

حفاظت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، حق دار کو حق پہنچ کر رہتا ہے۔

(ملفوظات حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ)

منشی نول کشور پر آپ کی صحبت کا اثر

استاذ محترم حضرت مولانا اطہر حسین صاحبؒ نے فرمایا کہ:

”منشی نول کشور حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ کی عمدہ صحبت اور بہترین تربیت کی وجہ سے مولانا کے بڑے مداح اور عقیدتمند تھے، مولانا کا بیحد اکرام واحترام اور حد درجہ ادب کرتے تھے، آپؒ کی صحبت صالح ہی کا نتیجہ تھا کہ منشی نول کشور بہترین داڑھی، شاندار کرتا و پائجامہ اور نفیس عمامہ استعمال کرتے تھے۔ خود منشی نول کشور مولانا محمد مظہر صاحبؒ نانوتوی کے شاگرد تھے“۔

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ جب سہارنپور تشریف لے آئے تو منشی نولکشور لکھنؤ سے بغرض ملاقات آئے لیکن وضع قطع اور شکل وصورت سے یہ بتانا مشکل تھا کہ یہ مسلمان ہیں یا ہندو، یہ سب حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی برکت تھی، منشی جی نے زیر تعمیر دفتر مدرسہ قدیم (مظاہر علوم سہارنپور کی اولین عمارت) کی تعمیر میں مبلغ ایک سو پینتالیس روپے بھی

دئے تھے۔اس کے علاوہ اپنے مطبع کی وقیع کتابوں اور مطبوعات سے بھی مظاہر علوم کونوازتے رہتے تھے (منشی نول کشور کا تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ نے مجمع بحارالانوار کے مقدمۃ الکتاب میں بھی کیا ہے)۔

خواب اور تعبیر

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ اپنے والد صاحبؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ ایک تخت ہے جس کے صدر پر حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ تشریف رکھتے ہیں، مولانا نے یہ خواب ایک عریضہ میں لکھ کر جس میں بیعت کی درخواست بھی تھی، حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کی خدمت میں روانہ کردیا، حضرت نے جواب میں خواب کی تعبیر یہ تحریر فرمائی کہ دونوں میں سے کسی سے بیعت کرلو، چنانچہ مولانا محمد مظہر صاحب حضرت نانوتویؒ کے پاس خط لے کر آئے کہ مجھے بیعت کرلو، انہوں نے گھبرا کر فرمایا کہ آپ ہی مجھے بیعت فرمالیں، فرمایا کہ لو یہ خط ہے اور حکم ہے، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے (اس خط کو پڑھ کر) فرمایا کہ میں آپ کو صحیح مشورہ دیتا ہوں کہ گنگوہ تشریف لے جائیں وہاں گئے تو حضرت گنگوہیؒ نے بھی قائل فرمایا مگر پھر بیعت فرمالیا''

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بھی عمر میں بڑے تھے لیکن انہیں سے بیعت ہوئے، بیعت کیا ہوئے ان کی محبت و عشق میں ڈوب گئے ،حضرت گنگوہیؒ بھی آپ کی بڑی عزت فرماتے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ (متوفی یکم شعبان ۱۳۶۲ھ- ۱۹۴۳ء) فرماتے ہیں کہ:

''مولانا محمد مظہر نانوتویؒ عمر میں حضرت امام ربانی حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بڑے تھے مگر عقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جاں نثار خادم اور عاشق جانباز تھے، جب (گنگوہ) تشریف لاتے تو بے اختیار حضرت (گنگوہیؒ) کے قدموں پر بوسہ لیتے اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا کرتے تھے...... حضرت امام ربانیؒ شرماتے اور یوں فرماتے کہ:

''مولانا آپ مجھے کیوں نادم فرمایا کرتے ہیں، آپ میرے بڑے ہیں، مجھ پر آپ کا ادب ضروری ہے، آپ ایسا کام کرتے ہیں تو مجھ کو بڑی شرم آتی ہے''

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ بڑے صاحبِ بصیرت تھے، حضرت کے علوّ شان اور مرتبت اور اپنی فرط محبت کے سبب جو کچھ کرتے تھے، وہ ان کا طبعی تقاضا تھا مگر حضرت امام ربانیؒ کبرسنی کے پاس ولحاظ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منا کے امتثال کو بھول نہیں سکتے تھے۔ (تذکرۃ الرشید)

لطف علیؒ اور اسد علیؒ

نانوتہ میں ایک ہی خاندان کے دو بزرگ تھے ایک کا نام نامی اسم گرامی تھا اسد علی اور دوسرے بزرگ کا نام تھا لطف علی، دونوں بزرگ اس لحاظ سے نہایت اہم تھے کہ ان کی اولادیں چندے آفتاب اور چندے ماہتاب تھیں، جی ہاں ضروری نہیں کہ اولاد ہمیشہ اپنے والدین کا نام استعمال کرے کبھی کبھی یہ منظر بدل بھی جاتا ہے کہ والدین اپنے تعارف کے لئے اپنی ہی اولاد کا نام نامی بڑے پیار اور بڑے فخر سے لیتے ہیں، لطف علی کے بیٹے کی نوکری کتابوں کی تصحیح کے لئے لکھنؤ میں لگ گئی، نوکری بھی شاندار اور تنخواہ کے تو کیا ہی کہنے اس زمانے میں پورے سو روپے ماہانہ، پورے نانوتہ میں چرچا تھا کہ لطف علی کے بیٹے کی تنخواہ مکتبہ نولکشور لکھنؤ میں سو روپے لگی ہے، اسی خاندان کے دوسرے بزرگ جن کا نام اسد علی تھا وہ کبھی کبھی لطف علی سے دوران گفتگو کہتے کہ

"ایک تمہارا بیٹا ہے جو سو روپے ماہانہ کماتا ہے اور ایک میرا بیٹا ہے جو سو روپے تو کیا کماتا الٹے مجھ سے ہی لیتا رہتا ہے۔''

یہ دونوں بزرگوار کون ہیں اور کن کے والد نامدار ہیں؟

اسد علی صاحبؒ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے والد گرامی ہیں اور لطف علی حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کے والد گرامی ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں تو حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ مظاہر علوم کے بانی حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپور کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں اور مظاہر علوم کا نام نامی آپ

ہی کے نام پر رکھا گیا ہے۔

یکم رجب المرجب ۱۲۸۳ھ میں جب مظاہر علوم کی بنیاد رکھی گئی اور آپ کو لکھنؤ سے سہارنپور تدریس کے لئے بلایا گیا تو محض تیس روپے کے حقیر وظیفہ کے لئے اپنی سو روپے ماہانہ کی تنخواہ چھوڑ دی تھی۔

دنیا کا دستور ہے کہ وہ پہلی جگہ کو تب چھوڑتی ہے جب اس سے اچھی جگہ ملتی ہے لیکن حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی نے ایک مثال، ایک نظیر اور ایک تاریخ رقم فرمادی کہ دین، دیانت، سادگی، قناعت، خلوص، للّٰہیت، رضائے الٰہی اور تعلیمِ دینی کے لئے نہ مالِ غنیمت کی اہمیت ہے نہ کشور کشائی کی حیثیت۔

(مستفاد: تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ)

حضرت حافظ فضل حق سہارنپوری ؒ ۱۳۰۲ھ

''اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا''

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی ؒ تحریر فرماتے ہیں کہ

''مدرسہ کے ابتدائی محسنوں میں بلکہ اگر ابتدائی بانیوں میں کہا جائے تو بے محل نہیں۔ایک بزرگ تھے جن کا نام حافظ فضل حق رحمۃ اللہ علیہ تھا، ان کے دو صاحبزادے الحاج حبیب احمد صاحب میرے حضرت قدس سرہٗ اور میرے والد صاحب کے خاص تعلق رکھنے والے تھے ان کا ذکر آپ بیتی میں بھی کئی جگہ گزر چکا ہو گا، میرے والد صاحب کے انتقال کے موقع پر ان کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے میں ان ہی کا زور تھا، میرے والد صاحب کی بیماری میں ان کا یہ سوال گزر چکا کہ آپ حضرت سہارنپوری کو لینے کے لئے بمبئی جاویں گے یا دہلی، اور میرے والد صاحب کا یہ جواب کہ میں تو پڑے پڑے زیارت کر لوں گا وغیرہ وغیرہ۔ کئی قصے گزر چکے اور ان کے دوسرے صاحبزادے حافظ زندہ حسن صاحب کا ذکر بھی کئی جگہ گزرا ہو گا، بالخصوص میرے ابتدائی دور میں قرضہ کے سلسلہ میں شاید ان کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔ حافظ فضل حق صاحب ان دونوں کے والد تھی، اور میرے حضرت کے استاذ شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نور اللہ مرقدہ جن کے نام نامی پر مدرسہ کا نام مظاہر علوم رکھا گیا ان کے بہت ہی جانثار اور معتقد تھے، ان ہی کی کوشش سے مدرسہ قاضی کے محلہ سے جہاں ابتداءً قائم ہوا تھا یہاں منتقل ہوا جہاں اب ہے۔ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہتے، گرمی میں کثرت سے پنکھا جھلتے، ان کا تکیہ کلام تھا اللہ کے فضل سے، ہر بات میں یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ کے

فضل سے یہ ہوا۔ اللہ کے فضل سے وہ ہوا۔

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت مولانا محمد مظہر نور اللہ مرقدہٗ سے صبح کو یہ عرض کیا، حضرت جی رات تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا۔ حضرت قدس سرہ بھی یہ فقرہ سن کر ہنس پڑے اور دریافت کیا کہ حافظ جی اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کیا ہو گیا تھا، انہوں نے عرض کیا کہ میں رات سو رہا تھا مکان میں اکیلا ہی تھا، میری جو آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ تین چار آدمی میرے کوٹھے کے کواڑوں کو چمٹ رہے ہیں۔ میں نے بیٹھ کر ان سے پوچھا کہ ابے تم چور ہو؟ کہنے لگے ہاں ہم چور ہیں۔ میں نے کہا کہ سنو! میں شہر کے رؤسا میں شمار ہوتا ہوں اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے پاس ہے اور وہ سارا اسی کوٹھے میں ہے اور یہ تالہ جو اس کو لگ رہا ہے چھ پیسے کا ہے تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا، تم تو تین چار ہو، دس بارہ اور بلا لاؤ اور اس تالے کو ٹھوکتے رہو یہ ٹوٹنے کا نہیں۔

میں نے حضرت جی! (مولانا مظہر صاحبؒ) سے سن رکھا ہے کہ جس مال کی زکوۃ دے دی جائے وہ اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے، میں نے اس مال کی زکوۃ جتنی واجب ہے اس سے زیادہ دے رکھی ہے، اس لئے مجھے اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔ اللہ میاں اپنے آپ حفاظت کریں گے۔ حضرت جی اللہ کے فضل سے میں تو یہ کہہ کر سو گیا۔ میں جب پچھلے پہر اٹھا تو وہ لپٹ رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ ارے! میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ دس بارہ کو اور بلا لاؤ یہ تو اللہ کے فضل سے ٹوٹنے کا نہیں۔ حضرت جی یہ کہہ کر میں تو اللہ کے فضل سے نماز میں لگ گیا اور جب اذان ہو گئی تو میں ان سے یہ کہہ کر کہ میں تو نماز کو جا رہا ہوں تم اس کو لپٹے رہو۔ پھر حضرت جی اللہ کے فضل سے وہ سب بھاگ گئے۔ (آپ بیتی)

اس واقعہ کو آپ کیا نام اور کیا عنوان دیں گے؟ توکل علی اللہ کہیں گے یا اعتماد کا اعلیٰ درجہ فرمائیں گے، یقین کہیں گے یا بڑوں کی تعلیم و تربیت کا نمونہ کہیں گے، کچھ بھی کہئے، سچ یہ ہے کہ اب نہ ایسا توکل رہا نہ اعتماد، نہ یقین رہا نہ نیت، کیسے کیسے لوگ چلے گئے، مظاہر علوم کی اکثر قدیم عمارتیں آپ ہی کی وقف کردہ زمینوں پر بنی ہوئی ہیں۔ (متوفی ١٣٠٢ھ)

حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ ۱۳۰۴ھ

پیدل چلتے چلتے تعلیم وتعلّم

''حضرت مولانا فیض الحسن صاحبؒ کا بڑا فیض یہ ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے عربی ادب میں انقلاب پیدا کردیا اور متاخرین سے ہٹا کر قدیم شعراء ادب کی طرف متوجہ کیا آپؒ اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاک ہند نے صدیوں میں شاید کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو۔''

ان بلند وبالا کلمات اور تاثرات کا اظہار علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ کے بارے میں حیات شبلی میں فرمایا ہے۔

حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوری اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے، مظاہر علوم سے بے انتہا تعلق اور محبت تھی، جب بھی سہارنپور تشریف لاتے تو مظاہر علوم میں ضرور قدم رنجہ فرماتے اور تمام رجسٹروں کا بالاستیعاب معائنہ کرتے، کبھی کبھی طلبہ کا امتحان بھی لیتے تھے، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے انتقال کے بعد آپؒ باقاعدہ مدرسہ کے رکن منتخب ہوئے۔

مظاہر علوم سہارنپور کے بقا اور استحکام کے لئے دامے، درمے قدمے، سخنے مدرسہ کی مدد کرنا اپنے لئے لازم کرلیا، بھاولپور اور رنگون تک کے پُرمشقت اسفار مدرسہ کی خاطر کئے، عوام سے چندہ کی درخواست کی۔

بیعت وارادت کا تعلق حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ سے تھا، آپ، کو حضرت حاجی صاحب سے بہت زیادہ محبت اور الفت تھی۔

آپ نے بیعت ہونے کے وقت حاجی صاحب سے کہا تھا کہ دو شرطوں کے ساتھ بیعت ہوتا ہوں:

(۱) کبھی نذرانہ نہیں دوں گا۔ (۲) کبھی خط نہ بھیجوں گا۔

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ''اس سے بھی زیادہ شرطیں کرو تو وہ بھی منظور ہیں''

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بڑے بے تکلف دوستانہ تعلقات تھے، بے تکلفی کے کئی قصے ارواح ثلاثہ وغیرہ میں موجود ہیں۔

۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء کو سہارنپور میں انتقال ہوا، گوٹے شاہ قبرستان کی مسجد سے متصل آخری آرام گاہ ہے، تدفین کے بعد آپ کی قبر سے بڑی عمدہ خوشبو نکلنے لگی، کسی عالم دین نے بتایا کہ مولانا بکثرت درود شریف پڑھتے تھے یہ خوشبو اسی درود شریف کی برکت ہے۔ (زاد السعید: حضرت تھانویؒ)

حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ آپ سے عربی ادب پڑھنے کے لئے لاہور پہنچ گئے، حضرت کے پاس وقت بالکل فارغ نہیں تھا، مگر علامہ شبلیؒ کی طلب اور اصرار پر مجبور ہو گئے اور فرمایا: کہ ایک وقت خالی ہے، میں صبح اپنے گھر (بھاٹی دروازہ) سے کالج پیدل جاتا ہوں آپ صبح سویرے میرے گھر سے نکلنے کے وقت گھر کے باہر آکر کھڑے ہو جائیں، جب میں گھر سے نکلوں تو چلتے چلتے سبق پڑھ لیا کریں۔

آپ یقین کریں علامہ شبلی نعمانیؒ نے حضرت ادیب الہند سے اسی طرح عربی ادب کی تعلیم حاصل کی ہے۔

علم وفضل

مولانا فیض الحسنؒ عربی زبان کے فطری ادیب تھے۔ عربیت کا ذوق ان کے گوشت پوست اور دل و دماغ میں رچا بسا ہوا تھا۔ بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ مرحوم وہ اپنے زمانے کے ابوعبیدہ اور اصمعی تھے۔ فیروز آبادی کی **قاموس المحیط** کے حافظ تھے۔ **کتاب الأغانی** کی روایات انہیں ازبر تھیں۔ عربی لغت کے علاوہ ایام عرب اور انساب عرب سے جیسی انہیں واقفیت تھی ویسی کم کسی معاصر ادیب کو حاصل ہوگی۔

جاہلی عربوں کے رسوم و رواج اور عادات و خصائل پر بھی ان کی نظر گہری تھی۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے حیات شبلی میں لکھا ہے کہ:

''مولانا فیض الحسن کا سب سے بڑا فیض قرآن پاک کی معجزات فصاحت و بلاغت کی نکتہ شناسی تھی وہ اسی اصول سے قرآن پاک کا بامحاورہ ترجمہ اپنے خاص طلبہ کو پڑھاتے اور سمجھاتے تھے''۔

لاہور میں بعض اہل علم بتلاتے ہیں کہ جب مولوی صاحب قرآن پاک کی آیت: وَقِيلَ يَاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ (سورہ ہود: ۴۴) پڑھتے تھے تو اُن پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ وہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمہ قرآن، موضح القرآن کے بے حد مداح اور قدردان تھے اور دیوان الحماسہ کے بعد اسے سبقاً سبقاً پڑھایا کرتے تھے۔

اورینٹل کالج میں ملازمت کے لئے مولانا کی شرطیں

حضرت مولانا فیض الحسنؒ بڑے خوددار، غیور اور جسور شخص تھے، ان کی غیرت اور خودداری کے کئی واقعات مشہور ہیں، اُس وقت انگریزی سرکار تھی، آپ کی شہرت اور عربی ادب میں دستگاہی کے چرچے دُور دُور تک تھے اسی لئے رجسٹرارِ تعلیم مسٹر لائٹز کی خواہش تھی کہ مولانا فیض الحسنؒ لاہور کالج میں تدریس دیں لیکن مولانا کی طبیعت انگریز سے بیزار، ان کے نظام اور نصاب سے اِبا کرتی تھی، چنانچہ آپ نے کمال استغناء و بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بوجوہ منع کردیا یہ ایک دلچسپ قصہ ہے جو ابویحییٰ امام خاں نوشہروی کے الفاظ میں ہم شامل کتاب کرتے ہیں:

مسٹر لائٹز نے مولانا فیض الحسن صاحبؒ کو کالج میں تقرری کے لیے لکھا تو آپ نے مندرجہ ذیل موانع کی بنا پر تشریف لانے سے انکار کردیا۔

(۱) آپ کی تعلیم گاہوں میں اوقاتِ تدریس کی پابندی ہے اور ہمارا دستور یہ ہے کہ جس وقت چاہا پڑھا دیا اور جب چاہا ملتوی کردیا۔

(۲) آپ کے یہاں اوقاتِ تدریس کی تعیین ہے اور ہمارے مدارس میں وقت کی تقلیل و تکثیر دونوں یکساں ہیں، جب تک گوارا ہوا پڑھاتے رہے اور اگر طبیعت مائل نہیں

ہوئی تو کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔

(۳) آپ کے یہاں میز اور کُرسی کے ساتھ لگ کر پڑھانے کا دستور ہے مگر ہم تدریس کے وقت پلنگ پر بیٹھ کر پڑھاتے ہیں۔طبیعت استراحت کی طرف مائل ہوئی تو لیٹ کر پڑھانے لگے۔اُونگھ آ گئی تو سو جانے میں بھی مضائقہ نہیں مگر شاگردوں کے لیے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھنے کا حکم ہوتا ہے اور جب آنکھ کھل گئی پھر پڑھانا شروع کر دیا۔

(۴) آپ کے مدارس میں تحدید اوقات پر گھنٹی کی پابندی بھی ہم گوارا نہیں کر سکتے۔(وغیرہ)

مولانا فیض الحسنؒ نے اسی قسم کے متعدد واعذار و موانع لکھنے کے بعد لاہور آنے سے انکار کر دیا لیکن لائنٹز (رجسٹرار تعلیم گاہ) نے مولوی صاحب کے تمام شرائط من وعن تسلیم کر لیے اور اس طرح مولانا لاہور تشریف لے آئے۔

درسگاہ کے ایک کمرے میں پلنگ لگا دیا گیا، مولانا اپنی عادت کے مطابق پڑھاتے، سونے میں خرّاٹے لیتے اور شاگرد اپنی اپنی جگہ پر کتابیں ہاتھ میں لیے بیٹھے رہتے آنکھ کھل جاتی تو جہاں سے سلسلہ منقطع ہوا تھا وہیں سے سررشتہ میں گرہ لگا کر علم کے موتی پرونا شروع فرما دیتے، اورینٹل کالج لاہور میں مولانا فیض الحسنؒ کی علمیت کے حقیقی جوہر کھلے اور یہ چشمۂ فیض دریائے فیض بن گیا۔(تاریخ اورینٹل کالج لاہور ص:۳۱)

تمہارا حج قبول ہو گیا

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا فیض الحسنؒ تینوں بزرگ حج کیلئے مکہ مکرمہ گئے، ایک دیہاتی اُن کی طرف پہنچ گیا، مولانا فیض الحسنؒ نے پوچھا کہ حج کی قبولیت کا پروانہ مل گیا یا نہیں؟ اس نے کہا کہ پتہ نہیں، پھر اس نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو مل گیا؟ مولانا کے پاس کچھ کاغذات تھے مزاح میں وہ کاغذات دکھا دیئے، وہ دیہاتی دوبارہ غلاف کعبہ سے لپٹ کر قبولیت حج کا پروانہ مانگنے لگا، اچانک ایک کاغذ اس کے پاس گرا، وہ دیہاتی کاغذ لے کر آپ کے پاس واپس آیا اور کاغذ دکھایا، ان لوگوں نے کاغذ کو پڑھا صاف لکھا تھا کہ ''تمہارا حج قبول ہو گیا'' اور یہ اکابر تعجب کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

(مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ: علمی وادبی کارنامے ص ۱۸۷)

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ ۱۳۳۴ھ

لباس کی سادگی

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ: اپنی ذکاوت و فطانت، خداداد بصیرت وفراست، علم کی گہرائی و گیرائی، اصول پسندی وتربیت، تقوی وتدین، علوم نقلیہ وادب عربی کے ماہر، مشائخ ربانی وعلمائے حقانی کے لئے قابل فخر، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خادم وتلمیذ، مولانا حکیم محمد حسن دیوبندیؒ کے شاگرد رشید، محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے خلیفہ ومجاز، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے والد ماجد اور مظاہر علوم سہارنپور کے اہم استاذ حدیث نام تھا حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، حضرت گنگوہیؒ کے درسی افادات الکوکب الدری، لامع الدراری پڑھنے کے دوران اِس طور پر نقل کی کہ پورا سبق بغور سنتے تھے پھر کمرے پہنچ کر اپنی یادداشت کے بل بوتے پر عربی میں نقل کرتے تھے، پھر ان کے ساتھی طلبہ اس عربی سے اردو میں لکھ لیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یحی کاندھلویؒ کے لباس یا طرز معاشرت سے کوئی ان کو مولوی بھی نہیں سمجھتا تھا، کپڑے زیادہ تر میل خورہ پہنتے تھے۔ الحاج شاہ زاہد حسن رئیس بہٹ کے یہاں حضرت مولانا خلیل احمدؒ کے کپڑے دھلا کرتے تھے اور ہر ہفتے شنبہ کو ان کا آدمی آکر دھوبی کے دھلے ہوئے کپڑے دے جاتا اور اتارے ہوئے کپڑے لے جاتا تھا۔ شاہ صاحب نے کئی دفعہ حضرت مولانا محمد یحییٰؒ سے بھی اصرار کیا کہ حضرت کے ساتھ ساتھ آپ بھی اپنے کپڑے بھیج دیا کریں، لیکن حضرت مولانا محمد یحییٰ جواب دیتے کہ میرے کپڑے ایسے ہوتے ہی نہیں کہ دھوبی کے یہاں دھلیں، بہت کم دھوبی کے یہاں دھلوانے کی نوبت آتی، کوئی خادم یا اہلیہ محترمہ پانی میں ان کو نکال کر سکھا دیتی تھیں، جو اگلے جمعہ کو پہن لیتے تھے۔

کپڑوں کی ادلا بدلی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے پھوپھا مولانا رضی الحسنؒ کی زندگی رئیسانہ تھی، وہ گرمی سردی کے کئی کئی اچکن بنوایا کرتے تھے، مولانا محمد یحییٰ صاحب کے کاندھلہ جانے پر ایک دو اچکن گرمی سردی کی ساتھ کر دیتے تھے، وہی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے استعمال میں رہتے تھے، اپنے لئے اچکن کبھی نہیں سلوائی، چونکہ دونوں کا بدن ایک سا تھا اس لئے وہ کرتے پاجامے بھی ایک دو ساتھ کر دیتے تھے۔ بے تکلفی تھی اور بچپن کا بھی تعلق تھا۔ کاندھلہ میں بھی ساتھ پڑھے، گنگوہ میں بھی ساتھ رہے۔ اس لئے مولانا محمد یحییٰ صاحب کو بھی ان کے کپڑے پہن لینے میں تکلف نہیں ہوتا تھا۔

مختلف سالنوں کا آمیزہ

گنگوہ کے قیام میں بھی اور سہارنپور کے صدر مدرسی کے دور میں بھی کھانے کے وقت مخصوص خدام اور مخصوص احباب اپنے اپنے گھر سے اپنا کھانا لاکر شریک ہو جاتے تھے اور کھانے کے وقت سب جگہ کے سالنوں کو ایک بڑے طباق میں یکجائی ملا لیتے تھے، اس میں شوربہ بھی ہوتا، دال بھی ہوتی، ساگ بھی بھوجی بھی، سردی میں ان سب کو ملا کر انگیٹھی پر رکھ کر چند منٹ گرم کر لیتے تھے اور سب مل کر اسی طباق میں کھاتے تھے۔

حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ پور قاضوی ناظم مظاہر علوم سہارنپور بھی اکثر کھانے کے وقت اپنے گھر سے کھانا لے کر آجاتے تھے، ناظم صاحبؒ کے مزاج میں نفاست اور نزاکت بہت تھی، مگر مولانا محمد یحییٰؒ سے تعلق بھی بہت تھا۔ وہ بھی اس "کچوندے" کو بہت رغبت سے کھاتے تھے اور کبھی کبھی گوشت منگا کر اور طلبہ کے کھانے سے پہلے اس کو پکوا کر یہ سارے سالن اس میں ملا کر جوش دیئے جاتے تھے تو ایسا لذیذ ہو جاتا تھا کہ ویسا لذیذ پھر نہیں ملا۔ (آپ بیتی)

چند دن میں نو مقامے پڑھ لئے

ذہین و ذکی ایسے تھے کہ دور دور تک شہرت تھی، عربی ادب میں بھی آپ کی مہارت

مسلم تھی، مولانا حکیم محمد حسن دیوبندی سے صرف نو مقامے پڑھے باقی عربی ادب کی کوئی کتاب نہیں پڑھی، یہ نو مقامے بھی مولانا نے چند روز دیوبند میں رہ کر اور رک کر پڑھے، تقریباً نصف مقامہ یومیہ کا اوسط تھا۔

استاذ شاگرد، شاگرد استاذ

آپ بیتی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے لکھا ہے کہ آپ نے کاندھلہ میں مولانا یداللہ سنبھلیؒ سے منطق پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، مولانا یداللہؒ کا یہ حال تھا کہ منطق کے ماہر ترین عالم لیکن عربی ادب سے ناواقف، اس لئے استاذ اور شاگرد نے طے کیا کہ ایک گھنٹہ مولانا یداللہ سنبھلیؒ مولانا محمد یحییٰؒ کو منطق پڑھائیں اور ایک گھنٹہ مولانا محمد یحییٰ اپنے استاذ کو عربی ادب پڑھائیں گے اور اس طرح ایک حمد اللہ پڑھ رہا تھا تو دوسرا مقامات حریری پڑھ رہا تھا، حضرت مولانا محمد یحییٰ نے حمد اللہ محض اٹھارہ دن میں پڑھ لی تھی، خود فرمایا کرتے تھے کہ سلم العلوم مجھے اتنی ازبر یاد تھی کہ میں نے تسبیح لے کر اس کی عبارت کو از اول تا آخر دو دو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

تقویٰ

آپ کا تقوی دینی حلقوں میں زبان زد تھا، چنانچہ سردیوں کے موسم میں دفتر والی مسجد میں وضو کے لئے پانی گرم کرنے کا قدیم معمول تھا آپ اپنے سالن کے برتن کو آگ کے قریب رکھ دیتے جس کی آنچ سے سالن گرم ہو جاتا، اس کے بھی کچھ ماہانہ پیسے مالیات میں جمع کراتے تھے اور حال یہ ہے کبھی بھی تنخواہ کے نام کے چار آنے بھی نہیں لئے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی علیہ الرحمہ نے سوانح حضرت شیخ الحدیثؒ میں مولانا محمد یحییٰؒ کا تذکرہ بلند و بالا الفاظ کے ساتھ کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنی خداداد علمی مناسبت و ذکاوت، فن حدیث سے شغف و انہماک اور اپنی نکتہ رس طبیعت اور ذوق سلیم کی وجہ سے تدریس حدیث میں ایک خاص مقام رکھتے تھے اور ان کے شاگردان رشید اُن کے درس کے بعد کم کسی کے درس حدیث کے قائل ہوتے تھے۔

حضرت تھانویؒ کا ارشاد گرامی

بارہ سال تک حضرت گنگوہیؒ کی خدمت کی، شاگردی اختیار کی، حضرت گنگوہیؒ کی تربیت سے خود کو آراستہ و پیراستہ کیا، بلکہ حضرت گنگوہیؒ کے آخری شاگرد رشید آپ ہی تھے، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی ''ملفوظات فقیہ الامت'' یواقیت کا خزینہ اور جواہرات کا گنجینہ ہے، فرماتے ہیں کہ

''حضرت تھانوی کے یہاں حسن انتظام تھا اور مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اس سے خالی تھے، پندرہ روز میں تھانہ بھون جاتے، حضرت تھانویؒ سے کتاب لیتے اور مطالعہ میں مشغول ہو جاتے لیکن کتاب کبھی واپس نہ کرتے اور نہ کبھی بتا کر جاتے کہ یہاں رکھی ہے سمجھتے تھے کہ آپ خود اٹھا لیں گے یہاں چور تھوڑا ہی بستے ہیں، مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ کبھی کسی طاق میں رکھی ہوئی ملتی کبھی مسجد میں منبر پر رکھی ہوئی ملتی، ضائع کبھی نہیں ہوئی''۔

شرح صدر کا لطیفہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ نے بڑا اچھا واقعہ آپ بیتی میں تحریر فرمایا ہے، آپ بھی پڑھ لیجئے ان شاء اللہ لطف آئے گا۔

''ایک مرتبہ میرے والد ماجد تھانہ بھون تشریف لے گئے، افطار کا وقت ہوا، حضرت تھانویؒ سے پوچھا کہ آپ کے یہاں افطار کا کیا دستور ہے؟ حضرت تھانویؒ نے جواب دیا کہ گھنٹے اور جنتریوں کے بعد تین چار منٹ میں شرح صدر اور اطمینان کے لئے انتظار کیا کرتا ہوں، میرے والد صاحبؒ نے گھڑی دیکھی پھر آسمان کی طرف اِدھر اُدھر دیکھا اور افطار شروع کر دیا، ان کے ساتھ ان کے خدام نے بھی شروع کر دیا، حضرت تھانویؒ اور ان کے خدام انتظار میں رہے، ایک دو منٹ کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ ''اتنے میرا شرح صدر ہو گا اتنے یہاں تو کچھ رہنے کا نہیں''۔

انتقال کے صرف ایک گھنٹے بعد تدفین

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ کا انتقال ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو صبح آٹھ بجے

ہوا، انتقال کی خبر بجلی کی سی سرعت سے اطراف واکناف اور اندرون شہر پھیل گئی، تھوڑی ہی دیر میں عوام وخواص کا ہجوم بیکراں کچے گھر اور مظاہر علوم کے قرب وجوار میں پہنچ چکا تھا، ہجوم کی کثرت کو مدنظر رکھتے ہوئے تجہیز وتدفین میں اس قدر جلد بازی کی گئی کہ انتقال پر ملال کے صرف ایک گھنٹے بعد آپ کی تدفین ہو چکی تھی۔

مستفاد:

سوانح حضرت شیخ الحدیث از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

آپ بیتی از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

تاریخ مظاہر جلد دوم از مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری

سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی از مفتی محمد مسعود عزیزی

حضرت الحاج حافظ قمر الدین سہارنپوریؒ ۱۳۳۴ھ

صف اوّل اور تکبیر اولیٰ کا اہتمام

حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوریؒ نے جب عربی کی تعلیم شروع کی تو سب سے پہلے جس شخصیت کو عربی پڑھائی ان کا نام ہے حضرت اقدس الحاج مولانا حافظ قمر الدین سہارنپوریؒ ہے، نیک، مخلص، پارسا، عابد، زاہد، خادم اور عاشق قرآن تھے، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے چہیتے ان ہی سے بیعت ہوئے اور پھر مجاز بیعت وخلافت بھی، لیکن اخفا ایسا کہ اس خلافت کا کسی کو علم نہ ہونے دیا۔

قرآن کریم سے تعلق ایسا کہ ہر فن کی کتاب پڑھانے کی صلاحیت کے باوجود مظاہر علوم کی طرف سے جامع مسجد میں قائم قرآنی حلقے میں ہی پڑھاتے رہے، کبھی عربی یا حدیث شریف کی اونچی کتابیں پڑھانے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا، حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد اپنے ہم درس رفیق حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ہاتھوں پر بیعت ہوئے، پھر خلافت واجازت سے بھی سرفراز ہوئے، خود بھی مدرسہ کے معاون تھے اور مدرسہ کی اعانت کے لئے تحریک بھی فرماتے تھے، آپ مظاہر علوم کی طرف سے جامع مسجد میں پہلے خطیب بھی تھے۔

اخیر عمر میں صاحب فراش ہو گئے تھے، چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے، وہیل چیئر سے مسجد میں لائے جاتے تھے، تکبیر اولی کا بہت اہتمام تھا، بیماری ومعذوری کے باوجود مجال ہے کہ کبھی تکبیر اولی فوت ہوئی ہو، صف اول میں نماز پڑھنے کا ہمیشہ کا معمول رہا، زندگی کی سب سے آخری نماز، نماز عشا بھی صف اول میں پڑھی اور تہجد کے وقت جان پاک جان آفریں کے سپرد کر دی۔ (حیات خلیل مولانا محمد ثانی)

(۲۷ رمحرم الحرام ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۵ ردسمبر ۱۹۱۵ء تہجد پڑھ کر وصال فرمایا)

حضرت مولانا تجمل حسین بہاریؒ ۱۳۴۲ھ

وتر، قنوت اور مناجات

خاکدان بہار کے بہت سے خاکی صفت خاکساروں کے آگے کہساروں کی رفعت و بلندی بھی ہیچ محسوس ہوتی ہے، کیسے کیسے عباقرہ اس دھرتی سے اٹھے اور عالم پر چھا گئے، ہر دور میں یہاں کے جیالے اسلام کی حفاظت اور تعلیمات دین کی اشاعت کے لئے میدان عمل میں کمربستہ نظر آتے ہیں، ان ہی شاہین صفت بندگان میں ایک نام حضرت مولانا سید تجمل حسینؒ کا بھی ہے جو بہار کے دسنہ میں پیدا ہوئے، بڑی تنگی اور تنگ دستی میں تعلیمی مراحل طے کئے، اعلیٰ تعلیم کے لئے مغل سرائے پہنچے وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر بنارس اترے، بنارس کے بعد جونپور پہنچ گئے جو شیراز ہند بنا ہوا تھا، وہاں مدرسہ امام بخش میں نامور معقولی عالم حضرت مولانا فضل حق خیرآبادیؒ سے شرف تلمذ حاصل کر کے لکھنؤ پہنچ گئے جہاں حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی تعلیم گاہ کے چرچے تھے، پھر رام پور پہنچے جہاں حضرت مفتی سعد اللہؒ، جلالین کے محشی حضرت مولانا ارشاد حسین مجددیؒ اور حضرت مولانا عبدالعلی رام پوریؒ سے دل کی دنیا روشن، فکر کی کھیتی سیراب اور علم کے کشت زار میں نمو پائی، ابھی تشنگیٔ علم بجھی نہیں تھی اس لئے مزید آسودگی کے لئے مظاہر علوم سہارنپور آ گئے ، یہاں حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اور محشیٔ بخاری حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کی درسگاہ علم بڑی مقبول تھی، آپ نے داخلہ لے کر ان ہستیوں سے اپنے علوم میں اضافہ کیا، سند حاصل کی اور اس طرح تعلیم کے میدان سے نکل کر سلوک کے سمندر میں غوطہ زن

ہو گئے، اس کے لئے حضرت اقدس شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کے حضور پہنچے، اصلاح کے مطلوبہ معیار کو تو پہلے ہی طے کر چکے تھے، بہت جلد سلسلہ نقشبندیہ میں مجاز ہو کر حج کے لئے حرم محترم پہنچے وہاں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی دکان معرفت پر حاضری دی، مثنوی مولانا روم پڑھ کر اجازت حاصل کی، اس طرح علوم شریعت، علوم طریقت اور علوم معقول سے مالا مال ہو کر جہاں پہنچے خوشبو بکھیر دی، جس سے ملے فیض پہنچا دیا، ندوۃ العلماء کے بانی حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی مظاہر علوم سے فراغت کے دو سال بعد اسی ادارہ سے آپ بھی فارغ ہوئے، اس لئے ندوۃ العلماء کے بانی حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے معتمد رفیق، شریک کار، تجربہ کار، سرد و گرم چشیدہ، جہاں دیدہ اور مرد حق آگاہ تھے، بلکہ ندوہ کے رکن رکین اور بے شمار خوبیوں اور صفات سے متصف تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی نے بھی کانپور میں آپ کی زیارت کی ہے اور ارواح ثلاثہ میں حضرت مولانا سید تجمل حسین دسنویؒ کے سوز و ساز زندگی، عشق حقیقی اور معرفت الٰہی کا تذکرہ بھی کیا ہے، چنانچہ لگے ہاتھوں ہم ارواح ثلاثہ ہی سے صرف ایک واقعہ نذر قارئین با تمکین کرتے ہیں:

’’حج کے لئے مکہ معظّمہ گئے، چونکہ صبح کے وقت شافعی مصلیٰ پر ذرا لطف ہوتا ہے، اکثر لوگ صبح کی نماز اسی مصلیٰ پر پڑھتے ہیں، وقت بھی اچھا، قراءت بھی طویل، اس وقت ایک قسم کا لطف ہوتا ہے، جس وقت شافعیہ قنوت پڑھتے ہیں حنفیہ چپ کھڑے رہتے ہیں، اُس وقت اُن پر ایک حالت طاری ہوئی، شافعیہ تو قنوت پڑھ رہے تھے انہوں نے ’’پندنامہ‘‘ کی مناجات پڑھنی شروع کر دی۔

پادشاہا جرم ما را در گذار
ما گنہ کاریم و تو آمرزگار

اے بادشاہ! ہمارے جرم سے درگزر فرما
ہم گنہگار ہیں اور تو بخشنے والا

تو نکو کاری و ما بد کردہ ایم
جرم بے پایان و بیحد کردہ ایم

تو بھلائی کرنے والا اور ہم برائی کرنے والے ہیں
ہم نے بے انتہا اور بے شمار جرم کیے ہیں

سالہا در فسق و عصیان گشتہ ایم
آخر از کردہ پشیماں گشتہ ایم

برسوں گناہوں اور نافرمانیوں کی قید میں رہے
آخر اپنے کیے پر شرمندہ ہیں

دایماً در بند عصیان بودہ ایم
ہم قرین نفس و شیطان بودہ ایم

ہمیشہ گناہ و نافرمانی میں مبتلا رہے
نفس اور شیطان کے ساتھی رہے ہیں

روز و شب اندر معاصی بودہ ایم
غافل از یؤخذ نواصی بودہ ایم

شب و روز گناہوں میں غرق رہے
کرنے کے کاموں اور رکنے کی باتوں سے لاپرواہ رہے

بے گنہ نگذشت بر ما ساعتے
با حضور دل نکردہ طاعتے

ہماری کوئی گھڑی گناہ کے ارتکاب کے بغیر نہیں گزری
ہم نے صدقِ دل سے فرمانبرداری نہیں کی

بر در آمد بندۂ بگریختہ
آب روئے خود بعصیان ریختہ

تیرے در پر بھاگا ہوا غلام حاضر ہے
گناہوں کے باعث اپنی عزت وآبرو گنوائے ہوئے

مغفرت دارد امید از لطف تو
زانکہ خود فرمودۂ لاتقنطوا

تیری مہربانی سے مغفرت وبخشش کا امیدوار ہے
اس لیے کہ تو نے خود فرمایا مایوس مت ہو!

بحر الطاف تو بے پایاں بود
ناامید از رحمتت شیطاں بود

تیری مہربانیوں کے سمندر کی کوئی انتہا نہیں
تیری رحمت سے ناامید شیطان ہوتا ہے

نفس و شیطان زد کریما را من
رحمتت باشد شفاعت خواہ من

نفس اور شیطان میری راہ میں حائل ہیں
تیری رحمت میری سفارش کرنے والی ہے

چشم دارم کز گنہ پاکم کنی
پیش از آں کاندر جہاں خاکم کنی

توقع ہے کہ تو مجھے گناہوں سے پاک کردے گا
اس سے پہلے کہ میں قبر میں مٹی بن جاؤں

اندر آں دم کز بدن جانم بری
از جہاں با نور ایمانم بری

جس وقت جسم سے میری روح قبض ہو
دنیا سے باایمان میرا خاتمہ ہو

قارئین کی آسانی کے لئے میں نے ترجمہ کا اضافہ کردیا ہے، ترجمہ چھوڑ کر آپ بھی تنہائی ویکسوئی میں یہ اشعار پڑھئے وجد نہ طاری ہوجائے تو کہئے:

خیر! آپ نہایت ذوق وشوق اور درد وسوز کے ساتھ شیخ فرید الدین عطارؒ کی اس

مناجات کو پڑھتے رہے، نماز تمام ہوئی تو عربی لوگوں میں اس کا چرچا کم ہوا لیکن ہندوستانی لوگوں میں خوب چرچا ہوا یہاں تک بات کشاں کشاں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ تک پہنچ گئی، حضرت حاجی صاحبؒ عارف کامل تھے، انھیں ان حالات کا بخوبی علم تھا، آپ کبھی کسی صاحب حال پر ملامت نہیں کرتے تھے، کیونکہ اِن حضرات کو عارفین کاملین کی لغزشوں کا منشاء معلوم ہوتا ہے، اس لئے حضرت حاجی صاحبؒ سنتے رہے اور ہنستے رہے کیونکہ نماز تو فاسد ہوئی نہ تھی، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دعا اگر غیر عربی میں ہو تو حرام ہے مگر مفسد صلوۃ نہیں اور حرمت اس لئے نہ تھی کہ مغلوب الحال تھے معذور تھے۔“

۲۷ ررمضان المبارک ۱۳۴۲ھ کو وفات پائی، پٹنہ میں مدفون ہیں۔

(تذکرہ علمائے بہار۔ علمائے مظاہر علوم جلد دوم۔ تاریخ مظاہر جلد اول۔ ارواح ثلاثہ)

۞۞۞

حضرت مولانا ثابت علی پورقاضویؒ

شیخ الاسلام حضرت مولانا حافظ سید عبداللطیف ناظم مظاہر علوم سہارنپور کے حقیقی چچا تھے۔ ۱۲۸۳ھ سے مدرسہ کے طالب علم رہے ہیں۔

ابتدائی فارسی سے لیکر دورۂ حدیث شریف تک تمام علوم وفنون آپ نے مظاہر علوم ہی میں حاصل کئے۔ یکم محرم ۱۲۹۷ھ میں معین مدرس کی حیثیت سے مدرسہ میں آپ کا تقرر ہوا، ابتداءً کتب فارسی اور ابتدائی کتب عربی کا درس دیتے رہے اور چند سال میں اونچے مدرسین میں شمار کئے جانے لگے، حدیث کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔ ابن ماجہ شریف ومشکوۃ شریف آپ کے خاص اسباق تھے۔

مدرسہ کے حرج کی وجہ سے اپنے گھر نہ جاتے

مولانا کی زندگی بڑی عجیب وغریب تھی، مدرسہ کے اوقات کا خاص اہتمام فرماتے تھے، رمضان وبقرعید کی تعطیلات کے علاوہ مدرسہ کے حرج کی وجہ سے اپنے گھر تشریف نہ لیجاتے تھے، نظم ونسق کی درستگی میں کوشاں رہتے تھے، ایک مرتبہ گھنٹہ بجانے والے ملازم نے ۲/منٹ دیر سے گھنٹہ بجادیا تو آپ فوراً اپنی درسگاہ سے اٹھے اور اس ملازم کے پاس پہنچ کر اس کے دو تھپڑ رسید کئے اور فرمایا کہ ”گھنٹہ وقت پر نہیں بجایا جاتا، سارے اسباق گڑبڑ کردئے“ استاذ الکل ہونے کی حیثیت سے بھی آپ کا سب پر کنٹرول تھا اور سب ہی حضرات آپ کا لحاظ اور احترام کرتے تھے۔

چودہ دن احتباس البول کے مرض میں مبتلا رہ کر ۲۰/ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ شب جمعہ میں سہارنپور ہی میں آپ کی وفات ہوئی اور احاطہ حاجی شاہ کمال میں دفن ہوئے۔

مجھے نہ کسی سے کچھ لینا نہ کسی کو کچھ دینا

انتقال کے وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر زور سے فرمایا:

’’مجھے نہ کسی سے کچھ لینا ہے نہ کسی کو کچھ دینا ہے میرے سب معاملات بالکل صاف ہیں، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘

کلمہ پڑھتے ہی روح پرواز ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(حیات اسعد: از مولانا نسیم احمد غازی مظاہریؒ)

قبر میں فرشتوں کے سوال اور آپ کے جواب کا لطیفہ

حضرت مولانا کے انتقال پر طلبہ میں تبصرہ تھا کہ جب ان سے منکر نکیر نے سوال کیا ہوگا ’’من ربک‘‘ تو آپ نے جواب دیا ہوگا ’’من ربک‘‘ فرشتوں نے کہا ہوگا کہ صحیح جواب کیوں نہیں دیتے تو آپ نے فرمایا ہوگا کہ جواب دے تو دیا۔ تمہارا ’’من‘‘ استفہامیہ ہے میرا ’’من‘‘ موصولہ ہے یعنی جو تمہارا رب ہے وہی میرا رب ہے۔

چونکہ حضرت مولانا کو نحو سے زیادہ مناسبت تھی اسلئے طلبہ نے آپس میں ایسا تبصرہ کیا۔

(ملفوظات فقیہ الامت)

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ ۱۳۴۶ھ

مشتبہ مال کو معدہ نے قبول نہیں کیا

ایک شخص حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (م ۱۳۴۶ھ) کی خدمت میں دعوت کی عرضی لے کر پہنچا، حضرت اس کے کاروبار سے واقف نہیں تھے اس لئے دعوت قبول فرمالی پھر وہ شخص حضرت مولانا شیخ محمد زکریاؒ کی خدمت میں پہنچا اور دعوت کی پیش کش کی، حضرت شیخ اس کے کاروبار سے واقف تھے اس لئے صاف منع فرمادیا، وہ بھی بڑا ڈھیٹ اور ضدی قسم کا تھا، اسے حضرت شیخ کی دکھتی رگ کا پتہ تھا، پہنچ گیا حضرت مولانا خلیل احمدؒ کے پاس اور حضرت شیخ کی شکایت کردی اور سفارش کا طالب ہوا کہ اگر آپ فرمادیں گے تو ضرور قبول فرمالیں گے، حضرت سہارنپوریؒ نے حضرت شیخ سے سفارش کردی چنانچہ مجبوری میں منظوری دیدی، حضرت شیخ الحدیثؒ دعوت میں گئے بھی اور کھایا بھی، جب گھر واپسی ہوئی تو حلق میں انگلی ڈال ڈال کر تے کر کے معدہ کو خالی کردیا، اہل خانہ نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ''آج جس شخص نے دعوت کی تھی اس کا کاروبار مشکوک ہے، اگر حضرت کو بتاتا تو اس شخص کی رسوائی ہوتی اور دعوت میں جانے سے منع کرتا تو حضرت کی حکم عدولی ہوتی ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' اس لئے جانا بھی پڑا اور کھانا بھی پڑا، آنے کے بعد میں نے قے کردی تا کہ مضرت سے بچ سکوں۔''

اِدھر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ بیمار پڑ گئے، حضرت شیخ کو اپنے استاذ و مرشد کی علالت کا علم ہوا تو فرمایا کہ ''اچھا ہوا میں نے قے کردی تھی''

(ملفوظات فقیہ الامت: حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ)

زہر دینے والے حکیم کو معاف کر دیا

محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کا ایک طبیب تھا، جو حکیمی علاج کرتا تھا، ایک دفعہ اس حکیم نے غلطی سے حضرت مولانا کو زہر دے دیا، زہر کا حلق کے اندر پہنچنا تھا کہ اسی وقت قے ہوگئی اور آپ بچ گئے، مریدین ومتوسلین حکیم پر چراغ پا ہوئے، طلبہ نے اس پر آنکھیں نکالیں لیکن حضرتؒ کو اپنے لوگوں کا یہ رویہ بالکل پسند نہ آیا اور پھر بھی اسی سے علاج کراتے رہے اور لوگوں کے غصہ کو کم وختم کرنے کے لئے فرماتے رہے کہ:

''جو کچھ مقدر تھا وہی ہوا، زہر نے اپنا اثر اس لئے نہیں کیا کہ حکم ربی نہیں تھا، آپ لوگ اس بے چارے کو مطعون کرتے ہیں تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا، حکیم تو مخلص ہے آپ کی ترچھی نظریں برچھی بن کر مجھے لگتی اور تکلیف دیتی ہیں۔'' (اکابر کا تقویٰ)

حزم واحتیاط

مظاہر علوم کے اولین فارغین میں سے ہیں، بانی مظاہر علوم حضرت مولانا سعادت علی کے بھی شاگرد ہیں جو حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے معاصر اور بے تکلف دوست تھے، پھر مظاہر علوم کے صدر مدرس بنے، استاذ حدیث بنے، ناظم وشیخ الحدیث بنے اور آخر کار مظاہر علوم کے روح رواں اور مدار المہام بن گئے، دار الطلبہ قدیم کی پوری عمارت، مسجد کلثومیہ، مسجد بے نظیر شاخ خلیلیہ، احاطہ مطبخ، دار التجوید وغیرہ عمارات آپ کے ہی عہد میمون میں بن کر تعمیر و تیار ہوئیں، مدرسہ کا مکتبہ پہلے چند ہزار کتب پر مشتمل تھا پھر آپ کے عہد میں ہندوستان کی بڑی لائبریری بن گیا، مدرسہ ہر طرف سے ہر طرح سے بڑھا اور خوب بڑھا، ایک دفعہ حجاز مقدس سے ایک سال بعد ہندوستان واپس آئے، مدرسہ پہنچے تو یہ کہہ کر تنخواہ بند کرادی کہ میں اپنی علالت، ضعف اور کمزوری کی وجہ سے مدرسہ کا پورا کام انجام نہیں دے سکتا، مگر اب تک چونکہ مولانا محمد یحییٰ میری جگہ اسباق پڑھاتے تھے اور تنخواہ نہیں لیتے تھے وہ میرا ہی کام سمجھ کر کرتے تھے اور وہ اور میں دونوں مل کر تقریباً ایک مدرس سے زیادہ کام کرتے تھے، اب چونکہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور میں مدرسہ کی تعلیم کا پورا

کام نہیں کرسکتا اس لئے قبول تنخواہ سے معذور ہوں۔

عجیب وغریب تحمل

بزرگوں کے عقیدت منداور اہل تعلق بھی عجیب وغریب ہوتے ہیں، وہ اپنی عقیدت سے مجبور اور محبت کے قتیل ہوتے ہیں، وہ دل کے سادہ طبیعت کے نیک ومخلص ہوتے ہیں، ان کا ظاہر ان کے باطن کا عکس ہوتا ہے، نہ ریا نہ نمود، نہ دکھاوا، نہ نفاق۔

ایسے ہی ایک موقع پر جب مظاہر علوم میں سالانہ جلسہ کی گہما گہمی تھی، دور ونزدیک سے مہمانان مدرسہ میں موجود تھے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے، شیخ پورہ قدیم کے ایک صاحب نے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی مع مہمانان دعوت کردی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جانے میں پس وپیش کرتے نظر آئے، تو حضرت کے حکم سے مجبور ہو گئے۔

یہ قافلہ پوری شان سے شیخ پورہ قدیم جانے ہی والا تھا کہ ایک اور صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ: کل غریب خانے پر آپ سبھی کی دعوت ہے تشریف لائیں، حضرت نے وعدہ فرمالیا، اور ارادہ یہ کیا کہ شیخ پورہ سے واپسی پر دوپہر میں داعی کے یہاں حسب وعدہ پہنچ جائیں گے۔

اِدھر شیخ پورہ پہنچ کر عشائیہ سے فارغ ہوکر وہیں رات گزاری، اتفاق سے اگلے دن موسلا دھار بارش ہورہی تھی، واپسی بہت مشکل تھی، لیکن حضرت اپنے وعدے کو ہر ممکن نبھاتے تھے، چنانچہ قریبی اسٹیشن ٹپری پہنچے، وہاں سے ٹرین سے شہر کے مرکزی اسٹیشن اترے اور اسٹیشن سے بذریعہ گاڑی مدرسہ کی طرف روانہ ہو گئے، اہل خانہ نے بھی کھانا اس لئے تیار نہ کیا کیونکہ انھیں بھی دعوت کا پتہ تھا۔

اتفاق سے داعی صاحب راستے میں ہی دکھائی دیئے، حضرت نے انھیں رکوایا اور فرمایا کہ: دعوت کررکھی ہے، کس وقت آنا ہے؟ وہ بولے:

”اجی حضرت جی! اتنی زور سے بارش ہورہی ہے، مجھے تو اندازہ تھا کہ اتنی بارش میں آپ دعوت میں نہیں آئیں گے، اس لئے اب دعوت کل ہے، کل دوپہر آنا“

داعی اتنا کہہ کر یہ جا وہ جا، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ دونوں حضرات راوی ہیں کہ: داعی کی یہ سرد مہری، روکھا رویہ اور ٹکا سا جواب سن کر ہمارے تو تن بدن میں آگ لگ گئی، لیکن حضرت! اللہ اکبر، تحمل اور بردباری کا پیکر بنے رہے، صرف اتنا فرمایا:

''ظالم نے کل دوپہر کے لئے کہا ہے، شام ہی کی دعوت کہہ دیتا''

اگلا دن ہوگیا، لیکن حضرت تھانویؒ کا غصہ ابھی ختم نہ ہوا تھا، تھانہ بھون واپسی کی تیاری چل رہی تھی، حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے فرمایا کہ: آج تھانہ بھون نہ جائیں، کل چلے جائیں، آج تو دعوت ہے، حضرت کے آگے غصہ کو پینا اور چھپانا تو تھا ہی، چپ رہے، مجبوراً دعوت میں ساتھ گئے اور کچھ کھائے پیئے بغیر واپس آکر تھانہ بھون تشریف لے گئے۔

یہ طویل واقعہ ہے، ہم نے تو صرف تلخیص پیش کی ہے، محض یہ دکھانے کے لئے کہ ہمارے اسلاف نے کتنے کڑوے گھونٹ پئے ہیں، اور ان کے اخلاف کتنے کڑوے گھونٹ پی سکتے ہیں۔

یہ قالین میرا نہیں مدرسہ کا ہے

حضرت مولانا خلیل احمد جب تک سبق پڑھاتے تھے اتنی دیر مدرسہ کی طرف سے دی گئی قالین پر بیٹھے رہتے تھے لیکن سبق کے بعد کوئی عزیز واقارب یا متعارف شخص آگیا تو فوراً قالین سے اتر جاتے اور فرماتے کہ یہ قالین مدرسہ کا ہے جس پر بیٹھ کر اسباق ہوتے ہیں، یہ میرا ذاتی قالین نہیں ہے۔ (آپ بیتی)

فاقہ کشی

حضرت مولانا لطیف الرحمن کاندھلویؒ بیان کرتے ہیں کہ:

''میں ایک مرتبہ پیالہ لے کر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے دولت کدہ پر پہنچا۔ حضرت کے منتظم کار حاجی مقبول احمد دروازے پر آئے۔ میں نے ان سے کہا کہ: مطبخ کی دال کھائی نہیں جاتی تھوڑا سا سالن دے دیجئے۔ انھوں نے جواب دیا

کہ: آج تو سالن ہے نہیں۔ میں نے کہا کہ: حضرت کے سالن میں سے ہی دے دو۔ انھوں نے جواب دیا کہ: حضرت کا سالن بھی نہیں ہے، آج گھر میں فاقہ ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ: اچھا میں بازار سے حضرت کے لئے کچھ لے آؤں؟ انھوں نے فوراً میرے پاؤں پکڑ لئے کہ اللہ کے واسطے ایسا نہ کرنا، ورنہ میری آفت آجائے گی کہ راز کو فاش کیوں کیا"۔

اس کے باوجود حضرت سہارنپوریؒ جب اپنے گھر سے باہر تشریف لاتے تو شاہانہ انداز میں بڑا اعلیٰ، عمدہ، نفیس اور شاندار لباس جسم مبارک پر ہوتا، تاکہ کسی کو ادنیٰ سا شبہ بھی نہ ہونے پائے کہ گھر میں فاقہ ہے۔ (آپ بیتی)

تکبیر اولیٰ اور صف اول میں شرکت کا شوق

انھیں حرم محترم میں نماز پڑھنے کی ایک دھن تھی، ایک شوق تھا، ایک حرص تھا، اسی دھن میں غلطاں، اسی شوق میں پیچاں، اور اسی حرص و آز میں مضطر و مضطرب رہتے تھے، عزم ایسا جس میں تخلف نہیں، جزم ایسا جس میں تکلف نہیں، تسلُّف ایسا کہ جادہ و منزل سے سرمو انحراف کا تصور ممکن نہیں، حدود حرم سے کس کو پیار نہیں، پھر ارض حرم سے کسے عشق نہیں، کعبہ و مطاف سے کوئی محروم القسمت ہی ہوگا جو بلا عذر کے دور رہنا چاہے گا۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ عمر پچھتر (۷۵) سے بڑھ چکی تھی، ضعف نے ڈیرے جما لئے تھے، نقاہت نے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں، لڑکھڑاہٹ پیدا ہوگئی تھی، ہاتھوں میں بھی رعشہ ہو چکا تھا، ایک طرف زوردار بارش اپنے شباب پر تھی تو دوسری طرف حرم شریف میں پہنچنے کی طلب اور خواہش اپنے عروج پر، صف اول اور تکبیر اولیٰ پا لینے کا فکر، اس زمانے میں مکہ معظّمہ کی سڑکیں شکستہ، عمارتیں خستہ و بوسیدہ، ہر سو غربت کے مناظر تھے، بارش نے بہتوں کو ارادہ بدلنے پر مجبور کر دیا، رات کا موسم، گھٹا ٹوپ تاریکی، لوگوں نے ہر چند چاہا کہ ایسے موسم میں باہر نہ نکلیں، لیکن صاحبان عزم وعزیمت کی راہوں میں بھلا یہ چیزیں کب رکاوٹ بنی ہیں کہ آپ رکتے۔ چراغ ہاتھ میں لے کر حرم محترم کی طرف چل دئے، پانی کے ریلے میں کنکر پتھر بہے چلے جا رہے تھے وہ کنکر پتھر آپ کے پیروں سے ٹکرا رہے تھے، پیروں میں تکلیف بھی ہو رہی تھی لیکن پھر بھی حرم محترم

پہنچ گئے، قلب مضطر کے اضطراب کو مضراب محبت نے چھیڑ دیا اور عشقِ الٰہی نے سوز عشق کو تیز تر کر دیا، سنت نبوی پر عمل حب رسول میں اضافہ کا باعث بنا، بے قرار طبیعت کو قرار میسر آیا، صف اول اور تکبیر اولی کیا ملی مانو دارین کی دولت بے بہا مل گئی۔

سخت بیماری میں بھی روزہ قضا نہیں فرمایا

سہارنپور کی سردیاں سبحان اللہ تو گرمیاں خدا کی پناہ! لو کے تھپیڑے چل رہے تھے، ایسی گرمی کہ بدن ہی کیا درخت اور ہریالیاں بھی مرجھا جائیں، پیرانہ سالی، معذوری، بیماری اور پیچس کی شدید تکلیف، کئی روز سے فاقہ چل رہا تھا، ماہ رمضان کی وجہ سے افطار کے وقت صرف دوا لیتے تھے، فاقہ کشی کی وجہ سے جسم نہایت لاغر اور اعضا انتہائی کمزور ہو چکے تھے، اتنے سارے اعذار وموانع کے باوجود پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے تھے۔

جمعہ کا دن تھا، مولوی عبداللہ جان وکیل جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مدرسہ مظاہر علوم آئے، انھوں نے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کا پژمردہ چہرہ اور نحیف وناتواں جسم دیکھا تو خود پر ضبط نہ کرسکے، اور جلدی سے ایک ستون کی اوٹ لے کر رونے لگے، حضرت مولانا حافظ عبداللطیف پورقاضویؒ نے نہایت التجا اور الحاح کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت والا کا کئی روز سے فاقہ ہے، تکلیف زیادہ ہے، روزہ قضا فرما دیتے، آخر فقہاء نے رخصت لکھی ہے، مزید عرض کیا کہ مولوی عبداللہ جان وکیل تو روئے جا رہے ہیں۔

یہ سنتے محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد محدث کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا:

”حافظ صاحب (مولانا سید عبداللطیف پورقاضوی) کیسی بات کہتے ہو؟ ارے روزہ اور پھر رمضان المبارک کا روزہ!“

پھر فرمایا: ”اللہ تعالی مقلب القلوب ہیں کہ مولوی عبداللہ جان جیسا کوہ وقار متاثر ہو جائے۔“ (تذکرۃ الخلیل)

۞۞۞

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ ۱۳۴۶ھ

مناظر اسلام

حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کے مسترشد خاص، علی گڑھ کے حضرت مولانا لطف اللہؒ اور سہارنپور کے حضرت مولانا احمد علی محدثؒ کے خصوصی شاگرد رشید تھے، عظیم تعلیمی ادارہ ندوۃ العلماء کے بانی مبانی بھی آپ ہی ہیں، قیام مظاہر علوم کے دس سال بعد سن ۱۲۹۳ھ میں حضرت مولانا احمد علی محدثؒ سہارنپوری کا تعلیمی حلقہ بھی مظاہر علوم کی پہلی عمارت میں منتقل ہوکر آ گیا تھا، آپ کی شہرت ومقبولیت کے باعث اس سال مظاہر علوم میں عربی درجات میں طلبہ کی تعداد اچھی خاصی بڑھ گئی تھی، یہی نہیں روداد مدرسہ مظاہر علوم ۱۲۹۳ھ کے صفحہ تین کے مطابق اس سال دورہ حدیث میں طلبہ کی کل تعداد ۲۵/ ہوگئی تھی، ان تمام طلبہ کے نام بتانے اور گنانے مقصود نہیں صرف ایک نام کا ذکر ہمارا مقصود ومطلوب ہے اور وہ ہیں مناظر اسلام حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ جو اصلاً مظفر نگری تھے، آباء واجداد کانپور منتقل ہوگئے اس لئے آپ کے نام کے آگے کانپوری لکھا گیا پھر بعد میں مونگیر پہنچ کر مونگیری ہوگئے۔

آپ قادیانیت کے لئے شمشیر برہنہ تھے، بہت سی کتابیں نہایت مفید یادگار چھوڑیں، ندوۃ العلماء قائم فرمایا، ندوہ ترقیات پر گامزن ہونا شروع ہوا ہی تھا کہ حالات آگئے اور آپ اپنے ہی قائم کردہ چمن سے دست بردار ہوکر مونگیر تشریف لے گئے، بڑی خوبیاں تھیں، بڑے کمالات تھے، بڑے انسان تھے، حضرت گنج مرادآبادیؒ کے عاشق صادق اور حضرت کے معتمد اور منظور نظر تھے۔

نماز سے عشق

نماز سے ایسا عشق کہ مجال ہے جماعت چھوٹ جائے چنانچہ ایک دفعہ لکھنؤ میں قیام تھا، گھڑی تھی نہیں، نماز کے وقت کا اندازہ کر کے مسجد کی طرف چل پڑے، ماموں بھانجہ والی مسجد تک ہی پہنچے تھے پتہ چلا کہ جماعت ہو چکی ہے، بس پھر کیا تھا برداشت نہ کر سکے اور وہیں گر پڑے۔

زیارتِ رسول

اور سنئے! سیرت محمد علی مونگیریؒ کے مرتب حضرت مولانا محمد الحسنیؒ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں شامل فرمایا ہے:

ماسٹر خدا بخش مونگیریؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مونگیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، پوچھا راستہ میں کوئی خاص بات تو نہیں پیش آئی؟ میں نے نفی میں جواب دیا، آپ نے پھر وہی سوال دہرایا جواب نفی میں دیا، جب تیسری بار تاکید اور زور دے کر پوچھا کہ کوئی خاص بات دوران سفر تو پیش نہیں آئی؟ تو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں سلطان گنج ریلوے اسٹیشن پر ایک فقیر بڑے مستانہ طریقہ پر چند اشعار پڑھ رہا تھا جو مجھے بہت پسند آئے اور یاد بھی ہو گئے، حضرت مونگیریؒ نے وہ اشعار سنانے کا حکم دیا، تو میں نے یہ اشعار پڑھے:

نسیما جانب کویش گزر کن بگو آں نازنیں شمشاد مارا
بہ تشریف قدوم خود زمانے مشرف کن خراب آباد مارا
کہ بے دیدار تو اسباب شادی نمی شاید دل ناشاد مارا

حضرت علیہ الرحمہ نے یہ اشعار سنے تو جوش میں آکر فرمایا:

''میاں! اس سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے''

استاذ اور شاگرد کے درمیان احترام باہمی

علم کے رسیا، اصلاح کے طالب، حدیث نبوی کے عاشق صادق اور احسان وعرفان

کی ثریا تک پہنچنے کے عزم بالجزم نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے پر مجبور و بیکل کیے رکھا، کانپور سے سہارنپور تک، علی گڑھ سے گنج مرادآباد تک جہاں جو باکمال ہستی ملی زانوے تلمذ تہ کر دیا، مولانا لطف اللہؒ کے الطاف کریمانہ سے اپنے فکر و نظر کو تقویت بہم پہنچا کر مظاہر علوم پہنچے تو ایسے پہنچے فارغ بھی فاضل بھی، محدث باکمال بھی مناظر باجمال بھی، بحر شریعت کو عبور کر کے وادیٔ طریقت میں گلگشت اور محو خرام ہونے کی تمنا اور آرزو کہاں کہاں لئے پھری، ہوتا تو یہ ہے کہ طالب علم استاذ کا ادب و احترام کرتا ہے لیکن یہاں کا منظر بدلا بدلا سا تھا صبح سے شام تک، رات کے اکثر حصہ میں بھی تدریس تدریس اور صرف تدریس، قویٰ کمزور، عمر پختہ، کمر کمرے کی طالب اور جسم استراحت کے لئے بے قرار و مضطرب، مدرسہ سے گھر اور گھر سے مدرسہ، طلبہ بھی ساتھ ساتھ اور سبق بھی ساتھ ساتھ، نہ گھر میں آرام نہ مدرسہ میں سکون، ایک دھن تھی پڑھانے کی تو ایک جنون تھا پڑھنے کا، گھر پہنچ کر کمر چارپائی سے لگائی ہی تھی کہ آپ بھی پہنچ جاتے ہیں، حالانکہ اِرد گرد بہت سے طلبہ پہلے سے موجود تھے لیکن آپ کے پہنچتے ہی حضرت محدث سہارنپوریؒ اٹھ کر بیٹھ گئے آپ منت سماجت کرتے ہیں لیٹنے کا اصرار اور درخواست کرتے ہیں لیکن نہیں، آپ عرض کرتے ہیں کہ حضرت! میں آپ کا ادنیٰ شاگرد ہوں لیکن جواب ندارد۔

آج کل کے مولویوں کی طرح آپ صرف سند حدیث لینے نہیں بلکہ خود سند بننے گئے تھے، دو چار ماہ نہیں تقریباً ایک سال تک آپ نے حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی۔

عشقِ الٰہی کی تپش

ہمارے اس دور میں آغاز جوانی کو کھیل کود کے لئے، عنفوان شباب کو موج و مستی کے لئے اور عالم پیری کو ٹھاٹ اور کھاٹ کے لئے ریزرو سمجھا جاتا ہے لیکن آپ کا معاملہ عجیب تھا، ٹھیک اس وقت جب آپ کا میوۂ عنفوان شباب نورسیدہ تھا، عین اس وقت جب آپ کا سبزۂ گلستانِ عذار نودمیدہ تھا، جب خاندان کی بڑی بوڑھیاں ہاتھ پیلے کرنے کے لئے دختر نیک اختر کی تلاش اور تگ و دو میں لگ جاتی ہیں حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ حافظ محمد نامیؒ کسی صاحب حال بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے اور اطاعت و انقیاد کے سر کو خم کرتے نظر

آتے ہیں، اپنے حال میں مست و بے حال اس بزرگ نے آپ کو اسم ذات کی تعلیم وہدایت دے دی جس کو آپ کے کمزور و ناتواں قویٰ جھیلنے کی تاب نہیں رکھتے تھے اس لئے آپ پر استغراقی کیفیت طاری ہونے لگی، قلب میں سوزش اور عشق الٰہی کی تپش محسوس ہونے لگی، نمازوں میں لطف آنے لگا، دنیا سے طبیعت کٹ اور ہٹ سی گئی، آپ کے دوستوں نے ابتدائے عمر میں یہ حالت دیکھی تو مولانا کرامت علی قادریؒ نامی کسی بزرگ سے ملوایا، ان سے بھی ایک سال سے کم مدت استفادہ واستفاضہ رہا پھر آپ کی طبیعت اور جذبہ صادق نے حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ تک پہنچادیا، سچ یہ ہے کہ گنج مرادآباد کے گنج وگنجینہ نے آپ کی طبیعت کو سکون وسکینہ کا مصداق بنادیا، کم مدت اور قلیل عرصہ میں آپ نے باطنی وروحانی درجات کی اتنی منزلیں اور درجے طے کئے کہ شاید ہی کسی اور خلیفہ نے اتنی جلدی طے کئے ہوں، چنانچہ لذت ذکر کی کیفیت بیان فرماتے ہیں:

"اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں وہ لذت وکیفیت ہے کہ دنیا کی کوئی لذت اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔"

۶/ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ/ ۱۳/ ستمبر ۱۹۲۷ء کو زوال کے قریب ایسا محسوس ہوا کہ آفتاب غروب ہونے والا ہے، ظہر کی نماز کے بعد دو بجے دن میں اللہ اللہ کرتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔

مستفاد:

روداد مظاہر علوم ۱۲۹۳ھ صفحہ ۳

تاریخ مظاہر جلد اول صفحہ ۳۰

سیرت محمد علی مونگیری صفحہ ۴۰۵

اقوال سلف جلد چہارم

۞۞۞

حضرت مولانا عنایت الٰہی سہارنپوریؒ ۱۳۴۷ھ

الٰہی! عنایت بر عنایت الٰہیؒ

حضرت مولانا عنایت الٰہی (متوفی ۱۳۴۷ھ) مظاہر علوم کے ناظم بھی تھے، استاذ حدیث بھی، مفتی بھی تھے، عدالتی امور کے نگراں اور ذمہ دار بھی، کلی وجزئی امور کے مہتمم بھی تھے اور شہر میں محصل چندہ بھی، حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپورؒ، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ جیسی عبقری ہستیوں کے تلمیذ رشید تھے، آپ مظاہر علوم کے اولین فضلاء میں بھی ہیں، مدرسہ کے نہایت ہمدرد اور خیر خواہ، متقی ایسے کہ مدرسہ میں اب بھی اساتذہ اور طلبہ کے درمیان ان کے تقوے کے واقعات فخر کے ساتھ بیان ہوتے ہیں، جب تک علیا درجات کی کتابیں متعلق نہیں تھیں کار نظامت بے تکلف سنبھالے رہے لیکن جب بڑی کتابیں پڑھانے کو سپرد ہوئیں تو کتاب اور طلبہ کا حق ادا کرنے کی خاطر اہتمام سے عذر پیش فرما دیا، عذر معقول تھا اس لئے اہتمام سے علیحدگی منظور ہوگئی، لیکن کوئی بھی موزوں، مناسب شخص ایسا نہیں ملا جو مولانا کی جگہ بھر سکتا، چنانچہ پھر آپ کو نظامت لینی پڑی۔

جب تک قویٰ مضبوط تھے پیدل گھر آتے جاتے تھے، ضعف بڑھا تو راستے میں تین چار جگہ رک کر سستا کر آگے بڑھ جاتے تھے، مزید کمزوری بڑھی تو پالکی میں آنا جانا شروع کیا، اکثر اساتذہ آپ کے تلامذہ، بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ سے بڑی محبت اور تعلق رکھتے تھے، شیخ الحدیثؒ کی خواہش تھی کہ چونکہ مولانا کا ضعف کافی بڑھ چکا ہے اور مولانا کی خدمات بھی اتنی دیرینہ اور مخلصانہ رہی ہیں کہ ان کے لئے باقاعدہ پنشن جاری کر کے مولانا سے عرض کیا جائے کہ حضرت اب آپ گھر پر ہی

آرام فرمائیں، یہ خواہش اور چاہت صرف حضرت شیخ الحدیثؒ کی تھی، چنانچہ شوریٰ کی میٹنگ میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے یہ رائے پیش فرمائی، اس وقت شوریٰ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ جیسے حضرات تھے، حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ نائب ناظم تھے،

حضرت تھانوی نے فرمایا:

''چونکہ چندہ دہندگان کے سامنے کبھی پنشن کی بات رکھی نہیں گئی ہے اس لئے ان کی اطلاع کے بغیر پنشن کا اجراء درست نہیں ہے، ہاں جب چندہ دہندگان سے چندہ وصولی کے وقت صراحت کردی جائے تو میں بھی پنشن کی حمایت کرتا ہوں اور اس وقت حضرت مہتمم صاحب کیلئے میری طرف سے بھی پانچ روپے ماہانہ ہوں گے''

حضرت مولانا سید عبداللطیفؒ بھی حضرت تھانویؒ کی رائے کے حق میں تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ ان میں سب سے چھوٹے تھے لیکن حق بات برملا کہتے تھے، حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ سے برجستہ عرض کیا کہ

''حضرت! آپ پر بھی تو یہ نوبت آنی ہے''

اب حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ کا جواب سنئے اور ترقی درجات کی دعا کیجیے:

''اگر مجھ پر یہ نوبت آئی تو میں دارقدیم کے سامنے پان کی دکان کھول کر بیٹھ جاؤں گا پنشن نہیں لوں گا'' (آپ بیتی)

حضرت مولانا عبدالوحید سنبھلیؒ ۱۳۵۵ھ

ہم ان کتابوں کو پڑھانے کے قابل نہیں

جن لوگوں کی منزل دور ہوتی ہے وہ سنگ میل نہیں گنا کرتے، جن نوجوانوں کا فکر بلند، عزم عظیم اور جوش وجذبات مصمم ہوں وہ کوہ پیمائی سے بادیہ پیمائی تک، کوہ کنی سے بحر ظلمات میں دندنانے تک چلتے چلے جاتے ہیں، بڑھتے چلے جاتے ہیں، خاردار جھاڑیاں اور پرخار وادیاں ان شاہین صفت جیالوں کے قدم روکنے میں ناکام ونامراد رہی ہیں۔

آپ بھی نوعمر تھے، طالب علم تھے، علم کی پیاس بجھانے کی خاطر یہاں وہاں جہاں جہاں خبر ملتی پہنچ جاتے، ایک تڑپ تھی، لگن تھی، تشنگی تھی، دھن تھی، اسی لئے انھیں جب معلوم ہوا کہ لاہور میں حضرت مولانا غلام محمدؒ نامی ایک عالم ہیں جو معقولات کے امام اور ہیئت واقلیدس کے ماہرترین استاد ہیں تو ان کے پاس پڑھنے کی طلب تڑپ میں بدل گئی، جیب میں پائی نہیں، گھر والوں کو خبر نہیں، دوآنے جو جیب میں پڑے تھے ان ہی کے ساتھ لاہور کے لئے نکل پڑے، نہ منزلوں کا پتہ، نہ رہزنوں کا خوف، نہ راستوں کی خبر، نہ زادسفر، پیدل چلے اور چلتے رہے، کہاں مرادآباد اور کہاں لاہور؟ پورا سفر پیدل طے کیا، ایک مہینہ میں لاہور پہنچ کر حضرت مولانا غلام محمدؒ کی درسگاہ میں شامل ہو گئے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ بھی اس وقت اسی درسگاہ میں پڑھ رہے تھے اور اس طرح دونوں حضرات ایک دوسرے کے رفیق اور رزمیل بنے۔

کئی تعلیم گاہوں میں حصول علم کے بعد دارالعلوم سے فارغ ہوئے پھر پڑھانا شروع کیا، مدرسہ یوسفیہ ریاست مینڈھو علی گڑھ میں صدر مدرس تھے، ایک سالانہ جلسہ ہوا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ بھی اجلاس میں تشریف لے گئے، وہیں مولانا عبدالوحیدؒ سے ملاقات ہوئی، استعداد پختہ، مزاج میں سنجیدگی، صلاحیت کے ساتھ صالحیت میں بھی ممتاز، اطاعت اور دلجمعی، تدریس کی تمام تر خوبیوں سے مرصع، بھلا حضرت مولانا خلیل احمد محدثؒ کیسے اس دُرِّ ناب ونایاب کو چھوڑ دیتے، وہاں کے ذمہ دار نواب لیاقت علی خانؒ سے فرمائش کی کہ مظاہر علوم کے لئے مولانا عبدالوحیدؒ کو دیدیں، نواب صاحب نے اجازت دیدی، آپ مظاہر علوم تشریف لے آئے، کچھ عرصہ بعد نواب صاحب کو اپنے مدرسہ کے لئے مولانا کی ضرورت ہوئی تو حضرت مولانا خلیل احمد محدثؒ نے مینڈھو جانے کی اجازت دیدی، جب وہاں کام قابو اور کنٹرول میں آگیا تو پھر مظاہر علوم آگئے، ایسی نظیریں اور مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی اپنے مدرسہ کے لئے بلانا چاہا لیکن نہیں گئے، مجاز بنانا چاہا تو منع فرمادیا کہ مجھ سے تحمل نہ ہوسکے گا، حضرت تھانویؒ نے آپ کے نام مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا کہ

"آپ عبدالوحید تو تھے ہی وحید بھی ہوگئے ع　عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است"

سڑک پر چلتے یا درسگاہ میں پڑھاتے نظریں ہمیشہ نیچی رکھتے تھے، تقریر ہمیشہ متانت کے ساتھ آہستہ آہستہ فرماتے تھے، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے سفر حج پر چلے جانے کے بعد ان کے اسباق آپ ہی پڑھاتے تھے، افہام وتفہیم پر بڑی قدرت تھی، شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے آپ کو "رئیس المناطقہ" لکھا ہے۔ آپ کا شمار مجاہدین آزادی میں بھی ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالوحید سنبھلیؒ نے ایک بار فرمایا: کہ

"اگر کوئی شخص مجھ سے روزانہ دو گھنٹے شرح جامی پڑھے تو امید ہے کہ تین سال میں یہ کتاب مکمل ہو"

اسی طرح ایک بار درسگاہ میں پڑھاتے پڑھاتے فرمانے لگے کہ:

''ہمیں اس کا یقین اور اعتراف ہے، اس میں نہ مبالغہ ہے نہ غلو، نہ تواضع ہے کہ ہم لوگ ان کتابوں کے پڑھانے کے ہرگز قابل نہیں ہیں اور یہ جو سامنے بیٹھے ہوئے ہیں یہ ہم سے بھی پڑھنے کے قابل نہیں ہیں''

حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ، حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ، حضرت مولانا سید صدیق احمد کشمیریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا اشفاق الرحمن کاندھلویؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ یہ سبھی عالی مقام اکابر علماء آپ کے لئے صدقہ جاری اور فیض ساری بنے...

رمضان ۱۳۵۵ھ/ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں واصل الی اللہ ہوئے۔

(آپ بیتی، حیات اسعد)

حضرت مولانا مہر علی شاہ گولڑویؒ ۱۳۵۶ھ

بھارت جاؤ فتنہ ہونے والا ہے

گولڑہ (راولپنڈی) میں یکم رمضان ۱۲۷۵ھ کو تولد ہوا، حضرت مولانا غلام محی الدین ہزارویؒ، مولانا سلطان محمودؒ، مولانا محمد شفیع قریشیؒ وغیرہ سے اکتساب علم کے بعد مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا، ۱۲۹۵ھ میں مظاہر علوم پہنچے، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ سے کتب حدیث پڑھ کر وطن میں ہی درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، حدیث وفقہ کے ساتھ تصوف میں مولانا روم کی مثنوی اور شیخ محی الدین ابن عربی کی فصوص الحکم وغیرہ کا درس بھی دینے لگے پھر جذب وانجذاب کے عالم میں کئی سال سیر وسیاحت میں گزارے، مجاہدات کئے، راوی ندی کے کنارے ذکر واذکار کرتے رہے، پھر لاہور، مالیر کوٹلہ، ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان اور اجمیر وغیرہ کے اسفار کئے، کہیں درس وتدریس کا تو کہیں ذکر وتذکیر کا سلسلہ ومشغلہ جاری رکھا، ۱۳۰۷ھ میں حج بیت اللہ کے لئے پہنچے، وہاں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے گویا اسیر ہوگئے، اجازت وخلافت سے سرفراز بھی ہوئے، آپ نے مکے میں ہی رکنے کا نظام اور ارادہ بنالیا لیکن پیرومرشد نے فرمایا کہ:

”پنجاب میں ایک فتنہ نمودار ہونے والا ہے جس کا سد باب آپ کی ذات سے وابستہ ہے۔“

اس لئے آپ ہندوستان آگئے، کچھ ہی دنوں میں پنجاب کے قادیان سے احمدی فتنہ ظاہر ہوا، جس کی سرکوبی میں آپ نے شمشیر برہنہ کا کردار ادا کیا، آپ کی بعض آراء اور افکار سے علمائے دیوبند کو اختلاف ہے تاہم آپ اپنے تمام اکابر کا غایت احترام فرماتے تھے،

کسی نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ کے بارے میں پوچھ لیا تو فرمایا کہ

''وہ حضرت حق جل مجدہ کی صفت علم کے مظہر اتم ہیں''

ایک بار پنڈی کے سالار گاہ میں علمائے دیوبند اور اہل بدعت کے درمیان نزاع پیدا ہوگیا، اہل بدعت علمائے دیوبند کے کفر پر مصر تھے، نوبت مناظرہ تک پہنچ گئی، کچھ سنجیدہ حضرات درمیان میں آگئے اور درمیانی راہ یہ نکالی کہ دونوں فریق اپنا مدعا حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے سامنے پیش کریں اور انھیں ثالث بنالیں، ہر دو فریق گولڑہ پہنچ گئے، اہل بدعت نے حضرت سے عرض کیا کہ

''جو شخص مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کو کافر نہ کہے تو کیا اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی؟''

حضرت پیر مہر علی شاہؒ نے عالم ناگواری میں تاریخ ساز فیصلہ اور فتویٰ سنایا کہ

''اگر یہ لوگ مسلمان نہیں تو پھر دنیا میں کوئی مسلمان نہیں ہے اور جو امام ان بزرگوں کی تکفیر کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ہی جائز نہیں ہے''

وفات: ۲۹؍صفر المظفر ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۱؍مئی ۱۹۳۷ء شنبہ۔

❁❁❁

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ ۱۳۶۰ھ

نماز جنازہ شیخ محمد زکریاؒ پڑھائیں

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ (متوفی یکم شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵/اگست ۱۹۴۱ء) ذہانت کے واقعات تو بہت پڑھ لئے، ذہین بھی ایک سے ایک دیکھ لئے، لیکن آپ کی ذہانت اور آپ کا فہم نہایت ہی منفرد تھا، درس نظامی میں دو چار سال نہیں نو سال لگ جاتے ہیں لیکن آپ نے نو دس سال کا کام دو سال میں تمام کرلیا، نہ دارالعلوم کا رخ کیا نہ مظاہر علوم گئے، میرٹھ میں پیدا ہوئے اور میرٹھ میں ہی تعلیم کی تکمیل ہوگئی، آپ کے استاذ کا نام نامی حضرت مولانا امیر حسن امروہویؒ ہے، لاہور پہنچ کر مولوی فاضل کا امتحان بھی دیا اور امتیازی نمبرات سے کامیاب بھی ہوئے، متعلمی کا دور ختم ہوا تو معلمی کے لئے ندوہ پہنچ گئے، آب وہوا کی ناموافقت کے باعث ندوے سے وطن آگئے، خیر المطابع کے نام سے اپنا مطبع قائم فرماکر مفید کتابوں کی اشاعت شروع کی ساتھ ہی قرآن کریم کا سلیس اردو ترجمہ کرکے بصورت حمائل شائع کیا، دو ایک کتابیں ''الاسلام'' وغیرہ مرتب فرماکر شائع کیں، اللہ تعالیٰ نے اس کام میں اتنی برکت دی کہ قرضہ بھی اتر گیا، تمول بھی آگیا اور حج بھی فرض شد۔

کئی حج کئے، بڑے حضرت رائے پوری کے ہمراہ بھی حرم پاک پہنچے، شام، فلسطین، مصر کی زیارت بھی کی، تالیفی کام عروج پر پہنچا، رجل رشید کی شاندار سوانح تذکرۃ الرشید لکھی، تذکرۃ الخلیل میں حضرت مولانا خلیل احمد محدثؒ کے حالات موتی کے مانند جڑ دئے، کیا اکابر دارالعلوم اور کیا مشائخ مظاہر علوم سبھی سے دیرینہ تعلق۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری نے مدینہ منورہ ہجرت کے وقت جن تین ہستیوں کو مظاہر علوم کی سرپرستی کے لئے نامزد فرمایا ان میں ایک تابندہ نام آپ کا بھی ہے، محدث سہارنپوری سے پہلے محدث گنگوہی آپ کے مرشد تھے اس لئے دونوں سے جذباتی تعلق اور محبت تھی، مظاہر علوم کی سرپرستی ونگرانی انتہائی تجارتی مشاغل کے باوجود نہایت توجہ وانہماک سے فرمائی، شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ محمد زکریاؒ مہاجر مدنی فرماتے ہیں:

''مولانا انتہائی زکی، انتہائی مدبر، ظریف اور خوش مزاج تھے، منکرات پر بہت زیادہ غصہ آجاتا''

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کسی سفر سے رائے پور واپس جارہے تھے راستہ میں سہارنپور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے پاس ٹھہر گئے، شیخ الحدیث کی طبیعت پر بڑا تقاضا میرٹھ جاکر مولانا سے ملاقات کا تھا کیونکہ ان کی طبیعت زیادہ خراب تھی، حضرت رائے پوریؒ سے اپنے تقاضے کا اظہار اور میرٹھ چلنے کا اصرار کیا، طے یہ ہوا کہ براستہ دیوبند چلا جائے، حضرت مدنیؒ کے پاس رات گزار کر اگلے دن میرٹھ پہنچا جائے اور شام تک سہارنپور کے لئے واپسی ہوجائے، دیوبند پہنچے، رات گزاری، صبح چلنے کی تیاری، حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ نہیں ابھی مت جاؤ، میرے بچے ارشد میاں کا عقیقہ ہے، ابھی بکرے ذبح کراتا ہوں گوشت کھاکر جاؤ، لیکن میرٹھ پہنچنے کا تقاضا اتنا شدید تھا کہ حضرت مدنیؒ سے اجازت لے ہی لی اور جب یہ دونوں حضرات میرٹھ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کا جنازہ تیار رکھا ہوا ہے، نماز جنازہ پڑھانے کے لئے وصیت بھی کررکھی تھی کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ پڑھاویں، پے درپے دو تار بھی سہارنپور اور ایک تار دیوبند حضرت مدنیؒ کے پاس بھیجے جاچکے ہیں۔

تعلق اس کو کہتے ہیں، تعلق جب دل سے ہو تو وہ تار و ٹیلی فون کا محتاج نہیں ہوتا، طالب خود مطلوب تک اور مطلوب خود طالب تک پہنچ ہی جاتا ہے۔

سب سے کم عمر مفسرِ قرآن ومترجمِ قرآن

نثری ہو یا منظوم ترجمہ نگاری سہل نہیں بلکہ دِقت طلب اور صبر آزما کام ہے، کسی بھی فن

پارے کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کے عمل کو ترجمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے ذریعے مترجمہ فن پارے میں معانی کے تمام پہلوؤں کے ابلاغ و ترسیل کی حتی المقدور کوشش کی جاتی ہے، محض لفظی ترجمہ کردینا کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہوا کرتا اور معاملہ جب قرآن مجید کے ترجمے کا ہو تو احتیاط کا تقاضا اور بھی بڑھ جاتا ہے، اس لیے کہ اول تو عربی زبان کی وسعت دوسرے کلامِ ربانی کی فصاحت و بلاغت، یہ دونوں باتیں غایت درجے احتیاط کی متقاضی ہیں، اس کے باوجود غالباً مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کو اردو زبان میں سب سے کم عمر مترجم و مفسرِ قرآن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا نے تقریباً انیس سال کی عمر میں یہ عظیم خدمت انجام دی۔ آپ نے محض ۱۶ رسال کی عمر میں درسِ نظامی کی کتابیں پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی تھی، دیگر تصانیف کے علاوہ قرآنِ عزیز کا ترجمہ اور حاشیہ لکھا جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک کلمہ حضرت شیخ الہندؒ کی نظر سے گزرا ہے۔" (تذکرۃ المفسرین)

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ۱۳۶۳ھ

رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی خورد سالی کا زمانہ جو مرکز تبلیغ حضرت نظام الدین میں گزرا وہ بڑا ہی تنگدستی اور عسرت کا تھا، گھر میں کئی کئی فاقے ہوجاتے تھے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ جو لوگ اس حال سے واقف تھے وہ اس فاقہ مستی پر صبر وشکر کئے ہوئے تھے، خصوصی خدام، رفقاء کار، بچے، بوڑھے سبھی اس حال میں مست اور صبر وقناعت کے پیکر بنے رہتے تھے۔

خود حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے فرمایا کہ

''حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے دور میں شروع شروع میں کئی کئی فاقے ہوجاتے تھے، مدرسہ کاشف العلوم میں کام کرنے والے حضرات بھی اس فاقہ سے لطف اندوز ہوتے''

ایک بار لگاتار کئی دن سے فاقہ تھا، اندر باہر کچھ بھی موجود نہ تھا، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اپنے حجرہ سے نکلے، حوض کے کنارے اہل مدرسہ کو جمع کیا اور گویا ہوئے:

''دیکھو تم لوگ میری وجہ سے پریشان مت ہو، تم لوگ یہاں سے کہیں اور جاسکتے ہو، کسی اور مدرسہ میں کام کرسکتے ہو، میں اکیلا ہوں، حوض کا پانی پی کر گزارا کرلوں گا، گھر اور مدرسہ کے خزانہ میں کچھ نہیں ہے''۔

حضرت کے اس فرمانے پر سبھی نے یک زبان ہوکر عرض کیا کہ:

''حضرت! ہم بھی آپ کے پاس ہی رہیں گے چاہے ہم کو بھی حوض کا پانی پینا پڑے''

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اس جواب پر آبدیدہ ہوگئے، اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر نکل کر باہر آئے اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ برکت دے گا، اور آسانی مہیا کرے گا''۔

سوانح یوسفی کے مرتب فرماتے ہیں کہ:

''جب بھی کہیں سے آٹا آتا تو صندوق میں رکھ دیا جاتا اور اندر باہر خرچ میں لایا جاتا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ صندوق میں آٹا بالکل نہ تھا، کئی روز سے فاقہ کی حالت چل رہی تھی، حضرت مولانا محمد یوسفؒ نے صندوق کی درازوں سے آٹا نکال نکال کر جمع کیا تو بھی اتنا کم تھا کہ چند ٹکیاں بن سکیں۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اپنے حجرہ سے یہ منظر دیکھ لیا، کشف حال ہوا تو چہرے پر ایک خاص قسم کا اثر محسوس ہوا، اپنے حجرے میں واپس تشریف لے گئے اور کچھ دیر بعد نکلے تو فرمایا۔'' یوسف! اب اس چاردیواری میں ان شاء اللہ فاقہ نہ آئے گا۔ (آپ بیتی بحوالہ سوانح یوسفی)

گولروں سے افطار وسحر: کھانا کب آئے گا؟

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے شاگرد رشید، مظاہر علوم کے متعلم اور معلم فیض یافتہ، موجودہ سلسلہ دعوت وتبلیغ کے مؤسس حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سمیت ان کا پورا خاندان مظاہر علوم کا فیض یافتہ ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا دہلی مرکز میں بالکل ابتدائی دور تھا۔ میرے ایک مرحوم عزیز جو اس وقت ایک مسجد کے امام تھے، انھوں نے سوچا کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ تو دہلی کے پیر ہیں، رمضان میں بڑی فتوحات ہوتی ہوں گی، یہ سوچ کر وہ عصر کے قریب مرکز حضرت نظام الدین پہنچے، حضرتؒ کا معمول عصر کے بعد سے مغرب تک ذکر جہری کا تھا۔ ذکر سے فارغ ہوئے تو افطار کا وقت ہو گیا، حضرت نے حسب معمول فرمایا کہ لاؤ بھائی کچھ ہے؟۔ کسی نے جواب دیا کہ حضرت! کچھ نہیں ہے البتہ کل کی افطار سے کچھ گولر بچ گئے تھے وہی موجود ہیں، فرمایا: واہ وا، واہ وا۔ ضرور لاؤ''۔

(حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا معمول افطار کے بعد کچھ کھانے کا نہیں تھا، گویا افطار ہی کھانا تھا) میرے یہ عزیز بھی شریک ہو گئے، حضرتؒ نے چار پانچ گولر کھا کر پانی پی کر اللہ کا

شکرادا کیا اور مغرب کی نماز پڑھا کر نفلوں میں مشغول ہو گئے۔ عشاء کی اذان تک حسبِ معمول نفلیں پڑھتے رہے۔ اذان کے قریب فارغ ہو کر تھوڑی دیر کے لئے لیٹے پھر عشاء اور تراویح بڑے اطمینان سے پڑھائی۔ یہ غریب عزیز بے چارہ سوچتا ہی رہا کہ کھانے کا نمبر کب آئے گا؟۔ میرے عزیز نے بڑی مشکل سے رات گذاری۔ سحر کے وقت پھر وہی افطار والا منظر تھا، وہی گولروں کا لوٹا تھا، حضرتؒ نے سحری میں بھی چند گولر کھائے اور اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا۔

صبح کی نماز کے بعد اس عزیز نے اجازت چاہی۔ میرا عزیز کہا کرتا تھا کہ: جو کچھ میرے اوپر گذری تھی میں ہی جانتا ہوں''۔ (آپ بیتی)

تنگ دستی

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے اپنے بھتیجے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کو ایک مرتبہ خط لکھا کہ:

''کئی دن سے تم کو ایک ضروری خط لکھنے کا تقاضا تھا، مگر میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا، قرض لینے کو دل نہ چاہا، آج اللہ نے پیسے عطا فرمائے ہیں تو تم کو خط لکھ رہا ہوں''

آپ نے مؤرخہ ۲۱؍رجب المرجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳؍جولائی ۱۹۴۴ء جمعرات کے دن انتقال فرمایا۔ (آپ بیتی)

نظریں نیچی رکھنے کا معمول

ایک دفعہ حضرت الحاج مولانا حافظ قمر الدینؒ بیمار ہو گئے تو ان کی نیابت میں جامع مسجد سہارنپور پانچوں وقت نماز پڑھانے کے لئے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ جامع مسجد تشریف لے جاتے تھے۔ عصر کے وقت جا کر مغرب کی نماز پڑھا کر واپس تشریف لاتے تھے۔ اس تشریف بری میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ بھی کبھی کبھی ساتھ ہو جا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ غور سے دیکھتا تھا کہ مدرسہ سے لے کر جامع مسجد تک اپنے پاؤں پر نظر جمائے رہتے تھے کیونکہ راستہ بازار سے ہو کر گزرتا تھا مگر نگاہ کبھی بھی اِدھر اُدھر نہیں پڑتی تھی۔ (آپ بیتی)

حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ ۱۳۶۴ھ

مفسر قرآن

مضامین قرآنی پر تدبر، اسمائے رجال پر تفکر، عقیدۂ توحید میں تصلب اور اخلاص وعمل میں شفافیت، سنت کے پیام بر اور سلوک واحسان کے غواص حضرت مولانا حسین علی نقشبندیؒ الوانی ۱۹رذی قعدہ ۱۲۸۳ھ میں (قیام مظاہر علوم کے سال) تولد ہوا، گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے علم حدیث، مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے علم تفسیر اور کانپور میں حضرت مولانا احمد حسن سے منطق وفلسفہ وغیرہ پڑھ کر اپنے گاؤں واں بچھراں (میاں والی پنجاب پاکستان) میں تعلیم وتدریس، دعوت وارشاد، وعظ ومناظرہ اور درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا، مالی حالات بڑے اچھے تھے، اچھی خاصی زمینیں تھیں، ان ہی سے فارغ البالی کے ساتھ گزراوقات ہوتی تھی، آپ نے توحید خالص کی تبلیغ، شرک کی تردید اور بدعت ورسوم کی بیخ کنی کو اپنا نصب العین بنالیا تھا، آپ کے پیرومرشد نے بھی آپ کی تعلیم وتربیت کو بہ نظر استحسان دیکھا اور اپنے فرزند کو آپ کے زیرسایہ تعلیم وتربیت پر مامور ومقرر فرمایا، علمائے عصر آپ کی صلاحیتوں کے معترف، آپ کے کمالات کے مداح اور آپ کے فیضان کے ممنون تھے۔

امام العصر علامہ انورشاہ کشمیری علیہ الرحمہ ''امام عصر اور شیخ وقت'' فرماتے تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید مولانا حسین احمد مدنیؒ ''اپنا بزرگ'' اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ آپ کی خدمات کے بصمیم قلب معترف تھے، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ آپ کو ''پنجاب کا شاہ عبدالقادر'' کہتے تو علامہ سید سلیمان ندویؒ آپ کے قرآنی فکر کو ''عزیز الوجود'' خیال فرماتے تھے۔

علمائے مظاہر علوم کی وہ سادگی جس کے گن مؤرخین نے گائے ہیں، جس کی شہادتیں گزشتہ صدی کے اکابر علماء وصلحاء نے دی ہیں بلا مبالغہ آپ بھی ان خوبیوں سے پورے طور پر مرصع تھے۔

خادم الطلبہ

خادم الطلبہ کہنا بڑا آسان ہے لیکن طلبہ کی خدمت کر کے دکھانا بڑا مشکل ہے، آپؒ اپنے مدرسہ کے طلبہ کے حقیقی خادم تھے، طلبہ سے بے تکلف رہتے، ان کی آسانیوں اور راحتوں کا خیال فرماتے یہاں تک کہ طلبہ جب نیند کی آغوش میں ہوتے آپ کنویں سے پانی نکالتے، وضوخانے پر موجود تمام لوٹوں کو بھرتے، فجر میں جب طلبہ دیکھتے کہ تمام لوٹے پانی سے بھرے ہوئے ہیں تو تعجب کرتے کہ یہ خدمت رات کی تاریکی میں کون انجام دے جاتا ہے۔ ایک رات ایک طالب علم نے عزم کیا کہ پتہ تو کروں کہ آخروہ نادیدہ محسن ہے کون؟ طالب علم رات بھر جاگتا رہا، ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا، یہاں تک کہ تہجد کے وقت لوٹوں کے کھنکنے، کنویں سے پانی نکالنے کی آوازیں مسموع ہوئیں قریب جا کر دیکھا تو مفسر قرآن حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ تھے۔ ۲۵ رجون ۱۹۴۴ھ/ ۱۳۶۴ء کو وفات ہوئی اور مولانا غلام اللہ خانؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

کھیت میں ہل چلاتے

آپ کی سادگی اور منکسر المزاجی کا اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے وہ کام بھی خود انجام دیتے تھے جو ان کے زمانے میں بھی عام طور پر زمیندار لوگ اپنے نوکروں سے لیتے تھے چنانچہ اپنے کھیت میں ہل چلانے اور کھیتی باڑی کرنے میں کبھی عار محسوس نہ فرماتے تھے، لنگی پہنتے تھے، کھدر کا کرتا زیب تن فرماتے تھے، سر پر دستار باندھتے اور عام لوگوں کی طرح زندگی بسر فرماتے تھے۔ اگر کوئی پوچھتا پاچھتا کھیت تک پہنچ جاتا تو وہیں ریتیلی زمین پر بیٹھ کر پوری بات سنتے، مسئلہ حل کرتے اور پھر اپنے کام میں لگ جاتے۔

دیوار کی تعمیر کر رہے تھے

دہلی کے ایک عالم دین مختلف علوم وفنون بالخصوص تفسیر وحدیث، منطق وفلسفہ، مناظرہ وغیرہ میں اچھی خاصی شہرت ومقبولیت سن کرواں بچھراں (میاں والی پنجاب پاکستان) پہنچ گئے، آپؒ اس وقت مٹی گارے میں لت پت اپنے ہی گھر کی ایک دیوار بنانے میں مصروف تھے، دہلوی عالم نے حضرت کی بابت معلومات حاصل کرنی چاہیں تو لوگوں نے اشارہ سے بتایا کہ یہ جو دیوار کی تعمیر کر رہے ہیں یہی حضرت مولانا حسین علی نقشبندیؒ ہیں، بہرحال ملاقات اور استفادہ کے بعد جب دہلی واپس ہوئے تو ان کی زبان پر یہ کلمات تھے کہ:

''مجھے اس علم وفضل کا مالک، عالم باعمل مرکز ہندوستان دہلی میں بھی نظر نہیں آیا''

جرابوں کا واقعہ

حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے کسی عزیز نے بڑی عمدہ اور خوبصورت جرابیں ہدیہ میں دیں، میں نے سوچا کہ اتنی خوبصورت جرابیں ہیں ان کو حضرت مولانا حسین علیؒ کی خدمت میں نذر کروں تو حضرت کو آرام ملے گا، میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ جرابیں پیش کیں اور عرض کیا کہ حضرت! آپ ان جرابوں کو پہن لیں سردی سے حفاظت بھی رہے گی اور آرام بھی ملے گا۔ حضرت نے میرے کہنے سے پہن تو لیں لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے طلب فرمایا تو میں نے دیکھا کہ جرابوں میں کیچڑ لگا ہوا ہے آپ وہ کیچڑ صاف کر رہے ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں:

''اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو، میں ان جرابوں کو پہن کر تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ یہ کیچڑ اور مٹی میں لتھڑ گئیں، ان کو تم ہی پہنو مجھ سے اتنی احتیاط نہ ہو سکے گی''۔

صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور پاک وافغان علماء کی معقول تعداد نے حضرت مولانا سے قرآن وحدیث اور دوسرے دینی علوم میں استفادہ کیا ہے اور اس طرح آپ نے اہل علم کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی ہے جو ''قبوری شریعت'' کے پیروکاروں اور شرک وبدعت کے

"پجاریوں" کی سرکوبی کے لیے ہر آن، ہر زمان اور ہر مکان تیار نظر آتی ہے۔آپ نے بہت عمدہ، معیاری اور قیمتی تصنیفات بھی یادگار چھوڑی ہیں جن میں بلغة الحيران فی ربط آیات القرآن، تفسیر بے نظیر، تلخیص الطحاوی، تحریرات حدیث علی اصول التحقیق، تقریر الجنجوهی علی صحیح البخاری، تقریر الجنجوهی علی صحیح المسلم، برهان التسلیم، خلاصه فتح التقدیر، تحفه ابراهیمیه اور حواشی فوائد عثمانی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ کتابیں ان شاء اللہ تا قیام قیامت آنے والی نسلوں کے لئے عرفان وفیضان کا ذریعہ بنی رہیں گی۔

۲۵ رجون ۱۹۴۴ء کو وفات پائی۔ میاں محمد الیاس محمودؒ، میاں محمد الیاس محمودؒ، مولانا محمد یعقوب فیصل آبادیؒ، مولانا محمد حسین شاہ نیلویؒ، مولانا خلیل احمد واں بچھرویؒ وغیرہ نے آپ کی خدمات اور شخصیت پر مستقل سوانح حیات تحریر کیں جب کہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ،حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، سید عبید الاسلام زینبیؒ ،حضرت مولانا عبد الحمید خان سواتیؒ ،حضرت مولانا فضل محمد بھاول نگریؒ اور مولانا نور الحسن راشد مدظلہ کاندھلوی وغیرہ نے شذرات بھی تحریر کئے ہیں۔

(حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کی تحریرات سے مستفاد)

حضرت مولانا حبیب احمد کیرانویؒ ۱۳۶۶ھ

محقق کیرانویؒ

حضرت مولانا حبیب احمد بن عبدالحکیم کیرانہ (ضلع شاملی یوپی) میں پیدا ہوئے، متعدد مدارس میں تعلیم حاصل کی، اسی سلسلہ میں آپ مظاہر علوم سہارنپور بھی پہنچے اور سترہ شوال ۱۳۱۸ھ کو باقاعدہ داخلہ لے کر مشکوۃ، شرح وقایہ، مختصر المعانی اور سلم العلوم پڑھ کر ۱۳۱۹ھ میں امتحان سالانہ دیا اور کامیاب ہوئے، اگلے سال ۱۳۲۰ھ میں مطول، حمداللہ، ہدایہ اول، ملاحسن اور میبذی پڑھی، آپ مدرسہ یوسفیہ مینڈھو (علی گڑھ) میں صدر مدرس بھی رہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی نظر کیمیا اثر نے آپ کی کیمیا صفت شخصیت کو جانچا، پرکھا اور اپنے مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں مدرس مقرر کیا، ساتھ ہی اپنی کتابوں کی اصلاح اور تصحیح کا عظیم کام بھی مکمل انشراح کے ساتھ سونپا، آپ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں لمبے عرصے تک رہے، خداداد استعداد وصلاحیت اور قابل رشک ذہانت واستقامت حاصل تھی، مطالعہ بہت وسیع تھا، **حوادث الفتاوی، ترجیح الراجح، بهشتي زيور، تفسير بيان القرآن** اور **امداد الفتاوی** پر مولانا تھانویؒ کے حکم سے نظر ثانی کی، بہت سے اضافے اور اصلاحات کیں، ضمیمے اور تتمے لکھے۔

کتب تھانویؒ کی تصحیح

روزآنہ چار صفحات پر مشتمل اشکالات واعتراضات حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پیش کرتے اور حضرت علیہ الرحمہ جواب میں اپنی تحقیقات لکھتے اور بہت سی باتوں سے رجوع پر فرمالیتے تھے، حضرت تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن پر علمی حواشی لکھے۔

اہم تفسیری خدمت

''حل القرآن'' آپ کی وہ ضخیم اور عظیم تفسیر ہے جو آج کے دور میں اردو کی بہترین تفسیروں میں شمار کی جاتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اس تفسیر کو لفظ بہ لفظ اور حرف بحرف دیکھا اور پڑھا ہے، شیعوں اور قادیانیوں کے رد میں ان کی تحقیقات انیقہ اور تحریرات رفیعہ نہایت معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ اسی طرح آپ نے ''اعلاء السنن'' پر ایک طویل مقدمہ ''فوائد فی علم الفقہ'' کے نام سے تحریر فرمایا، ''الدین القیم'' کے عنوان سے علامہ ابن القیم کی تقلید کے موضوع پر تردید بھی لکھی، نیز اعلاء السنن کا فقہی حصہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کا تحریر فرمودہ نہیں ہے بلکہ حضرت مولانا حبیب احمد کیرانویؒ کا لکھا ہوا ہے۔

کوکب الدری میں تسامح پر استفسار

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے نام آپ نے ایک مکتوب گرامی بھیجا جس میں لکھا کہ الکوکب الدری میں چند جگہ اغلاط ہیں چنانچہ آپ نے اغلاط کی نشاندہی بھی فرمائی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے جواب بھی تحریر فرمایا۔

پوری گفتگو تو حضرت شیخ کے مکتوبات علمیہ میں موجود ہے، حضرت محقق کیرانویؒ القاب وآداب اور سلام مسنون کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت ایک تکلیف دیتا ہوں، امید ہے کہ آپ اس کو گوارا فرمائیں گے گو مجھے آپ کی مشغولی کا علم ہے مگر جو تکلیف میں دینا چاہتا ہوں وہ بھی ایک علمی خدمت ہے''

اس کے بعد حضرت محقق کیرانویؒ نے الکوکب الدری کی بعض عبارات اور اس کے حاشیہ پر بعض علمی اشکالات فرمائے، یہ مکتوب آپ نے کانپور مدرسہ جامع العلوم کی صدر مدرسی کے زمانے میں ارسال فرمایا تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے نہ صرف ان اشکالات کا علمی جواب دیا بلکہ فرق مراتب کا کس قدر خیال اور احترام رکھا اس کا اندازہ آپ ان جملوں سے کر سکتے ہیں، چنانچہ مکتوب کے بالکل ابتداء میں بعد القاب و

آداب جواب لکھا کہ

”گرامی نامہ موجب منت ہوا، آپ جیسے محقق کے اشکالات کے جوابات مجھ جیسے بے بضاعت کے لئے کوئی سہل چیز نہیں پھر کوکب کی عبارت میرے اور آپ کے لئے برابر ہے، بہر حال تعمل حکم میں ماحضر پیش کرتا ہوں“

سوال کا دل ربا انداز اور جواب کا دلکش اسلوب دونوں ہی لائق تقلید واتباع ہیں، پھر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ تسلی بخش جواب دینے کے بعد بالکل اخیر میں کس قدر عقیدت ومحبت سے لکھتے ہیں کہ

”آئندہ کیلئے یہی درخواست کروں گا کہ جواب میں اگرچہ نہ دے سکوں لیکن اشکالات سے ضرور مفتخر فرمائیں، صدارت تدریس کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔“

محمد زکریا

۸/صفر المظفر ۱۳۶۲ھ

ہر فن مولیٰ

حضرت مولانا حبیب احمد کیرانویؒ دینی علوم سے مرصع اور اسلامی آہنگ کا مرقع تھے، امام ربانی فقیہ النفس حضرت گنگوہی سے تلمذ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی کی صحبت اور محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ سے اکتساب فیض کیا تھا، منطق کے امام سے خیرآباد میں، فلسفہ کے ماہرین سے، معقولات ومنقولات کے ہر صاحب علم سے تعلیم حاصل کرنے کی لگن نے انھیں گگن بھر بھر کر علوم سے مالا مال کیا، یہی تو وجہ ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ جیسا عالم اور دانائے روزگار آپ کا انتخاب کرتا ہے تاکہ اپنی تحریروں پر نظر ثانی کرا سکے، تاکہ ماخذ ومظان پر دقت نظری کے ساتھ غور کر سکے، تاکہ شریعت کے تقاضوں سے ہم آہنگی باقی وبرقرار رہے۔

اپنے بھائی کے مکان سے دور رہے

حضرت مولانا کا مکان بہت ہی تنگ تھا، مالی حالت بھی اچھی نہیں تھی، اگر کوئی ملنے

ملانے والا آجاتا تو یا کسی کو مسئلہ پوچھنا ہوتا تو گھر سے متصل مسجد میں ملاقات کرتے، اسی مسجد کی چھوٹی سی دیوار پر بیٹھ جاتے گویا یہی دیوار کبھی دارالافتاء بن جاتی، کسی کو دینی مشورہ مقصود ہوا تو یہی دیوار بیت المشاورت کا کردار ادا کرتی، بھلے ہی آپ مالی طور پر غریب، تنگ دست اور مفلوک الحال تھے لیکن غیرت وخودداری ایسی کہ مجال ہے کسی امیر کبیر یا کسی رئیس کے سامنے کبھی اظہار تنگی وتنگ دستی کیا ہو، چھوٹا سا مکان آپ کی فیملی کے لئے ہی ناکافی تھا، بچے بھی، بیوی بھی، کتابیں بھی اور ساز وسامان بھی سب اسی چھوٹے سے مکان میں رہتا تھا اس لئے یہ مسجد آپ کے لئے مزید رحمت وراحت کا سامان فراہم کرتی تھی، حالانکہ اسی جگہ آپ کے بھائی کا مکان بھی تھا جو کشادہ، عمدہ، معیاری اور آپ کیلئے راحت کا سبب بن سکتا تھا لیکن آپ اس مکان کے سایہ سے بھی دور ونفور رہتے اور سب سے کہتے کہ:

’’میرے بھائی سرکاری ملازم ہیں اور رشوت بھی لیتے ہیں اس لئے ان سے دوری بنائی جائے‘‘۔

(وفات: ربیع الاول ۱۳۶۶ھ مطابق جنوری ۱۹۴۷)

مراجع:

- علمائے مظاہر علوم کی تصنیفی خدمات
- مکتوبات علمیہ صفحہ ۱۴۵
- استفادہ: مولانا نور الحسن راشد کاندھلویؒ
- تاریخ مظاہر
- کاروان رفتہ

حضرت مولانا محمد زکریا قدوسیؒ ۱۳۰۷ھ

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا اعتراف

حضرت مولانا محمد زکریا قدوسی (متوفی ۱۳۰۷ھ) سرزمین گنگوہ کے رہنے والے، مظاہر علوم کے فارغ و فاضل اور اسی ادارہ کے بڑے استاذ، مقرر و خطیب اور صاحب طرز ادیب تھے، سیرت نبوی کے موضوع پر آپ کی تقریریں اتنی مرتب، اتنی مدلل، اتنی البیلی اور اتنی دلچسپ ہوتی تھیں کہ لوگ اٹھنا اور پہلو بدلنا بھول جاتے تھے۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے آپ کی تقریر سیرت کو سن کر بے ساختہ فرمایا تھا کہ

''سیرت نبوی کے موضوع پر میں خود اچھی تقریر کر لیتا ہوں اور اہم علماء سے بھی اس موضوع پر مختلف تقریریں سنی ہیں لیکن سیرت نبوی کے موضوع پر میں نے حضرت مولانا محمد زکریا قدوسی گنگوہیؒ کی تقریر سنی تو حیرت زدہ رہ گیا اس لئے کہ آپ کی تقریر نہایت ہی عجیب و غریب ہے''۔

حضرت مولانا محمد زکریا قدوسی گنگوہیؒ نے مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا درس دیا، آپ کا درس طلبہ میں نہایت مقبول تھا، آپؒ اپنے سبق میں دقیق علمی مباحث اور اہم پیچیدہ مسائل کی گتھیاں اپنی فصیح و بلیغ زبان میں ایسے انداز میں سلجھاتے تھے، کہ طلبہ ان کی پرنور بصیرت افروز علمی تقریر کو نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ لیتے تھے، آپ کی تقریر نہایت مسلسل اور مربوط ہوتی تھی۔

آپؒ اپنی بات سمجھانے اور طلبہ کے اذہان و افکار میں کما حقہ بٹھانے کی مہارت تامہ

رکھتے تھے، وعظ وتدریس اور تذکیر میں ید طولیٰ حاصل تھا، بالخصوص سیرت نبوی کے موضوع پر وعظ وتقریر میں حذاقت کاملہ کے مالک تھے۔

آپ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے شاگرد رشید تھے، مظاہر علوم کی طرف سے اکثر تقریری پروگراموں میں آپ ہی کو بھیجا جاتا تھا۔

آپ نے مظاہر علوم میں درس وتدریس اور وعظ سے تقریباً ۴۰ رسال خدمت کی، مختلف اجلاس وپروگرام میں بصیرت افروز خطاب فرماتے تھے، اسی طرح مظاہر علوم میں مختلف مواقع پر کبار علماء کی موجودگی میں بیان فرماتے اور کبھی کسی کی وجاہت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ عوام وخواص کے درمیان آپ کا وعظ نہایت مقبول تھا۔

آپؒ کو بحث ومباحثہ اور مناظرہ میں بھی خصوصی مہارت حاصل تھی، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ کے ہمراہ مرشد آباد میں اہل بدعت سے مناظرہ کیلئے حضرت مولانا قدوسی بھی تشریف لے گئے تھے۔

ہدیہ کی مسور مدرسہ میں جمع کرادی

ہریانہ ایک جلسہ میں تقریر کے لئے تشریف لے گئے، آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا قاری شریف احمدؒ بانی جامعہ اشرف العلوم گنگوہ خادم کی حیثیت سے ہمراہ تھے، واپسی پر منتظمین نے مسور کی دو عدد گٹھری یہ کہہ کر دیدیں کہ دس کلو والی مدرسہ کیلئے ہے اور پانچ کلو والی آپ کی ہے، حضرت مولانا سہارنپور تشریف لے آئے، اگلے دن اپنے خادم رفیق سفر قاری شریف احمد صاحبؒ سے پوچھا کہ مسور کہاں ہے؟ قاری صاحب نے عرض کہ مدرسہ والی دس کلو مطبخ میں جمع کردی ہے اور پانچ کلو جو آپ کی تھی وہ میں نے آپ کے گھر پہنچادی ہے، اتنا سنتے ہی بہت خفا ہوئے اور فرمایا:

”ہمیں کون دے ہے بھائی! ہدیہ تو وہ ہے جو یہاں بیٹھے بٹھائے آئے، ہم لوگ مدرسہ کے کام سے گئے تو اس نے مدرسہ کو دی پھر اس نے خیال کیا ہوگا کہ مولوی بھی للچا رہا ہوگا تھوڑی اسے بھی دیدو“۔ (تذکرہ اکابر گنگوہ جلد دوم)

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدوسیؒ مال کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے،

متقی، پاکباز، نیک طینت، متدین، متصلب، نیکوکار، طلبہ کیلئے نہایت مشفق اور ان کے ساتھ رعایت کرنے والے، طلبہ کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرنے والے، شفیق و غمگسار یہاں تک کہ ان کے آرام وراحت کیلئے اپنی گھریلو ضروریات کو بھلا دیتے تھے۔

دوبار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، پہلی بار ۱۳۴۴ھ میں اور دوسری بار اپنی زندگی کے اخیر ایام میں اپنے مخصوص شاگرد حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ساتھ ۱۳۶۳ھ میں شرف حج سے بہرہ ور ہوئے۔

(نفح المشموم في مدح مظاهر علوم)

حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ ۱۳۷۳ھ

کیا یہ مظاہر علوم کے ناظم ہیں؟

مظاہر علوم کے محدث، منتظم اور اصحاب باتدبیر میں ممتاز مقام پر فائز، بایں ہمہ مظاہر علوم کی حدود میں آپ صرف ''حافظ صاحب'' کے خطاب سے جانے پہچانے جاتے تھے، پورقاضی ان کا وطن، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ ان کے خسر اور حضرت مولانا ثابت علی پورقاضویؒ ان کے چچا تھے نام تھا: حضرت مولانا سید عبداللطیفؒ (متوفی ۲ رذی الحجہ ۱۳۷۳ھ) طویل عرصے تک مظاہر علوم کے ناظم رہے، صبح سے شام تک اور رات کے اکثر حصہ میں بھی آپ بکار مدرسہ مشغول رہتے تھے، بڑے اداروں کی مخلصانہ نظامت کسی سردردی سے کم نہیں ہے، سچ پوچھو تو حکومت کی طرح محکمے، شعبے، ذمہ داران اور کارکنان سب تقسیم ہوتے ہیں اور منتظم اعلیٰ کو بیک وقت سب پر نظر رکھنی ضروری ہوتی ہے۔

فجر کے بعد سے عشاء کے بعد تک، دن کے اجالوں سے رات کی تاریکیوں تک، سفر سے حضر اور حضر سے سفر تک، ہر وقت، ہر گھڑی، ہر آن مدرسہ کے لئے فکرمندی، بکار مدرسہ کسی سفر میں گئے تو ساتھ میں رسید بک، تعارفی پمفلیٹ، فہرست چندہ دہندگان، کتابچے وغیرہ اپنے تھیلے میں رکھ لیے، کوئی مل گیا تو چندے کی تشکیل کردی، کسی کا دوامی چندہ باقی ہے تو یاددہانی کرادی اور تو اور یہ کام وہ تب بھی کرتے تھے جب ذاتی رخصت پر ہوتے تھے، دفتر مدرسہ قدیم کے بالکل سامنے اب جو مارکیٹ ہے جامعہ اسلامیہ ریڑھی والوں کی ہے، یہ پہلے کبھی ''گارڈ ابلڈنگ'' کے نام سے قدیم و کہنہ، خستہ و بوسیدہ عمارت ہوا کرتی تھی،

آپ اسی بلڈنگ میں قیام فرماتے تھے، مدرسہ کا وقت ختم ہوجانے کے بعد بھی آپ دارالاہتمام میں ہی رہتے تھے، دفتر سے جب گھر پہنچتے تو وہاں بھی کوئی نہ کوئی طالب علم درخواست لے کر پہنچ جاتا تھا۔

شلجم کا اچار بڑے شوق سے کھاتے تھے، بناتے تھے، اساتذہ میں تقسیم کرتے تھے، مطبخ میں کھچڑی پکوا کر طلبہ کو تین تین چار چار قتلے اپنے ہاتھ سے دیتے تھے، ''آپ بیتی'' حضرت شیخ میں ہے کہ: کبھی کبھی بارہ بارہ مٹکے آپ نے اپنے ہاتھوں شلجم کے اچار کے تیار کئے اور اسی طرح مخلصین، اساتذہ، طلبہ، مہمان، واردین کو کھلاتے پلاتے اور خوش ہوتے تھے۔

ڈپٹی عبدالرحیم سہارنپوریؒ نامی گرامی امیر کبیر، رئیس، ہردل عزیز، مطبخ کے مدارالمہام، نہر جمن شرقی کے ٹھیکیدار، آپ علیہ الرحمہ ان کے ذریعے ڈیڑھ دو من شاندار مچھلیاں مدرسہ میں منگوالیتے، اہتمام سے پکواتے، مطبخ میں خود بھی حاضر رہ کر نگرانی و مشورے اور رہنمائی فرماتے، مچھلی کے بڑے بڑے قتلے اور چاول پک کر تیار ہوتے تو طلبہ کو ہزار شوق وشفقت سے کھلاتے تھے، مدرسہ کے نانبائی سے کہہ کر روٹیوں پر کبھی گڑ کی چاشنی کبھی کلونجی لگواتے تھے، تاکہ روٹی کی لذت بڑھ سکے اور صحت وتندرستی کے لئے مزید مفید ہوسکے۔ (مستفاد: آپ بیتی)

مطبخ کا یومیہ کھتیان ہوتا، جو چیز جتنی خرچ ہوتی وہ الگ رجسٹر میں درج ہوتی، جو چیز رہ گئی ہے وہ وزن کی صراحت کے ساتھ الگ درج ہوتی، پھر خریداری کے رجسٹر سے خود ہی اشیاء کا ملان فرماتے اور ان چیزوں کو قطعاً اپنی شان کے خلاف نہ سمجھتے، نہ یہ سوچتے کہ یہ کام تو کسی اور شعبہ کی ذمہ داری میں داخل ہے۔

اسی طرح مظاہر علوم بہت سی عمارتوں پر مشتمل شہر بھر میں پھیلا ہوا ہے، جامع مسجد، خلیلیہ شاخ، دفتر مدرسہ قدیم، دارالطلبہ قدیم، احاطہ مطبخ، دارالتجوید، دارالطلبہ جدید وغیرہ جہاں بھی مدرسہ کا تعمیری کام ہوتا آپ بہ نفس نفیس تشریف لے جاتے، معائنہ فرماتے، نگرانی کے ساتھ ہی ضروری ہدایات سے نوازتے اور بالکل یہ خیال دل میں نہ آتا کہ یہ امور تو مہتمم مالیات سے متعلق ہیں۔

مدرسہ کی مسجدوں کی دیکھ ریکھ بھی بڑی دلچسپی سے فرماتے ،صفوں، چٹائیوں، حتی کہ مٹی کے لوٹے از خود مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ ضلع سہار نپور کے ناظم اور اپنے خادم حضرت مولانا قاری شریف احمدؒ سے منگواتے تھے، لوٹوں کی یہ تعداد کبھی کبھی ہزاروں میں ہوتی تھی، قیمت، مٹی کا انتخاب، لوٹوں کی رنگت، مضبوطی وغیرہ بہت سی شرطیں اپنی تحریر میں واضح فرماتے تھے، یہی نہیں لوٹے آنے کے بعد خود گنتی کراتے تھے، جو لوٹے ٹوٹ گئے ان کی اطلاع بھی دیتے تھے۔

بکثرت مطبخ تشریف لے جاتے تھے ،خوراک خرید کر سالن اور روٹی وغیرہ چکھتے تھے، چند نوالے کھا کر کسی ملازم یا طباخ کو دیدیتے تھے، آپ کے زمانے جیسا مطبخ کا شاندار نظم مظاہر علوم کی تاریخ میں پہلے کبھی نہیں ہوا اور حضرت شیخ الحدیث کے بقول بعد میں بھی امید نہیں ہے۔ بھنگی کے ساتھ بیت الخلے چیک کرتے ، گندگی پر غصہ کا اظہار فرماتے اور حاشیہ خیال میں یہ احساس نہ ہوتا کہ یہ ذمہ داری تو دربان کی ہے۔

شاید ایسے ہی دور کو دیکھ کر حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ بول پڑے کہ:

”عمارت کے حساب سے تو دار العلوم بڑا ہے، اور نظم وانتظام کے حساب سے مظاہر علوم، کیونکہ وہاں پر حضرت حافظ صاحب جیسی منتظم شخصیت کے زیر اہتمام کام ہوتا ہے۔“

دوران وضو شاطبیہ پڑھ لیا کرو

حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ کے حوالہ سے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ

”حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا حافظہ بہت اونچا تھا ایک مرتبہ وضو فرما رہے تھے کسی نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے شاطبیہ پڑھادیں، حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ نے فرمایا کہ وضو کرتے وقت پڑھ لیا کرو کیونکہ میرے پاس صرف اتنا ہی وقت ہے، علم کا اتنا استحضار تھا“

(حیات ترمذی: از مولانا عبدالقدوس ترمذی)

مدرسہ سے کھانا بند تو گھر سے جاری

طلبہ کیلئے بڑے شفیق اور کریم واقع ہوئے تھے، مدرسہ کے ضابطہ یا امتحان میں فیل ہونے کی وجہ سے کسی طالب علم کا کھانا بند ہوگیا تو آپ اس طالب علم کو اپنے گھر سے کھانا کھلاتے تھے، بہت سے خوش نصیب طلبہ ایسے بھی ہیں جن کو اِن ایام میں حضرت ہی کے ساتھ شریک دستر خوان ہونے کی سعادت حاصل رہی ہے۔

دو چار دنوں کیلئے پور قاضی تشریف لے جاتے تو اپنے عزیز و اقارب کے یہاں بھی جاتے، بازار کسی کام سے جانا ہوتا تو محلہ میں اپنے عزیزوں سے فرماتے کہ میں بازار جارہا ہوں کوئی سامان منگوانا ہو تو بتاؤ اور اس طرح یہ کوہ وقار و عظمت ہر کسی کے کام آتا اور من ینفع الناس پر عمل پیرا ہوکر خیر الناس کا مصداق بنتا۔

(ماہنامہ دینی مدارس نئی دہلی ماہ مئی ۱۹۸۴ء)

۞۞۞

حضرت مفتی سعید احمد اجراڑویؒ ۱۳۷۷ھ

تقویٰ یہ بھی ہے

مظاہرعلوم: بڑا تعلیمی وتربیتی ادارہ ہے، یہاں بہت سے خارجی امور بھی مدرسہ کی سرگرمی کا حصہ ہیں، چنانچہ دعوت وتبلیغ کے لئے مبلغین اور دعاۃ کا نظم، معاشرہ کی اصلاح کی تحریک، ردِّ فرق باطلہ کے لئے طلبہ وعلماء کی تیاری اور مناظرے، نکاحوں میں میں جانا، جلسوں میں مقررین کا بھیجنا، مختلف دینی، سماجی، پروگراموں اور سیمیناروں میں شرکت، اسی طرح مدارس کے معائنے اور وہاں کے امتحانات میں ممتحن کی حیثیت سے اپنے اساتذہ کو بھیجنے کا قدیم معمول ہے۔

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ ناظم تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اس عہد میں مدرسہ کے کلی اور جزئی امور پر گہری نظر رکھتے تھے، اجراڑہ کے مدرسہ سے حضرت گنگوہیؒ کے مسترشد خاص حضرت حافظ محمد حسینؒ کا رقعہ برائے شرکت اجلاس سالانہ آیا، حالات ایسے تھے کہ یہ دونوں حضرات شرکت سے معذور تھے، مشورہ ہوا کہ مدرسہ کی طرف سے نمائندگی کے لئے مفتی سعید احمد اجراڑویؒ (متوفی ۱۳۷۷ھ) کو بھیج دیا جائے، چنانچہ اہتمام سے حکم ہوا اور مفتی صاحب اجراڑہ تشریف لے گئے۔

اس زمانے میں حاضری کا رجسٹر کتب خانے میں رہتا تھا، حضرت شیخ کتب خانے پہنچے اور رجسٹر حاضری دیکھا تو مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کے نام کے سامنے ''رخصت'' درج تھی، حضرت شیخ نے پوچھا کہ رجسٹر حاضری میں قاری سعید احمدؒ کے آگے رخصت کیوں لکھی گئی ہے؟ انھیں تو بکار مدرسہ اجراڑے بھیجا گیا ہے، ان لوگوں نے بتایا کہ ان کی باقاعدہ

رخصت کی درخواست آئی ہوئی ہے۔

مفتی صاحب اجراڑے سے واپس آئے جب شیخ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ قاری صاحب! میں نے رجسٹر حاضری دیکھا اس میں آپ کے نام کے سامنے رخصت درج ہے، جب کہ آپ کو بکار مدرسہ حکما بھیجا گیا تھا؟ مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! اگرچہ میں بکار مدرسہ گیا تھا لیکن چونکہ میرا گھر بھی وہاں ہے اس لئے میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ میں اپنے ہی وطن میں بکار مدرسہ جاؤں، حضرت شیخ نے شاباشی دیتے اور اظہار پسندیدگی کرتے فرمایا کہ

"تم بہت اچھے لڑکے ہو، آج سے کھانا میرے ساتھ کھایا کرو"

یہ واقعہ مفتی صاحب کی اوائل ملازمت کا ہے، اس وقت سے مفتی صاحب نے اس وعدے کو ایسا نبھایا کہ سردی گرمی برسات ہر موسم میں خود ہی اپنا کھانا لے کر حضرت شیخ کے یہاں جاتے اور شریک دسترخوان ہوتے تھے، حضرت شیخ نے مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کا ذکر خیر بڑے خوبصورت الفاظ میں جگہ جگہ اتنی کثرت سے آپ بیتی وغیرہ میں فرمایا ہے کہ اگر ان تمام یادوں، یادداشتوں، روزناموں کو مرتب کیا جائے تو مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے اور خود حضرت شیخ نے بھی لکھا ہے کہ قاری صاحب کے اس قدر واقعات ذہن میں ہیں کہ رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔ (آپ بیتی سے مستفاد)

دو روپے:

حضرت مولانا سید عبد اللطیف پورقاضویؒ، حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ اور حضرت مفتی سعید احمد اجراڑویؒ تینوں اکابر مدرسہ انوار القرآن نعمت پور کے سالانہ جلسہ میں تشریف لے گئے، یہ واقعہ تقریباً ۱۳۷۳ھ یا ۱۳۷۴ھ کا ہے، اس وقت منشی عبد الغفور صاحبؒ (متوفی ۸/ مارچ ۲۰۲۱ء) کو مدرسہ میں پہنچے چار پانچ سال ہی ہوئے تھے، اُس زمانے میں جلسہ کی تین نشستیں ہوتی تھیں، سہارنپور شہر سے کلسیہ تک بذریعہ بس تشریف لے گئے، کلسیہ میں نعمت پور کے لوگ بیل گاڑی کے ساتھ موجود تھے، انتظام کی ذمہ داریاں مدرسہ کے ہونہار اور نوجوان استاذ منشی عبد الغفورؒ بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے،

منشی جی کے بھائی حافظ شریف مہتمم تھے، رات میں ان حضرات نے مدرسہ میں ہی قیام فرمایا، اگلے دن جلسہ ختم ہونے کے بعد کلسیہ تک بیل گاڑی سے ان حضرات کو پہنچایا گیا۔ مفتی سعید احمد اجراڑویؒ چونکہ ان میں کم عمر تھے، چلتے وقت ادارے کی طرف سے کرایہ وغیرہ کے لئے منشی عبدالغفورؒ نے دس روپئے مفتی صاحبؒ کو پیش کئے، کچھ دنوں کے بعد مفتی سعید احمد صاحبؒ کی طرف سے مدرسہ انوارالقرآن کے نام ایک منی آرڈر پہنچا، مفتی صاحب نے منی آرڈر پر پیغام کی جگہ پر لکھا تھا کہ

"کرایہ کے لئے جو پیسے دئے گئے تھے ان میں سے دو روپے بچ گئے ہیں جنہیں ارسال کر رہا ہوں، منی آرڈر کی فیس ایک آنہ میں نے اپنی جیب سے ادا کر دی ہے"

(روایت حضرت منشی عبدالغفورؒ)

صاحب زادگان کو وصیت

کئی ماہ سے سخت بیمار ہیں، خون کی الٹیاں ہو رہی ہیں، گھر میں کافی مقدار میں سوئیاں ملنے پر پتہ چلا کہ سحر کیا گیا ہے، بالکل بے ضرر انسان، نہ جائداد کا جھگڑا، نہ عہدوں کی جنگ، نہ جاہ و منصب کی طلب، نظامت کی پیش کش بھی کی گئی صاف انکار، صرف پڑھنا پڑھانا، فتوے دینا اور دفتر والی مسجد میں تقریباً تیس سال تک للّٰہ فی اللّٰہ بلا معاوضہ نماز پڑھانا، مدرسہ کے صدر مدرس، مدرسہ سے گھر، گھر سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کے کچا گھر بس یہی ان کی مشغولیت اور یہی ان کی شبانہ روز مصروفیت، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مفتی افتخار الحسن کاندھلویؒ، مفتی عبدالعزیز رائے پوریؒ، مولانا عبدالقیوم شاکر الاسعدی بستویؒ، مفتی عاشق الٰہی بلندشہریؒ بڑی تعداد ہے جس نے آپ سے تلمذ کا شرف حاصل کیا، اپنی آبائی اراضی اپنے عزیزوں کو دیدی، اپنے لئے اپنے وطن میں کچھ نہیں رکھا، ایسی خوبیوں سے مرصع شخصیت پر جادو جیسی حرام چیز جس نے بھی کی یا کرائی صرف اپنی عاقبت برباد کی۔

بہار کے دنوں میں آپ کا جسم کسرتی، پھرتیلے، تیز چلنے کی عادت، لیکن جب موسم خزاں آیا، شباب نے راہ بدلی، شیب نے دستک دی، پیرانہ سالی نے قبضہ جمایا تو ایسا جمایا

کہ بالکل لاغر ونحیف ہو گئے، کبھی دوسروں کا سہارا بنتے تھے آج خود سہارے کے محتاج ہو گیے، ایسی حالت اور کیفیت میں ایک دن اپنے دونوں بیٹوں مظفر واطہر کو قریب بلایا اور رک رک کر بڑے پیار، دلار، شفقت اور محبت سے فرمایا:

بچو! زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، سانسیں کب رک جائیں کچھ پتہ نہیں، میں نے کوئی جائداد نہیں چھوڑی، کوئی رقم اور بینک بیلنس نہیں چھوڑا جو ترکہ ہو کر جھگڑے کا سبب بنے، میرے ذمہ کسی کا قرض بھی نہیں، کبھی بعد میں یہ خیال کرو کہ: باپ تو مزے لے کر چلا گیا اور ہمیں قرض میں دبا گیا، گھر اپنا نہیں کرایے کا ہے، گھر میں جو سامان ہے وہ سب تمہاری والدہ کا ہے، انہوں نے اپنے خرچ سے بچا بچا کر جمع کیا ہے اس لئے اس میں کسی اور کا حصہ نہیں ہے، یہ مت سمجھنا کہ میں نے تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑا، میں نے تمہارے لئے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی وہ وصیت چھوڑی ہے جو انھوں نے اپنے بیٹوں سے فرمائی تھی:

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے مرض الوفات میں کسی نے عرض کیا کہ آپ کے بعد آپ کے بچوں کا کیا ہوگا؟

فرمایا: ''میرے بچے اگر نیک رہے تو اللہ تعالیٰ اِن کی کفالت خود فرمائے گا، وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے تو مجھے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر نیک نہ رہیں تو اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں، تو جب اللہ کو پرواہ نہیں تو میں کیوں ان کی پرواہ کروں؟''

اس زاہد صفت ہستی نے کتاب ''معلم الحجاج'' لکھی جو آج بھی دار العلوم اور مظاہر علوم کے ارباب افتاء کا ماخذ بنی ہوئی ہے، اس شخصیت کا نام حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ ہے۔

(آداب السلام، غم کے آنسو، فقیہ الاسلام نمبر، شیخ الادب نمبر)

حضرت مولانا عبدالوہاب سہارنپوریؒ ۱۳۸۰ھ

کیا آٹھ بج گئے؟

حضرت مولانا عبدالوہاب سہارنپوریؒ ۱۳۴۳ھ میں مظاہر علوم سے فارغ ہوئے، مولانا سید مظہر حسین نگینویؒ، مولانا سید مشتاق احمد پور قاضویؒ، مولانا غلام محمد پشاوریؒ اور مولانا ممتاز احمد گیاویؒ کے رفیق درس اور خواجہ تاش تھے، حضرت مولانا خلیل احمدؒ سے بیعت تھے، بڑے نیک، اللہ والے، رزق حلال سے مالا مال، دس بارہ سال تک مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھایا بھی اور پھر اسی ادارہ میں نائب مہتمم مالیات بھی رہے، جب تک مدرسہ میں رہے للہ فی اللہ کام کیا، ٹھیک اس وقت جب آپ کے ''گلشن بوٹ ہاؤس'' میں نوکر چاکر کام کررہے ہوتے، آپ مظاہر علوم کے مطبخ کے لئے منڈی سے اپنی پیٹھ اور سر پر سبزی کا ٹوکرا اور بوریا لادکر پیدل آرہے ہوتے، کیونکہ رکشہ سے مدرسہ زیرِ بار ہوگا، حساب کتاب میں بھی اور خوش نویسی میں بھی بڑے طاق تھے، چنانچہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے شعبہ مالیات میں متعلقین سے جب حساب قبضہ میں نہیں آیا تو آپ کو بلایا گیا، آپ نے بڑی عمدگی سے مکمل حساب کو صاف وشفاف کردیا، دارالعلوم کی انتظامیہ نے پیش کش بھی کی کہ یہیں رہ جائیں لیکن آپ نے منع کردیا اور کہا کہ میں نے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کو زبان دے رکھی ہے۔

آپ سے چھوٹے بھائی نے جب حفظ کی تکمیل کی تو آپ کو بھی حفظ کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، عمر تیس سال ہوچکی تھی، دوسری بچی کا تولد ہوچکا تھا پھر بھی تہجد کے بعد قرآن کریم حفظ کرنا شروع کردیا، حضرت حافظ قاری عبدالخالق سہارنپوریؒ سے آپ نے حفظ وقراءت کی تعلیم مکمل کی، کفایت شعار، وفادار، زاہد شب زندہ دار، تقویٰ شعار، والا تبار، تریسٹھ (۶۳) سال عمر پائی، وفات سے دو ایک دن پہلے اپنی اہلیہ سے کہا کہ میرے لئے کپڑے بنوادو، اہلیہ نے جواب دیا کہ دو تین دن پہلے ہی تو ایک سوٹ بنا ہے، فرمایا: میرے لئے

سفید سوٹ بنواؤ، ایک دن پہلے گھڑی اپنے سامنے رکھوالی اور بار بار پوچھتے رہے کہ آٹھ بجے یا نہیں؟ گھر والے بھی متعجب کہ ماجرا کیا ہے، ٹھیک آٹھ بجے تمام حاضرین کو سلام کیا، کلمہ طیبہ پڑھا اور ملک عدم کی طرف چل پڑے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ کے قریب تدفین عمل میں آئی، تدفین سے فارغ ہوکر وارثین گھر پہنچے تو گرما گرم بریانی کی ڈیگ مظاہر علوم سے پہنچ گئی، اہل خانہ نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کس نے کہا تھا؟ جواب ملا کہ مولانا نے کل ہی مدرسہ میں کہا تھا کہ:

''کل ایک ڈیگ بریانی کی تیار کر کے میرے گھر بھیج دینا، ممکن ہے گھر والوں کو موقع نہ ملے''

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ نے بہت سے مادہ ہائے تاریخ وفات نکالے جن میں سے چند یہ ہیں:

رخصت عبدوہاب	(۱۳۸۰ھ)
وفات حق شناس عارف پاک	(۱۳۸۰ھ)
تازہ داغ شمع مجلس	(۱۳۸۰ھ)

اختری بہشتی زیور

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کے خادم خاص حضرت مولانا نصیر الدینؒ کے اشتراک سے کتابوں کی طباعت واشاعت اور تجارت کے لئے ایک مکتبہ کی داغ بیل ڈالی گئی، آپ کی بڑی بیٹی اختر النساء کے نام پر کتب خانہ کا نام ''کتب خانہ اختری'' تجویز ہوا، اسی کتب خانے کی فرمائش پر مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ نے بہشتی زیور کا حاشیہ لکھا اور یہ حاشیہ بہشتی زیور کے ساتھ اسی کتب خانے نے پہلی بار چھاپا اور نام رکھا ''اختری بہشتی زیور'' اگرچہ مولانا عبدالوہابؒ کی شرکت مدت پہلے ختم ہوگئی تھی لیکن کتب خانہ کا نام بھی اب تک نہیں بدلا ہے اور نہ ہی بہشتی زیور کی طباعت رکی ہے۔ **فللہ الحمد**

(سوانح حکیم محمد عمر دیوبندی، علمائے مظاہر علوم کی علمی خدمات
استفادہ: حکیم نفیس الرحمن تھانوی وڈاکٹر مرغوب الرحمن سہارنپوری)

حضرت مولانا عبدالسبحان کسانویؒ ۱۳۸۱ھ

توکل علی اللہ

"۱۸/ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۳/مئی ۱۹۶۲ء چہار شنبہ کو مولانا عبدالسبحان صاحب مدرس شاخ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور بیت اللہ تشریف لے گئے تھے وہیں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

مولانا قدیم وضع کے بڑے نیک اور صالح افراد میں سے تھے، بزرگوں کو دیکھے ہوئے، برتے ہوئے، دینی شعائر کے بڑے پابند اور تقویٰ وطہارت کی زندگی رکھنے والے، پہلے بھی حج کر چکے تھے لیکن اِس مرتبہ کے حج کے احوال بالکل اس نوع کے تھے جیسے ان کو اپنے دامن میں مستقل پناہ دینے کے لئے بلایا گیا ہو۔

ساری زندگی جس متقیانہ طریقہ پر بسر ہوئی اس کے پیش نظر ارض کعبہ میں ان کی موت بھی کس قدر قابل رشک ہے۔ (روداد مدرسہ ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء)

آپ عابد وزاہد، صابر وقانع، گوشہ نشین، نقی وتقی، امین ومامون، سادگی پسند اور پرانی وضع کے حامل بزرگ تھے، رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ساتھی اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مسترشد تھے۔

سوتے وقت بآواز بلند قرآن پڑھنے کا معمول

تعلیمی اوقات کے علاوہ اکثر تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہتے، رات کو سوتے ہوئے بھی کئی کئی پارے بہ آواز بلند پڑھ لیتے تھے، تواضع اور بے نفسی کا یہ عالم کہ اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا اطہر حسینؒ سے فرمایا کہ:

"مجھے شاطبیہ پڑھادو! مولانا نے عرض کیا کہ حضرت! یہ کتاب تو بہت مشکل ہے اور میں نے پوری پڑھی بھی نہیں ہے اور آپ تو میرے استاذ ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے"؟ (بزم اطہر)

حج بیت اللہ

حج ایک ایسی عبادت ہے کہ جو ایک مرتبہ وہاں کی زیارت سے مشرف ہوجاتا ہے تو اس کی آتش عشق اور بھڑک جاتی ہے، واپسی کے بعد بھی وہیں کی باتیں وہیں کی یادیں روز مرہ کا حصہ بن جاتی ہیں، آپ بھی ایک بار حرمین کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے لیکن اخیر عمر میں یہ آتش عشق ایسی بھڑکی کہ بے چین و بے قرار رہنے لگے، ہر ملنے والے سے اپنے لئے طالب دعا اور تنہائی میں بھی دست بہ دعا:

اسی کیفیت میں بنام خدا مظفر نگر کے وقف میں بایں امید و یقین درخواست گزاری کہ ہوسکتا ہے کام آسان ہوجائے، مظفر نگر وقف اس زمانے میں عازمین حج کے لئے تعاون میں پیش پیش رہتا تھا لیکن مولانا کی تیاری مکمل نہ تھی، اس لیے درخواست بھی نامنظور ہوگئی، متعلقین نے عرض کیا کہ حضرت! اب کیا ہوگا؟ فرمایا: اللہ تعالی ہی نظم فرمائے گا۔

ایک ہی دو سال کے بعد ایک صاحب فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنی طرف سے حج بدل کے لئے فرد کی تلاش میں ہوں، آپ حج بدل کرلیں، مفتی صاحب نے فرمایا کہ حج تو زندگی میں صرف ایک بار فرض ہوتا ہے اور میں الحمد للہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو چکا ہوں البتہ مولانا عبد السحان صاحب حج کے لئے بہت بے قرار ہیں آپ انھیں بھیج دیں اور اس طرح الحمد للہ مولانا کا کام بن گیا، روانگی سے چند یوم قبل حضرت مولانا اطہر حسینؒ نے عرض کیا کہ

"حضرت! میری خواہش ہے کہ اب آپ واپس مت آئیو وہیں رہ جائیو"

ہنسے اور فرمایا: ''ارادہ اور امید تو یہی ہے باقی جو اللہ تعالی کو منظور ہوگا وہی ہوگا''

جیسا کہ مظاہر علوم کی روداد میں بتایا گیا کہ

''اس مرتبہ کے احوال بالکل اس نوع کے تھے جیسے ان کو اپنے دامن میں مستقل پناہ دینے کے لئے بلایا گیا ہو''

چنانچہ ادھر عازم حج نے حج بیت اللہ کی سعادت پائی اُدھر عازم ملک عدم ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ (بزم اطہر ص ۲۵ و ۳۵۔ روداد مظاہر علوم ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء)

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ۱۳۸۲ھ

شکم سیری اور لغویات

حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالقادر رائے پوری (متوفی ۱۳۸۲ھ) کی طالب علمانہ زندگی بڑی عسرت اور تنگی میں گزری، خود ہی ارشاد فرمایا کہ:

''ایک مرتبہ سردی میں کوئی کپڑا ایسا نہیں تھا جس سے سردی سے بچا جاسکے، کسی سے اظہار کو غیرت مانع تھی۔ اخفائے کی انتہائی کوشش رہتی تھی۔ جب تک مسجد کے کواڑ کھلے رہتے، حمام کے سامنے سینکنے کے بہانے سے بیٹھا رہتا اور جب سب چلے جاتے تو مسجد کے اندر زنجیر لگا کر مسجد کی صف کے ایک کونے پر لیٹ کر کروٹیں بدلتا ہوا دوسرے کونے تک پہنچ جاتا۔ وہی صف جو کچھ دیر پہلے صف تھی اب میرے لئے اوڑھنا اور بچھونا بن چکی تھی۔ سر اور پیروں کی طرف سے خوب ہوا لگتی رہتی تھی۔ تہجد کے وقت اسی طرح کروٹیں بدلتا ہوا دوسری جانب آجاتا، توصف بچھ جاتی''۔

اور سنئے، حضرت ہی کا ارشاد ہے:

مظاہر علوم سہارنپور کی طالب علمی کے دور میں اُس وقت تک مطبخ قائم نہیں ہوا تھا۔ طلبہ کو وظیفہ ملا کرتا تھا۔ دار الطلبہ بھی نہیں بنا تھا۔ اسلئے طلبہ کا قیام مساجد میں رہتا تھا۔ ایک مسجد میں ہمارا پانچ آدمیوں کا قیام تھا۔ ایک طالب علم امام تھا اس کا کھانا محلہ سے آتا تھا، اور دو طالب علموں کو مدرسہ کی جانب سے وظیفہ تھا۔ وہ اسباق سے فارغ ہونے کے بعد اپنی روٹی خود ہی پکایا کرتے تھے۔ کبھی دال بھی پکالی ورنہ چٹنی۔ تین آدمیوں کا کھانا ہم پانچ

آدمی کھایا کرتے تھے۔ پیٹ صرف اس دن بھرتا تھا جب محلہ میں کسی جگہ دعوت ہوتی تھی یا جمعرات وغیرہ کو مسجد میں کوئی اور کچھ دے جائے، ورنہ آدھی بھوک ہی اکثر کھانے کی نوبت آتی تھی۔

پھر فرمایا کہ اب مطبخ جاری ہوگیا ہے جس کی وجہ سے دونوں وقت پکی پکائی بے فکری سے ملتی ہے۔ اس لئے کبھی روٹی کچی لگتی ہے، کبھی سالن ناپسند ہوجاتا ہے۔ ہم لوگوں کو اسباق کے بعد اس زمانے میں اپنی اپنی روٹی پکانے کی فکر پڑجاتی تھی۔ اپنے ہی ہاتھ سے طلبہ عام طور سے پکاتے تھے۔ کچّی پکّی جیسی پک جاتی تھی، اسی کو غنیمت سمجھتے تھے۔ اپنی پکائی ہوئی ہوتی تھی، اس میں عیب نہیں نکلتا تھا۔ اب مطبخ سے پکّی پکائی ملتی ہے، سینکڑوں عیوب اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں اور شکم سیر روٹی کھا کر لغویات کی سوجھے ہے۔ ہم لوگوں کو اتنا وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ ان خرافات کی سوجھے۔

(مستفاد از آپ بیتی حضرت شیخ الحدیثؒ)

۞۞۞

حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ ۱۳۸۴ھ

مولانا امیر شیخ کبیر

حضرت مولانا امیر احمد کاندھلوی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۸۴ھ) عابد وزاہد، نیک وپارسا، اکثر وقت مدرسہ کی خدمت، تدریس اور طلبہ کی تربیت میں صرف ہوتا، عسرت کا زمانہ تھا، وقت بڑا قیمتی تھا اور اپنے وقت کو قیمتی بنانا جانتے تھے۔ اپنے حجرہ سے دار الطلبہ کی درسگاہ تک پیدل سفر قرآن پاک پڑھتے طے کرتے اور ان چند منٹوں میں نصف پارہ آرام کے ساتھ ختم فرمالیتے، آپ سب حضرات یہ جان کر متعجب ہوں گے کہ حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ نے حجرہ سے درسگاہ اور درسگاہ سے حجرہ آتے جاتے قرآن کریم مکمل حفظ کرلیا تھا۔

بڑے بڑے اساتذۂ حدیث اور فقہاء امت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ کے شاگردان رشید ہیں لیکن سچ یہ بھی ہے کہ کسی کو بھی اپنے استاذ مکرم کی شخصیت اور سوانح مرتب کرنے کی توفیق نہ ہوئی، اللہ تعالی خوب خوب رحمت نازل فرمائے تربت شیخ یونسؒ پر، جنھوں نے الیواقیت الغالیہ میں ایک خوبصورت مضمون شامل فرما کر اپنے استاذ کو جاوید بنا دیا، شیخ نے اپنے مضمون میں مولانا امیر احمد کاندھلوی کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ

”مدرسہ میں دو مصری علماء تشریف لائے، ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں، مولانا امیر احمد کاندھلویؒ سے حلق لحیہ پر گفتگو ہوگئی، مولانا امیر احمد کاندھلوی نے برجستہ دوٹوک لفظوں میں فرمایا "حلق اللحیة فسق "ان مصری علماء میں جو بڑے عالم تھے وہ

بولے "یاشیخ! أنحن فساق؟"

حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ نے بے خوف فرمایا "انتم فساق" پھر تو بحث شروع ہوئی، حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ نے احادیث مقدسہ کی روشنی میں مسئلہ کو واضح فرمایا تو اخیر میں دونوں مصری علماء نے مولانا کے بازو تھام لئے اور بے خودی کے عالم میں بار بار کہتے رہے "مولانا امیر شیخ کبیر"۔ (الیواقیت: شیخ محمد یونس جون پوریؒ)

تنخواہ کم، ناشتہ ختم

حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ اور شیخ محمد یونس جونپوریؒ جیسے اساطین علم کے استاذ تھے، تنخواہ کم اس لئے ناشتہ ختم، اخراجات زیادہ تھے، طلبہ پڑھنے کے مشتاق، استاذ پڑھانے کو بے قرار، اگرچہ مدرسہ سات آٹھ بجے کھلتا تھا لیکن مولانا امیر احمد کاندھلویؒ فجر کے بعد ہی پڑھانا شروع کر دیتے تھے، قاری صدیق احمد باندویؒ کا بیان ہے کہ حضرت بھاری تن و توش کے مالک تھے، بغیر ناشتہ کے پڑھاتے تھے، اگر کسی دن بھوک بے قرار کرتی تو چنے منگوا لیتے اور یہی ان کا گویا ناشتہ ہوتا، عموما حضرت کے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے تو مجھ سے یا کسی طالب علم سے چند پیسے بطور قرض لیتے اور چنے منگوا لیتے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت کو بھوک لگی ہے، پاس پیسے نہیں ہیں طلبہ سے قرض طلب فرمایا تو پوری جماعت میں ایک بھی طالب علم ایسا نہیں نکلا جس کے پاس کچھ پیسے ہوں اور استاذ محترم کو قرض پیش کر سکے۔

هـذي مشائخنا فهات مثالم
إن كنت تُوجديا زمانُ فأوجِدِ

حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ ۱۳۸۵ھ

تصلُّب اور تسلُّف

حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ: (متوفی ۱۳۸۵ھ) تقوی آپ کی شناخت اور فتویٰ آپ کی پہچان بن چکا تھا۔

حج کے لئے تشریف لے گئے، جدہ میں دو تین دن قیام کرنا پڑا، مسجد کے بجائے اپنی رہائش پر نمازیں ادا کرنا گراں محسوس ہوا، اپنے خادم خاص (حضرت مولانا محمود داؤد یوسف برمیؒ مفتی اعظم ملک برما) سے فرمایا:

''ہم لوگ اچھے خاصے کھاتے پیتے ہیں، آرام سے رہتے ہیں، ایسی صورت میں مسجد سے محرومی اچھا نہیں لگتا ہے، دوسری طرف یہاں کے ائمہ حضرات یا تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر عمل کرنے والے ہیں یا حضرت امام شافعیؒ کے، یہاں کے حوض چھوٹے ہیں اس لئے دہ در دہ نہیں ہیں، بہت ممکن ہے کہ امام صاحبان اسی حوض سے وضو کرتے ہوں، اسی طرح خروج دم سے احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔''

یہ دو باتیں مسلکی اعتبار سے آپ کو کھٹکتی تھیں، مسجد میں نماز ادا کرنے کی چاہت بھی ہے اور اپنے مسلک پر تصلب بھی، آخر کار امام صاحب سے ہی رائے اور مشورہ لینے کی سوچی تا کہ امام صاحب بھی حنفی مقتدیوں کی رعایت میں اس حوض سے نہ وضو بنائیں اور خروج دم کی صورت میں تازہ وضو کرلیا کریں!

اب آپ امام صاحب کا جواب سنئے اور دونوں کو دعا دیجئے:

’’میں خود ان باتوں کا خیال رکھتا ہوں بالخصوص موسم حج میں دیگر مسالک کا اور بھی خیال رکھتا ہوں اور اپنے گھر سے ہی وضو کر کے آتا ہوں‘‘

(تجلیات رحمانی: قاری سعید الرحمن)

علم کی گہرائی وگیرائی

ڈیڑھ درجن ہوشیار، تیز وطرار طلبہ اور دو اساتذہ ایک بڑے تعلیمی ادارہ سے سفر کرتے ہوئے سہارنپور پہنچ گئے، مظاہر علوم میں قیام کیا، بہت سے طلبہ کی موجودگی میں حلقہ بندی کی، ایک پرچی پر کوئی عبارت لکھی گئی پھر وہ عبارت ترتیب وار ایک ایک طالب سے پڑھوائی جاتی، جس نے پڑھ لی ہے اس سے اس عبارت کو اپنے دماغ اور یادداشت کے مطابق لکھنے کا حکم دیا جاتا، وہ عبارت پورے حلقہ میں گھومتی رہی، پیچھے پیچھے ہر طالب علم اپنی یادداشت کے مطابق پہلی عبارت نقل کرتا رہا، اخیر میں تمام عبارتوں کا پہلی عبارت سے ملان کیا گیا، ہر عبارت میں فرق تھا، اس واقعہ کے بعد اساتذہ کی باری تھی انھوں نے طلبہ کو سمجھایا کہ جب چند منٹ پہلے پڑھی گئی عبارت اتنے ذہین وفطین طلبہ من وعن نقل نہیں کر سکے تو پھر دو صدی کے بعد احادیث شریفہ پر کیسے اور کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

اتفاق کی بات تھی کہ حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ، حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ علیل تھے لیکن حسن اتفاق یہ کہ علالت کے باوجود درسگاہ پہنچ گئے، حضرت مولانا کامل پوریؒ ترمذی شریف پڑھاتے تھے بعض طلبہ نے حضرت کی تقریر سن کر اعتراض کیا کہ حضرت! محشی کا تو یہ کہنا ہے؟

حضرت کامل پوریؒ کی عادت تھی کہ معترض اگر اپنا اعتراض مکمل نہ رکھے تو اس اعتراض کا جواب نہ دیا جائے۔

معترض نے پھر عرض کیا کہ آپ نے تقریر اس طرح کی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تو کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ محشی اور آپ کی تقریر میں تعارض ہے؟

حضرت کامل پوریؒ کو جلال آ گیا، جیب سے چابی نکال کر پھینکی اور الماری کی طرف

اشارہ کر کے فرمایا کہ

’’الماری کھولو، قسطلانی، فتح الباری عمدۃ القاری، شامی، درمختار، اور البحر الرائق نکالو‘‘

پھر حضرت کامل پوریؒ نے کتابیں کھول کھول کر اپنی تقریر کے ماخذ نشان زد فرمائے اور اخیر میں فرمایا کہ میرا ماخذ یہ یہ کتابیں ہیں میں کیا جانوں کہ محشی کیا کہہ رہا ہے؟

پھر یہ لوگ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے سبق میں پہنچ گئے، ایک طالب علم نے وہاں بھی سوال کر دیا کہ حضرت! نماز میں کیا کیا اختلاف ہے؟ فرمایا:

"تکبیر تحریمہ سے آخر تک اختلاف ہے، سب سے پہلے فلاں مسئلہ میں اختلاف ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسلک ہے، امام مالکؒ کا یہ مسلک ہے، امام شافعیؒ کا یہ مسلک ہے، امام احمد بن حنبلؒ کا یہ مسلک ہے اور فلاں امام کا ماخذ و مستدل فلاں حدیث ہے، فلاں امام کا مستدل فلاں حدیث ہے‘‘

اسی طرح شروع سے اخیر تک پچانوے اختلافات بتائے اور ہر ایک میں ہر ایک امام کا مسلک اور ماخذ بتاتے چلے گئے۔

یہ لوگ وہاں سے یہ کہتے ہوئے لوٹے کہ

’’اوہو یہ کتابیں تو ہم نے بھی پڑھی ہیں مگر ان سب چیزوں کی ہمیں ہوا بھی نہیں لگی‘‘

(ملفوظات فقیہ الامت جلد دوم)

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا اعتراف

امیر شریعت مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایک مرتبہ جامعہ خیر المدارس میں تشریف فرما تھے، بات چل پڑی حضرت مولانا عبد الرحمن کامل پوریؒ کی تو زور دے کر فرمایا کہ:

’’قیامت کے روز اتنا کہہ دینا اپنے لئے کافی سمجھتا ہوں کہ میں نے حضرت مولانا عبد الرحمن کامل پوریؒ کو دیکھا ہے‘‘

حدیث اور خدمت حدیث یہی تو علمائے مظاہر علوم کی شناخت اور پہچان ہے، یہی تو ان کی کل کائنات ہے، یہی تو ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہے، صبح شام ان کا مشغلہ قال

اللہ وقال الرسول رہا ہے، تحدیث حدیث میں ان کی عمریں ختم اور کتب حدیث کی تالیف وتصنیف میں ان کے کل اوقات ہضم ہوئے ہیں، ان بزرگوں کی پاکیزگی، ان کے علوم کی طہارت، ان کے افکار کی نزہت، ان کے کردار کی شفافیت ان کے مراتب کا علو اور ان کے محاسن کا شمار مجھ جیسے خاکسار کے بس کی بات کہاں، میں تو صرف اتنا ہی کہوں گا اور یہی میری حد اور سرحد ہے کہ علمائے مظاہر علوم کی شان بڑی بلند ہے، ان کی عظمت کو پانا یا ناپنا ہما شما کے بس کی بات نہیں ہے۔

مجدد صاحبؒ کے کشف کو طاق میں رکھ دو

حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ چودھویں صدی ہجری میں اللہ کی ایک آیت تھے، حدیث وسلوک گویا ان پر نہایت تھا، محدث سہارنپوریؒ کے تلمیذ رشید، مجدد تھانویؒ کے لاڈلے، مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ اور محدث کاندھلویؒ کے معتمد تھے، ان کی کتاب زندگی کا جو باب پڑھنا چاہیں جو ورق الٹنا چاہیں جو عکس دیکھنا چاہیں، جو نقش پرکھنا چاہیں جو بلندی ناپنا چاہیں جس سمت اور جس جہت سے چاہیں آئیں اور اپنی نظریں گاڑ دیں، رب ذوالجلال کی قسم! اس ایک ذات میں آپ کو بیک وقت بانئ مظاہر علوم حضرت مولانا سعادت علیؒ کی فقاہت، محدث کبیر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کا علم حدیث، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی ثقاہت، حضرت مولانا حافظ قمر الدینؒ کی للّٰہیت، حضرت مولانا خلیل احمد محدثؒ کا نظم، حضرت مولانا ثابت علی پورقاضویؒ کا علم صرف ونحو، حضرت مولانا عنایت الٰہی سہارنپوریؒ کی سادگی، حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا تبحر، حضرت مولانا عبدالوحید سنبھلیؒ کا تعمق، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ کی حذاقت، حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ کی قناعت اور تقریباً تمام ہی اکابر اساتذہ، علماء وصلحاء کی خوبیوں کا عکس ونقش آپ کے اندر پایا جائے گا۔ خود بھی شریعت کے امام اور طریقت کے پیشوا تھے لیکن حدیث اور خدمت حدیث آپ کی گھٹی میں ایسا بسا اور سمایا ہوا تھا کہ ایک بار جب مجدد الف ثانی حضرت خواجہ احمد سرہندیؒ کے کسی مکاشفہ کا ذکر آگیا تو برجستہ فرمایا:

''مجدد صاحبؒ کے کشف کو آنکھوں سے لگا کر، ہونٹوں سے چوم کر، سر پر رکھ کر، ادب سے اٹھا کر طاق میں رکھ دو اور حدیث شریف پر عمل کرو''

ہر وقت ذکر الٰہی

ایک رات تہجد کے لئے اٹھے، اچانک فالج کا حملہ ہوا، اس وقت بھی آپ کی زبان ذکر اللہ سے تر تھی، مولانا حمید الرحمن کامل پوریؒ کا بیان ہے کہ:

''آپ نہایت ہی کم گو انسان تھے، ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، میں نے کئی مرتبہ مشاہدہ کیا کہ آپ کچھ پڑھ رہے ہیں اس دوران اگر بات کرنے کی نوبت آ گئی تو بات کرنی شروع کر دی لیکن ساتھ ہی اپنی انگشت شہادت سے اسم ذات ''اللہ'' یا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' اشارہ سے لکھنا شروع فرما دیا''۔

مصادر:

- کاروانِ تھانوی از حافظ محمد اکبر شاہ
- آپ بیتی از حضرت شیخ
- حیات محمود از مفتی محمد فاروق میرٹھیؒ
- مضمون: محمد ادریس (برطانیہ)

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ ۱۳۸۵ھ

کفن سلامت بدن سلامت

ترجمان السنۃ کے مصنف، نامور عالم ومحدث حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ (ولادت: ۱۳۱۶ھ۔۱۸۹۸ء وفات: ۱۳۸۵ھ۔۱۹۶۵ء) سے کون صاحب علم واقف نہیں، ان کی ترجمان السنۃ نے علمی حلقوں میں مقبولیت کا ریکارڈ قائم کیا ہوا ہے، مظاہر علوم کے ہونہار طالب علم، فاضل وافضل پھر یہیں کے استاذ کامل واکمل، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے پاس پڑھنے کی چاہت نے دیوبند پہنچادیا، داخلہ لے کر وہاں بھی دورہ حدیث پڑھا، پھر وہیں استاذ ہوگئے، جب علامہ کشمیریؒ ڈابھیل تشریف لے گئے تو یہ بھی ساتھ چلے گئے، پھر دیار نبی ہجرت کر گئے اور جوار نبی میں قیام کرلیا، دنیا سے آخرت کی طرف نقل مکانی اختیار کی، جنت البقیع میں اپنی ماؤں کے قریب دفن ہوئے، انتقال کے ٦/ ماہ بعد سعودی حکومت نے ان کی قبر کو کھودا (ان کا خیال تھا کہ اس عرصے میں وہاں سب ختم ہو چکا ہوگا) لیکن آپ کا جسم اور کفن بالکل تروتازہ دیکھ کر سعودی حکومت نے قبر کو بند کردیا، ٦/ ماہ کے بعد دوبارہ قبر کھودی گئی تو پھر بھی جسم سلامت کفن سلامت، سعودی حکومت نے مزید ٦/ ماہ بعد (دفن ہونے کے ڈیڑھ سال بعد) جب قبر کھودی تو جسم پھر بھی تروتازہ تھا، چنانچہ قبر کو ہمیشہ کیلئے بند کردیا گیا اور وہ نشان لگادیا گیا جن کو بالکل نہیں کھولنا ہے۔

حفاظ کرام کا احترام

عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر کراچی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جب ان کے بیٹے سے پوچھا گیا کہ والد صاحب کا ایسا کیا عمل تھا جوان کو یہ رتبہ ملا تو بولے کہ ویسے تو ان کے بہت سے اعمال تھے لیکن ایک عمل بہت خاص تھا جب ان کو کسی کے بارے میں پتہ چلتا کہ یہ حافظ قرآن ہے تو اس کا اتنا احترام کرتے تھے کہ اپنے پیر بھی اس کی طرف نہیں کرتے تھے، چاہے بچہ ہو یا جوان ہو وہ کہتے تھے اس کے دل میں اللہ کا کلام ہے۔

تمنائے مدینہ

دل و دماغ میں مدت دراز سے مدینہ منورہ کی سکونت کی آرزو مچل رہی تھی اورشوق ہجرت سمایا ہوا تھا چنانچہ ''البدر الساری تعلیقات فیض الباری'' میں انتہائی والہانہ اور رقت آمیز انداز میں اپنی اس دلی خواہش کے برآ ہونے کے بعد آپ لکھتے ہیں:

''رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرف قبولیت کے ساتھ سرفرازی ہوئی اور'' نالہ ہائے سحری'' رنگ لائے اور جوارِ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا نے تصور سے بالاتر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کرلی۔ عبادت و استقامت، ادب وسکون، اور ذکر و فکر کے ساتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری نصیب ہوتی رہی، یہاں تک کہ علالت نے صاحب فراش بنا دیا اور پورے چار سال تک صاحب فراش رہا۔ اس دوران صبر وشکر اور رضاء بالقضاء کی جو منازل طے کیں اور جو نعمتیں نصیب ہوئیں وہ قابل صدر شک ہیں''۔

چنیں قفس نہ سزائے چو من خوش الحان است
روم بہ ''گلشن رضواں'' کہ مرغِ آں چمن ام

حضرت تھانویؒ کے وعظ نے زندگی بدل دی:

حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ بہ یک وقت قابل مدرس، فاضل مقرر، مقبول مصنف، اردو اور عربی کے بہترین ادیب وشاعر، مؤثر اسلوب تقریر وتحریر اور شگفتہ طرزِ اداء کے مالک تھے۔

آپ شہر ''بدایوں'' کے ایک نہایت شریف سید گھرانے میں پیدا ہوئے، والد ماجد حاجی تہور علی محکمہ پولیس میں انسپکٹر تھے۔ الٰہ آباد کے ایک انگریزی سکول میں جب آپ

اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے تو اس دوران حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک وعظ آپ کو نظر نواز ہوا، اس وعظ نے آپ کے دل و دماغ کی چولوں کو ہلا کر رکھ دیا، جس کے سبب آپ نے اسی وقت سکول کو خیر باد کہا اور اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے علوم دینیہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

والد ماجد نے آپ کا داخلہ مدرسہ مظاہر علوم میں کرا دیا، آپ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ثابت علیؒ اور حضرت مولانا حافظ عبداللطیفؒ سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ ۱۳۱۶ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ (ہماری ویب ڈاٹ کام)

❁❁❁

حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ ۱۳۸۸ھ

مہمان ہو تو ایسا

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے برادرزادے تھے، مظاہر علوم کے فارغ وفاضل، صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک خانقاہ تھانہ بھون میں اکابر اہل اللہ کی صحبت وزیارت میسر تھی، ان تمام کی توجہات اور فیوضات سے آپ مالا مال تھے، اسی لئے جب مدرسہ و خانقاہ کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد ہوئیں تو تجربہ، حسن انتظام اور حسن عمل سب کچھ حاصل تھا، ایک بار حضرت مولانا خیر محمدؒ کے دورِ مسعود میں جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں مدعو کیا گیا، آپ کا قیام اپنے خلیفہ حضرت صوفی بشیر احمد کے دولت کدہ پر تجویز فرمایا۔

حضرت مولانا شبیر علیؒ (متوفی ۱۳۸۸ھ م ۱۹۶۸ء) کے حسن تدبیر، حسن اخلاق، حسن کردار اور حسن انتظام سے خود میزبان محترم حضرت صوفی جی کس قدر متاثر ہوئے، لیجئے خود میزبان کی زبانی آپ بھی سن لیجئے:

”میں حضرت مولانا شبیر علیؒ کو لے کر گھر آیا تو آتے ہی حضرت نے فرمایا: مجھے جلسہ میں شرکت کرنی ہے، آپ کو بھی جانا ہوگا، اس لئے آپ کھانا بنوا کر نشست گاہ میں موجود چھنکہ میں رکھ دیا کریں، ساتھ ہی ایک گھڑا پانی کا رکھ دیں، نشست گاہ کی چابی مجھے دیدیں، میں جب آیا کروں گا کھانا کھالیا کروں گا“

صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ:

”وہ چند دن ہمارے یہاں ٹھہرے لیکن ایسی سہولت و راحت کے ساتھ کہ ہمیں احساس تک نہ ہوا کہ کوئی مہمان ہمارے یہاں ٹھہرا ہے“

حضرت مولانا منظور احمد سہارنپوریؒ ۱۳۸۸ھ

بیر کھانے کا واقعہ

نظمائے مظاہر علوم میں سب سے منفرد، مدرسہ کے معاملات میں نہایت صاف وشفاف، اصولوں پر سختی کے ساتھ عمل پیرا، نظامت بھی اس شان کے ساتھ فرمائی کہ زاہدین ومتقین اور پارسا حضرات بھی انگشت بدنداں رہ گئے، مجال ہے ان کی نظامت میں کسی قسم کی غفلت، ڈھیل یا تساہل دیکھا گیا ہو، ہر مدرس ہر ملازم، عملہ کا ہر فرد یہ سمجھتا تھا کہ میں ناظم صاحب کی نظر میں ہوں، اساتذہ وقت پر درس گاہ میں، ملازمین مستعدی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں میں مصروف رہتے تھے، مدرسہ کے کلی اور جزئی امور پر ان کی نظر تھی، جس سے ملاقات ہوگئی گرویدہ ہوگیا، مطبخ میں کھانا تقسیم ہونے کے بعد اگر کچھ سالن بچ جاتا تو اس کو ایک بڑے برتن میں رکھ کر ایک خاص جگہ پر رکھوادیتے، تاکہ غیر امدادی طلبہ بقدرِ ضرورت دال یا سالن مفت میں لے سکیں، اور خود اپنی جیب سے پابندی کے ساتھ اس سالن کے پیسے مدرسہ میں داخل کرتے، اور فرماتے کہ: میں متولی ہوں اور کسی کی تولیت میں مالِ وقف کی اضاعت لائقِ مواخذہ ہے، جوابدہی مجھے کرنی پڑے گی۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ آپ سے بہت محبت وتعلق رکھتے تھے، اس دور میں حضرت تھانوی مظاہر علوم میں بکثرت تشریف لایا کرتے تھے، اسی دور میں حضرت تھانوی مدرسہ کے سرپرستوں شامل کئے گئے، ایک طرف خود حضرت تھانوی اصول پسند، ضابطہ

سے سرِمو انحراف کو گوارہ نہ فرماتے تھے، تو دوسری طرف ناظم مدرسہ حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضوی ان سے بھی سخت اور ضوابط پر عمل کرنے والے، سچ پوچھو تو آپ کا عہد عہد زرّیں تھا، ہر مدرس صاحب نسبت اور ملازم نیک وصالح۔

حضرت مولانا منظور احمد خانؒ ''مسلم شریف'' کے عالی وگرامی استاذ تھے، طلبہ میں ان کی ایک عظمت اور رعب تھا، علماء ان کی صحبت کے مشتاق رہتے تھے، حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوری علیہ الرحمہ فراہمی سرمایہ کے لئے ایک جگہ تشریف لے گئے، مولانا کو جب کھانا کھانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو دیکھا کہ ایک جگہ بیر فروخت ہو رہے ہیں، مولانا نے سوچا کہ دس پیسے کھانے میں لگتے ہیں، کیوں نہ کھانے کی جگہ دس پیسے کے بیر ہی کھالوں، اور بیر کھالئے، اپنی یادداشت میں بھی صاف لکھ دیا کہ یہ بیر کھانے کی جگہ کھائے گئے ہیں، جب مدرسہ واپسی ہوئی، حساب پیش ہوا، حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ کی باریک بین نظریں بیر پر اٹک کر رہ گئیں، اور پھر ایک نوٹ لکھا کہ:

''مدرسہ کھانے کے پیسے دیتا ہے بیر کے نہیں، اس لئے یہ پیسے مدرسہ سے نہیں دئے جائیں گے''

مدرسہ مظاہر علوم میں ہر امر میں اس کے نتائج اور عواقب پر نظر رہتی تھی، مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ کے پیش نظر یہ تھا کہ: آج اگر ان کے ساتھ رعایت کی گئی تو کل کسی اور کے ساتھ رعایت کرنی پڑے گی، نظیر بن جائے گی، پھر یہ سلسلہ چل نکلے گا۔

حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ کا انتقال ۲۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹/اگست ۱۹۶۸ء دوشنبہ کو ہوا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حاجی شاہ کمال میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت علامہ مولانا صدیق احمد کشمیریؒ ۱۳۸۹ھ

سادگی اور عسرت

حضرت علامہ مولانا سید صدیق احمد کشمیریؒ (متوفی ۱۸ رشوال ۱۳۸۹ھ) مظاہر علوم کے عظیم استاذ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ کے معاصر، معقولات کے امام اور حق گوئی میں مقام امتیاز پر فائز تھے، ان کے عہد میں مظاہر علوم میں تعلیم و تربیت کا معیار قابل رشک اور تنخواہوں کا معیار لائق اشک، مہتمم سے اساتذہ تک سبھی پریشانی اور عسرت کے ساتھ بسر اوقات کرتے تھے لیکن مجال ہے کسی کی زبان پر حرف شکایت آئے، صبر و شکر کے ساتھ جو مل گیا اس پر شکر ادا کیا جو نہیں ملا اس پر صبر کیا، شکر کی صورت میں بھی اور صبر کی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے مستحق ٹھہرے، بعض بڑے اساتذہ نے تو اپنی اولاد کو وصیت تک کر رکھی تھی کہ کبھی اضافہ تنخواہ کی درخواست اور کتاب کا مطالبہ مت کرنا، بایں عسرت و تنگدستی ان حضرات کے یہاں اکثر و بیشتر مہمان آجاتے تو ان کی ضیافت اور خاطر تواضع کی ہر ممکن کوشش کرتے، ضرورت مند آجاتے تو ان کی مدد کرتے، ''کوتاہی ملازمت'' کے نام سے باقاعدگی سے کچھ رقم مدرسہ کو واپس کرتے، اپنی خانگی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے اور اکثریت کے ساتھ ایسا ہوتا کہ تنخواہ مہینہ کے وسط تک پہنچتے پہنچتے ختم ہو جاتی تو قرض حسنہ سے کام چلاتے، مدرسہ میں شروع ہی سے یہ ضابطہ ہے جو اب بھی ہے کہ پیشگی کسی کو تنخواہ نہیں دی جاتی صرف خاکروب و طباخ مستثنیٰ ہیں، بہت سے اساتذہ ایسے تھے

جنھوں نے قیمتاً مدرسہ سے کھانا جاری کرار کھا تھا، حضرت مولانا سید صدیق احمد کشمیریؒ کا کھانا بھی قیمتاً جاری تھا ان کے بارے میں ایک سے زائد اساتذہ نے بتایا کہ جس دن اُن کے یہاں کوئی مہمان آجاتا تو کوئی خادم برتن لے کر مطبخ پہنچتا، طلبہ سمجھ جاتے کہ آج حضرت کے یہاں کسی مہمان کا ورودِ مسعود ہوا ہے اور طلبہ اپنی خوراک سے زائد روٹی اور سالن خادم کے حوالہ کر دیتے، ناشتہ کا تصور اس وقت تک یا تو اتنا عام نہیں ہوا تھا یا قلت تنخواہ ناشتہ سے مانع رہی، حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کی سوانح حیات اور ملفوظات میں بکثرت ایسے واقعات اور اسلاف کے حالات ملتے ہیں جن کو پڑھ کر آنکھیں نمناک اور قلوب غمناک ہو جاتے ہیں۔

فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی سعید پالن پوری مظاہر علوم میں دوران تعلیم سب سے زیادہ جس شخصیت سے متاثر ہوئے اور سب سے زیادہ جن کا انداز تدریس بھایا اور بعد میں مفتی صاحب نے بھی اسی اسلوب وادا کو اپنایا، اس ہستی کا نام نامی حضرت مولانا علامہ سید صدیق احمد کشمیریؒ ہے۔

حق گوئی

حق بات کہنے میں اچھے اچھے دل گردے والے بھی مصلحتوں کا لبادہ اوڑھ کر خموش رہنے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں لیکن حضرت علامہ صاحب اس صفت میں بھی ممتاز تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ کے رفیق درس بھی تھے، چاہے شیخ صاحب ہوں یا ناظم صاحب جو بات کہنے کی ہوتی سامنے ہی کہتے، پیٹھ پیچھے کہنے کو ہمیشہ معیوب اور گناہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت علامہ صاحب کسی خاص کیف ومستی اور جذب وسرمستی میں دار قدیم میں حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کے حجرہ کے سامنے سے گزر رہے تھے، حضرت ناظم صاحب کو کسی کام سے علامہ صاحب سے ملنا تھا، اچانک گزرتے ہوئے دیکھا تو ایک طالب علم سے فرمایا کہ علامہ صاحب کو روک لو مجھے ملنا ہے، طالب علم بھاگا، پیچھے پیچھے حضرت ناظم صاحب بھی لپکے، طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت ناظم صاحب یاد فرما رہے ہیں، علامہ صاحب اسی عالم

جذب میں پلٹے اور فرمایا:

''بڑے آئے حضرت ناظم صاحب، ترکی ٹوپی، کالر والی قمیص پہنے، سائیکل پر بیٹھا ناول (ادبی کتابیں) پڑھتا گھومتا پھرتا تھا اب مصلیٰ تسبیح ہاتھ میں لئے پھرتا ہے''

ناظم نے یہ تمام باتیں خود سنیں، آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا:

''حضرت! آپ نے بالکل سچ فرمایا یہ ناکارہ اب بھی وہی ہے'' (حیات اسعد)

اسی طرح مدرسہ کے تعلق سے کسی اہم مشورہ کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ دفتر یا گھر میں اساتذہ کو بلواتے تو علامہ بھی حاضر ہوتے، فرداً فرداً ہر ایک کی رائے لی جاتی، علامہ صاحب سے پوچھتے جی آپ کی کیا رائے ہے؟ علامہ صاحب فرماتے:

''اجی پوچھ کے کیا ہووے ہے تکیہ کے نیچے جو پہلے سے لکھ رکھا ہے وہ نکالو''

طالب علمی کے دور میں مجاہدہ

آپ اپنے طالب علمی کے زمانے میں مطبخ سے صرف روٹی لیتے تھے، سالن نہیں لیتے تھے، روٹی جیب میں رکھ لیتے، جب موقع ہوتا کھالیتے اور فرماتے روٹی سالن کے ساتھ کھانے میں مطالعہ کا نقصان ہوتا ہے۔

نحوی قاعدے سے ثابت کیا کہ نماز ہو گئی

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

''عموماً مسجد بہادران میں نماز ادا فرماتے تھے، ایک بار امام نے نماز فجر میں آیت کریمہ: اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ؕ۝۱۰ تلاوت کی لیکن آیت میں ''یتوبوا'' چھوٹ گیا، حضرت علامہ صاحب بھی نماز میں شریک تھے لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ نماز ہو گئی یا نہیں؟''

آپ ٹھہرے نحوی عالم، نحوی مذاق کے اعتبار سے فرمایا:

"لم اور لما میں یہ فرق ہے کہ لما کے بعد فعل کا حذف درست ہے اور لم کے بعد درست نہیں، پھر فرمایا: اوہو، سہورے کافروں کا ذکر ہے وہ تو توبہ کریں یا نہ کریں ان کے

لئے تو عذاب حریق ہے ہی، چلو نماز ہو گئی" (ملفوظات فقیہ الامت)

نماز مغرب کی امامت اور سورہ کافرون

آپ خود مزے لے کر اپنے قصے سناتے تھے، ایک دفعہ فرمایا:

"ایک بار لوگوں نے مجھے امام بنادیا، مغرب کی نماز تھی، میں نے سورۂ کافرون پڑھنا شروع کی تو وہ ختم ہونے ہی کو نہ آتی تھی، میں لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ کے چکر کاٹنے لگا، ایک چکر ختم ہوتا دوسرا چکر شروع ہو جاتا، اسی طرح جب کئی چکر ہو گئے تو میں نے لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِ ۝۶ پڑھ کر سوچا کہ اب تو سورۃ ختم ہو ہی گئی ہو گی اور رکوع کر دیا" (یادوں کے چراغ)

آخری تمنا آخری دن

انتقال سے صرف ایک دن پہلے حضرت ناظم صاحب رحمہ اللہ کے نام درخواست لکھی جس کا مضمون یہ تھا:

"اِس سال شرح جامی نہیں پڑھا سکوں گا، اس لئے شرح جامی کا سبق مولانا محمد یامین مدرس مظاہر علوم کے سپرد کر دیا جائے"۔ (ملفوظات فقیہ الامت)

حسب منشاء و درخواست دوسرے دن صبح کو یہ سبق حضرت مولانا علامہ محمد یامینؒ کے سپرد کر دیا گیا، اسی دن شام کو عصر کے بعد آپ نے دار فانی سے کوچ فرمایا۔

حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، گورستان حاجی شاہ کمالؒ میں تدفین عمل میں آئی، شہر سہارنپور اور اس کے مضافات کے علاوہ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا فخر الحسنؒ، حضرت مولانا مفتی محمود حسنؒ، حضرت مولانا شریف الحسنؒ اور حضرت مولانا نصیر احمد خاںؒ وغیرہ اکابر نے شرکت فرمائی۔

یہ فقیر نہیں ہم سب کے استاذ ہیں

دابکی زناردار نامی ایک گاؤں میں ہر سال مدرسہ کے تمام طلبہ وعملہ کی "دعوت کھیر" کا قدیم معمول ہے، دعوت والے دن سے پہلے والی رات میں جلسہ کا بھی معمول

ہے،ایک دفعہ حضرت مولانا سید صدیق احمد کشمیریؒ بھی تشریف لے گئے ،آپ کی سادگی، وضع کی پابندی، وہی چادر و کرتا اور معمولی تہ بند میں ملبوس، منتظمین آپ کی شخصیت سے بالکل ناواقف تھے، کسی نے مولانا کی حالت اور ہیئت کو دیکھ کر کہا کہ ارے یہ فقیر کہاں سے آ گیا؟ لیکن آپ پھر بھی خاموش رہے کیونکہ اب تو جواب وہاں موجود علماء اور طلبہ کو دینا تھا جو سب آپ کے شاگرد تھے، سبھی بیک زبان بولے کہ ''یہ فقیر نہیں ہم سب کے استاذ اور بڑے درجے عالم ہیں'' تب منتظمین نے حضرت مولانا سے معافی مانگی۔

برداشت اور تحمل

رمضان المبارک کا واقعہ ہے، مسجد بہادران کے مستقل امام صاحب اس دن نہیں تھے، کسی اور نے تراویح پڑھائی، وتر کے لئے حضرت علامہ صاحبؒ نے ایک طالب علم کو آگے کر دیا، اُس طالب علم نے لمبی قراءت کی، پہلی رکعت میں سورۂ نباء، دوسری میں سورۂ نازعات اور تیسری میں سورۂ عبس کی تلاوت کی، موسم پہلے سے ہی ابر آلود تھا، اتفاق سے علامہ صاحب مسجد میں سائبان کے نیچے ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں پانی جمع ہو کر نیچے گرتا تھا، زوردار بارش شروع ہو گئی مگر امام کے تعدیل ارکان میں کوئی فرق نہیں آیا، وہی سکون وہی وقار، وہی قراءت اور وہی رفتار، مولانا پورے طور پر تربتر ہو چکے تھے، سلام کے بعد لوگوں نے امام پر اپنا غصہ اتارنا شروع کیا، جس کے منہ میں جو آیا نصیحت اور فضیحت کی لیکن مولانا نے بے انتہا ضبط و تحمل فرمایا اور طالب علم سے بڑی نرمی سے پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو؟ اس نے کسی اونچی جماعت کا نام لیا تو مولانا نے فرمایا کہ

''پھر تو نے یہ کیسی جہالت کا ثبوت دیا، وتر میں اتنی لمبی سورتیں تلاوت کیں''

اس کے بعد مولانا بڑی دیر تک شفقت کے ساتھ امام کے فرائض، مقتدیوں کی رعایت اور بہت سی کام کی باتیں اس طالب علم کو بتاتے اور سمجھاتے رہے۔

(مضمون ظہیر الاسلام اسعدی۔ اخبار بیباک سہارنپور)

حضرت مولانا سید ظہور الحق دیوبندیؒ ۱۳۸۹ھ

نمک نہیں چکھا

حضرت مولانا سید ظہور الحق (۱۳۸۹ھ) دیوبند کے رہنے والے، دارالعلوم کے نامور فاضل اور مظاہر کے مقبول ترین استاذ حدیث تھے، آپ ہی نے حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کا امتحان داخلہ لیا تھا اور فارم داخلہ میں نام کے ساتھ سید لکھا دیکھا تو فرمایا تھا کہ

''سید پڑھے اچھا ورنہ مرے اچھا'' اور قاری صاحب نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا تھا کہ حضرت! محنت سے پڑھنے کا وعدہ ہے آپ دعا فرمائیں۔

مولانا سید ظہور الحق دیوبندیؒ کے والد ماجد حضرت حاجی سید فضل حق حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے مسترشدین میں سے ہیں، دارالعلوم کے مالی وانتظامی امور میں آپ نے بہترین خدمات انجام دی ہیں، ایک عرصہ تک آپ سرکاری عہدے پر سہارنپور میں بھی مقیم رہے، حضرت مولانا سید ظہور الحقؒ ان ہی کے صاحب زادے اور ان ہی کے تربیت یافتہ تھے، دارالعلوم سے فراغت کے بعد مظاہر علوم میں تدریسی خدمات انجام دینی شروع کیں، اس زمانے میں مظاہر علوم میں ایک عام رواج تھا کہ استاذ کو تدریس کے ساتھ کسی نہ کسی انتظامی شعبہ سے مربوط رکھتے تھے چنانچہ مطبخ کی ذمہ داریاں بھی آپ ہی انجام دیتے تھے اور اسی وجہ سے مدت تک مطبخ میں ہی رہائش رہی، آپ کے تقویٰ اور تدین کے بے شمار واقعات یہاں سینہ بسینہ ہنوز چلے آرہے ہیں، مدت تک مطبخ کے ناظم

دنگراں رہے لیکن کبھی بھی نمک تک نہیں چکھا، جب بھی نمک چکھنے کی نوبت آتی تو کسی مستحق طالب علم کو بلاتے اور پہلے پوچھتے کہ سید تو نہیں ہو؟ اگر سید ہوتا تو واپس کر دیتے اور سید نہ ہوتا تو نمک چکھواتے، بالکل سادہ کپڑے پہنتے تھے، اصول فقہ پر گہری نظر تھی، طلبہ آپ کے درس میں اور مجلس میں دلچسپی اور شوق سے حاضر رہتے تھے۔

فاقہ کی وجہ سے قدم لڑکھڑا گئے

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جون پوریؒ بکثرت اپنی مجالس میں حضرت مولانا سید ظہور الحق دیوبندیؒ کا ذکر خیر فرماتے تھے، بارہا ان کے واقعات سناتے تھے چنانچہ ایک دفعہ فرمایا کہ:

''ہمارے کئی کئی اساتذہ کے یہاں فاقہ ہوتا تھا، بعض اساتذہ تو دس دن تک نہیں کھاتے تھے، ایک استاذ تھے حضرت مولانا ظہور الحقؒ، فاقہ کا تیسرا دن تھا، سادات میں سے تھے، کہیں جارہے تھے کپڑے بھی بڑے عمدہ پہنے ہوئے تھے، بھوک کی شدت کے باعث پیر لڑکھڑا گئے، کسی نے دیکھ لیا اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ پھر بھی غیرت اور خودداری کی دولت کو دل و جان سے لگائے رہے اور کچھ بھی نہیں بتایا۔

(ملفوظ شیخ محمد یونسؒ)

حضرت مولانا اکرام الحسن کاندھلویؒ ۱۳۹۱ھ

چار آنے

کاندھلہ میں پیدا ہوئے، مظاہر علوم سے فارغ ہوئے، وکالت کا کورس بھی کیا، وطن میں ہی وکالت شروع کی، وکالت شروع کرتے ہی ایک ایسی زمین اور ایسے آسمان کا مشاہدہ ہوا، جہاں سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنا تھا، جہاں ایمان کی نہیں مؤکل کی حمایت کرنی تھی، جہاں ضمیر کو کچلنا اور حق کو دبانا تھا، جہاں نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شیطان ملعون کی فرمانبرداری کرنی تھی، بھلا دینی گھرانے کا پروردہ، روحانی ونورانی ماحول کا پرداختہ، جس کی پرورش قرآن اور حدیث کے ماحول میں ہوئی ہو کیونکر دنیاداری میں لگ سکے، کیسے لگ سکے، جن خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہو، جن نیک طینت ہستیوں کی جوتیوں میں دولت اور خزانہ ہو، جن کے چشمِ اَبرو سے دلوں کی کایا پلٹے، جن کے گھر میں روح وریحان کی جلوہ گری ہو بھلا وہاں شیطان کی کیا چلے؟ آپ نے وکالت کے پیشے اور شعبے کو لات ماردی۔

شوال ۱۳۶۰ھ میں مظاہر علوم کے سرپرستوں میں شامل کئے گئے۔ سرپرستی کرتے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ مظاہر علوم کے شعبہ مالیات میں اس وقت کے مہتمم مالیات نے ایسے فنکارانہ طریقے پر خرد برد کیا کہ ذمہ داران حیران اور اراکین پریشان ہوگئے، تحقیق حال اور تفتیش مال کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد اکرام الحسن کاندھلویؒ کے سپرد کی گئی، کیونکہ آپ کو دینی علوم کے ساتھ عصری علوم میں بھی مہارت تھی، ریاضی اور حساب میں طاق تھے، شوریٰ کے مشورہ پر آپ نے خزانچی کے ذریعہ خرد برد کو تلاش کرنا شروع کیا وقت بڑھتا رہا

مدت کار بڑھتی رہی تا آنکہ گڑبڑی پکڑلی، حساب وکتاب کی چھان بین کا نتیجہ جب ارباب مدرسہ کے سامنے رکھا تو ارباب حل وعقد نے دانتوں تلے انگلیاں دبالیں کیونکہ معاملہ دس پانچ ہزار کا نہیں اُس زمانے میں تقریباً سترہ ہزار روپے کا تھا، تفتیش کے اس کام میں آپ کے معاون اور شریک کار حضرت حافظ عبدالعزیز گمتھلویؒ تھے، ارباب مدرسہ نے آپ کی شاندار کامیابی پر اظہار تشکر کے ساتھ فیصلہ کیا کہ آپ کو مالیات کا ذمہ دار بھی بنادیا جائے کیونکہ ایسے ماہرین فن، دیانت دار اور رازدار بہت مشکل سے ملتے ہیں، مولانا نے مالیات کی خدمت بڑے تیقظ، بیدار مغزی، ہونہاری اور حاضر ذہنی کے ساتھ کی، پائی پائی کا حساب صاف اور بیباق رہا، تیس سال کے عرصے میں صرف ایک واقعہ ہوا جو لائق نوشتن ہے۔

ہوا یہ کہ آپ سہارنپور میں قیام کے دوران کھانا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کے یہاں کھاتے تھے، شیخ صاحب کا دسترخوان الگ لگتا، درمیان والے حصہ میں آپ کا دسترخوان بچھتا تھا، ایک دن مدرسہ کا وقت ختم ہوگیا مگر آپ گھر نہیں پہنچے، جب ظہر کی اذان ہوگئی تب گھر پہنچے، بہن نے پوچھا کہ اتنی دیر کہاں تھے؟

فرمایا کہ مدرسہ کے چار آنے کھو گئے تھے اسی کی تلاش میں اتنا وقت لگا، جب مل گئے تب سکون ملا، بہن نے کہا کہ چار آنے کے لئے اتنا پریشان ہوئے؟ اپنی جیب سے پورے کردیتے!

فرمایا: بات چار آنے کی نہیں ہے بات یہ ہے کہ میں نے سوچا کہ مدرسہ کے پیسے گئے تو کہاں گئے جب مل گئے تب ان کا رجسٹر میں اندراج کیا اور چار آنے خزانے میں رکھے۔ شادؔ تخلص رکھتے تھے، منظوم کلام بھی کاپی میں لکھا ہوا تھا لیکن انتقال کے بعد کاپی نہیں مل سکی۔

سجدے میں انتقال

مدرسے کے دفتر کی مسجد سے متصل سہ دری والے حجرہ میں قیام رکھتے تھے، تیس سال تک یہاں قیام فرمایا، نماز سے پہلے کی سنتیں اپنے اسی حجرہ کے سامنے والے حصہ میں ادا کرتے تھے، ۲۱/شعبان ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۳/اکتوبر ۱۹۷۱ء کو حسب معمول ظہر سے پہلے کی سنتیں پڑھ رہے تھے، پہلی رکعت کا پہلا سجدہ تو کرلیا لیکن دوسرے سجدہ میں جا کر سر نہیں

اٹھایا، بھائی عبداللہ بن اللہ بندہ مرحوم کاندھلوی مؤذن نے جب دیکھا کہ سجدہ میں گئے کچھ زیادہ دیر ہوچکی ہے، قریب گئے آواز دی، ہلایا تو ایک طرف کو جھکتے چلے گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے صاحب زادے مولانا انعام الحسنؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، حاجی شاہ کمال الدین نامی قبرستان میں محوخواب ہوئے۔

(مستفاد: احوال و آثار کاندھلہ۔ آئینہ مظاہر علوم سہارنپور۔ علمائے مظاہر علوم۔ سوانح حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی)

❁❁❁

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ۱۳۹۴ھ

پُر مشقت طالب علمانہ زندگی

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (م رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸ رجولائی ۱۹۷۴ء) فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں ہم مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھتے تھے اس وقت وہاں مطبخ نہ تھا، طلبہ خود اپنے کھانے کا بندوبست کرتے تھے ہماری کوشش یہ ہوتی کہ کھانا کھانے یا پکانے کی وجہ سے کوئی سبق ناغہ نہ ہو اس لئے ہم اکثر یہ کرتے کہ اگر کوئی گھنٹہ خالی ہوتا یا کوئی سبق گھنٹہ ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے ختم ہوجاتا تو جلدی سے کمرے میں آکر انگیٹھی پر کھچڑی چڑھا کر دوسرے سبق میں چلے جاتے، جب سبق ختم ہوتا تو پھر کمرے میں آتے، کھچڑی کو انگیٹھی پر سے اتارتے اور جیسی بھی ہوتی کھالیتے، کبھی کچی ہوتی کبھی جل جاتی اور کبھی بہت زیادہ پچ پچی ہوجاتی، بہر حال جیسی کیسی ہوتی کھالیتے مگر سبق ضائع نہ کرتے۔

حضرت مولانا خلیل احمدؒ، حضرت مولانا عبد اللطیف پورقاضویؒ اور حضرت مولانا ثابت علی پورقاضویؒ جیسے اعیان علم وتقدس سے اکتساب علم وفیض کے بعد مظاہر علوم سے فارغ ہوئے تو دارالعلوم پہنچ گئے وہاں حضرت العلام محمد انور شاہؒ اور دیگر بہت سی مقتدر ہستیوں اور علم وفضل کے جہاں دیدہ وجہابذہ اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، پھر امینیہ دہلی میں ایک سال، مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں نو سال اور حیدر آباد میں تعلیم وتعلم کا فیض بیکراں جاری فرمایا پھر جب افق عالم پر مملکت خداداد نمودار ہوا تو لاہور تشریف لے گئے اور تاحیات علوم واعمال، فضل وکمال، درس وتدریس، وعظ وتقریر ذکر وفکر اور تنظیم اسلامی میں سرگرم عمل رہے۔

میں اپنے گھر میں کرسی ورسی نہیں آنے دیتا

اس ملک میں علم نوازی اور علماء نوازی مشہور ہے، حضرت کی مقبولیت ومحبوبیت اس

درجہ کی تھی کہ اگر آپ چاہتے تو پرشکوہ مکان اور شاندار معیار زندگی ہوتا لیکن آپ نے تو ٹھان رکھا تھا کہ مجھے اپنے استاذ حضرت مولانا خلیل احمدؒ جیسا بننا ہے جو حدیث کے دُرِّ شہوار تھے لیکن زندگی کا اکثر حصہ جس شہر میں گزارا وہاں ان کا مکان نہیں تھا، استاذ محترم مولانا عبداللطیفؒ جس شہر میں پڑھ کر پڑھا کر اور ادارہ کی نظامت کے بعد یہیں آسودہ خواب ہیں مگر ان کا مکان اس شہر میں نہیں بنا، تیسرے استاذ مولانا ثابت علیؒ اسی ادارہ میں ہمیشہ پڑھاتے رہے لیکن مکان ندارد تھا، اساتذہ کی عملی زندگی کو آپ نے اتنا پڑھا اتنا پڑھا کہ کیا دہلی کیا دیوبند کیا حیدر آباد کہیں ذاتی مکان نہیں رہا، اس سادگی، زہد، قناعت، توکل اور رضا بالقضا کی صفت میں روز افزوں اضافہ ہی ہوا، مملکت خداداد میں بھی آپ کی رہائش سادہ، معیاری چیزوں سے بالکل خالی اور ٹیپ ٹاپ سے یکسر عاری، چنانچہ وزیر بننے کے بعد مولانا کوثر نیازی ملاقات کرنے آئے، وہ سوچ رہے تھے کہ اتنا بڑا عالم، خطیب، مقرر، مصنف اور محدث الگ ہی شان ہوگی، شاندار فرش وقالین ہوگا، عمدہ صوفہ وکرسیاں ہوں گی، بہترین رہائش اور اس میں اچھی زیبائش ہوگی یہی سب سوچ کر جب مولانا کے گھر پہنچے تو نہ فرش نہ عرش، نہ افرنگی زیبائش، نہ ایرانی قالین نہ کرسیاں بس: ع

ہم فقیروں کی یہی ہے کائنات
بوریا حاضر ہے شاہوں کے لئے

مولانا کوثر نیازی ماشاءاللہ ذہین وفطین، تفنن طبع کے طور پر کہنے لگے:

"حضرت! میں تو سمجھا تھا کہ لوگوں نے بہت ترقی کرلی ہے، علماء بھی کافی ایڈوانس ہوگئے ہیں، آپ کے یہاں بھی کرسیاں آگئی ہوں گی؟"

مولانا نے فرمایا:

"نہیں بھئی مولوی صاحب! میرا تو وہی درویشی دھندا ہے میں کوئی کرسی ورسی اپنے گھر میں نہیں آنے دیتا"

ہم فقیر آدمی ہیں

جنرل ہو یا کرنل، کیپٹن ہو یا میجر، وزیر ہو یا ایم ایل اے، ایم پی ہو یا بیرسٹر کوئی بھی

ہو دنیاوی وجاہتیں، عہدے، مناصب، کروفر، لاؤ لشکر، کسی بھی چیز سے متاثر نہیں ہوتے تھے اور سب کو اسی فرش پر بٹھاتے جس پر خود بیٹھے ہوتے تھے، چنانچہ ایک بڑے عہدیدار سے فرمایا: کہ

''بھئی! ہم فقیر آدمی ہیں آپ آئے ہیں تو اسی فرش پر بیٹھنا پڑے گا''

آپ کا حجرہ بیک وقت خانقاہ بھی تھا، دار المطالعہ بھی، دار الضیافہ بھی تھا مہمان خانہ بھی، دار التصنیف بھی تھا اور آرام گاہ بھی، تصنیف وتالیف کے لئے ماخذ ومراجع والی کتابیں نشان لگا لگا کر الگ الگ کھول کر رکھتے تھے، گھر والے صفائی کرنا چاہتے تو منع کر دیتے کیونکہ آپ اپنے ذہن میں ترتیب مرتب کر لیتے تھے کہ کون سا مضمون کس کتاب سے، کس ترتیب سے کتنا اور کب لینا ہے۔

نماز میں تلاوتِ قرآن کریم

نمازیں تو ماشاء اللہ مسلمان پڑھتے ہی ہیں، تلاوت قرآن کے بغیر نماز ناقص ونامکمل ہوتی ہے، بعض حضرات نماز میں اتنی عمدہ تلاوت کرتے ہیں کہ قیام کو لمبا کرنے کی چاہت پیدا ہو جاتی ہے، نماز کا لطف بڑھ جاتا ہے، خشوع وخضوع میں اضافہ ہو جاتا ہے، گوش ہمہ تن گوش، سینہ خالی از کینہ، قلب پر سکون، ذہن مطمئن اور روح مسرور وسرشار ہو جاتی ہے، حضرت مولانا محمد ادریسؒ مفسر قرآن تھے، بچپن سے ہی شیخ التفسیر تھے، کتابوں کے رسیا، مطالعہ کے شوقین، کتابوں کے عاشق، تلاوت قرآن کے عادی لیکن آپ جب نماز میں ہوتے اور بالخصوص امامت کے فرائض انجام دے رہے ہوتے تو عجیب وغریب فعل صادر ہوتا، ہوتا یہ کہ آپ جس قرآنی قصے کو پڑھنا شروع کرتے تو جہاں جہاں متعلقہ مضمون ہے وہاں پہنچ جاتے، قصہ اگر دس پانچ جگہوں پر پھیلا ہوا ہے تو آپ چن چن کر بلا توقف بلا تصنع، بلا غور وفکر روانی کے ساتھ پڑھتے اور قصے کی کرچیاں بے تکلف ملاتے چلے جاتے تھے، یہ عبور بہت کم کسی کو حاصل ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم کے تمام جلی وخفی عناوین ومضامین جن کے سینہ وسفینہ میں ودیعت کردئے گئے ہوں ان کے لئے کیا مسئلہ کیا رکاوٹ، سچ پوچھو تو قرآن اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ آپ کے دماغ ودل اور سینہ و

سفینہ میں موجود و محفوظ ہو چکا تھا۔

خطیب، خطابت اور مخاطب

آپ کی خطابت سننے کے لئے دور دور سے لوگ نیلا گنبد آتے تھے، لاہور پڑھا لکھا شہر، نیلا گنبد کے اطراف و مضافات میں مدارس، کالجز، جامعات، یونیورسٹیز وغیرہ ہیں جہاں کے اساتذہ، پروفیسران، ڈاکٹرس، طلبہ وغیرہ کی بڑی تعداد مسجد میں موجود ہوتی تھی اس لئے آپ ان حضرات کے معیار، مزاج اور مرتبہ کے مطابق باقاعدہ مضمون اور موضوع کا تعین فرما کر تقریر کرتے تھے، عام مقررین اپنے سامعین کو محض سامعین ہی سمجھتے ہیں لیکن مولانا کا معاملہ بڑا عجیب تھا چنانچہ ایک جگہ تقریر کے بعد فرمایا:

''دوران تقریر میری نظر جب سامعین پر پڑ رہی تھی تو میں شرمندگی محسوس کر رہا تھا، جو لوگ میری تقریر سن رہے تھے وہ اگرچہ صاحب علم وفضل نہ تھے مگر ان کے چہروں سے تقویٰ اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے اور میں ان کے سامنے کچھ کہتا ہوا شرمندگی اور ندامت محسوس کر رہا تھا''

اسی طرح کسی کو حقیر اور لکیر کا فقیر سمجھنے کی عام طور پر عادت بن چکی ہے لیکن حضرت علیہ الرحمہ کا معاملہ یہاں بھی برعکس نظر آیا، فرماتے ہیں:

''بعض لوگ کوٹ پتلون میں آتے ہیں دیکھنے میں بالکل صاحب لگتے ہیں مگر جب بات کرتے ہیں تو ان کے ایک ایک جملے اور ایک ایک حرکت سے نیکی اور تقویٰ ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے''

بہر حال حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اعتراف حقیقت میں بھی بڑے درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، تقریریں تو بہت لوگ کرتے ہیں بعض تو بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنے نفس کو خوش کرنے کا سامان بھی کر لیتے ہیں لیکن آپ نے کئی دہائیوں تک نیلا گنبد لاہور میں پابندی کے ساتھ خطابت فرمائی، طلب صادق پر نیلا گنبد کے علاوہ بھی جاتے اور پیغام شریعت سناتے اور بتاتے لیکن سامعین و ناظرین کی خوبیوں کا ذکر کرتے میں نے کسی کو نہیں سنا۔

(تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

حضرت مولانا عبدالمجید مہیسرویؒ ۱۳۹۶ھ

یتیمی کا داغ

حضرت مولانا عبدالمجیدؒ سہارنپور شہر کے مضافات کی ایک بستی ''مہیسری خورد'' میں پیدا ہوئے، دوسال کی عمر میں والد ماجد کا سایۂ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا اور حضرت مولانا بچپن کی نیرنگیوں وگلکاریوں ہی میں یتیمی کے داغ سے دوچار ہو گئے، والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش اور نگہداشت آپ کے برادر اکبر رحمت علی صاحبؒ نے شروع فرمائی لیکن ان کی زیر سرپرستی ابھی بمشکل دوسال کا عرصہ گزرا تھا کہ برادر اکبر بھی داغ مفارقت دے گئے۔ چار سال کی عمر میں آپؒ کی سوتیلی والدہ اپنے ساتھ اپنے مائکے ابراہیم پور لے گئیں، آپؒ کے والد ماجد اچھے خاصے زمیندار تھے لیکن جب مولانا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ ابراہیم پور چلے گئے تو یہاں زمینداری کے قانونی معاملہ میں لوگوں نے سرکاری اہلکاروں کے پوچھنے پر بتادیا کہ علی بخش کے یہاں کوئی اولاد نہیں تھی چنانچہ مولانا کی جوزمین وغیرہ تھی وہ لاوارث قرار دیدی گئی اور زمینداروں کے قبضہ میں چلی گئی۔

وقت گزرتا گیا، حالات بدلتے گئے، مولانا کا بچپن جس کو تعلیم وتربیت میں گزرنا چاہئے تھا، بدقسمتی سے جانوروں کے ساتھ چراگاہوں اور کھیتوں میں بسر ہورہا تھا، آپ کے ایک پڑوسی مولوی اللہ دیاؒ کو ایک دن مولانا عبدالمجیدؒ کی یاد آئی اور انھیں دیکھنے کے لئے ابراہیم پور پہنچ گئے، پتہ چلا کہ جانوروں کو چرانے کے لئے جنگل گئے ہوئے ہیں۔ اس حال میں ملاقات ہوئی کہ اُن کے ایک ہاتھ میں جانوروں کو ہنکانے کیلئے لاٹھی تھی اور ایک کندھے پر دیہاتی انداز کا ایک کپڑا، اُن کے اس دیہاتی حلیہ اور گنوارپن کو دیکھ کر مولوی

اللہ دیا سوچنے لگے کہ یہ بچہ جس کی عمر ابھی مکتب کی چہار دیواری میں پڑھنے اور پھلنے کی ہے ،کھیتوں اور چراگاہوں میں ضائع ہو رہی ہے ،جن ہاتھوں میں قرآن کریم ہونا چاہئے تھا ان ہاتھوں میں جانوروں کو ہنکانے کے لئے لاٹھی موجود ہے،وہ کندھے جن پر پوری امت کا بوجھ اور بار امانت ہونا چاہئے وہ جانوروں کے لئے چارے اور گھاس لانے میں مصروف ہیں، چنانچہ آپ مولانا عبدالمجیدؒ کو اپنے ہمراہ گھر لے آئے، پھر ان کی تعلیم وتربیت کے لئے سہارنپور شہر کی جامع مسجد کلاں کے امام واستاذ حضرت الحاج حافظ قمر الدینؒ کے سپرد کر دیا۔

حضرت اقدس الحاج حافظ قمر الدین سہارنپوریؒ وہی نامی گرامی ہستی ہیں جن کو مظاہر علوم کا سب سے پہلا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے،آپ نے مظاہر علوم کے قیام کے اولین دنوں میں حضرت مولانا مفتی سعادت علی انصاریؒ فقیہ سہارنپور کے پاس سب سے پہلے نحو میر اور عربی کی کتابیں شروع کی تھیں۔

۱۲۹۲ھ میں بخاری ،ابوداؤد اور درمختار پڑھی، آپ کو فراغت سے دوسال پہلے ہی قرآن مجید کی تعلیم کے لئے مقرر کر لیا گیا تھا،طویل عرصہ تک جامع مسجد کلاں میں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دئے ،سلوک وطریقت ،روحانیت اور تصوُّف ومشیخت میں آپ اپنے زمانہ میں روحِ رواں تھے،حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے معتمد اور مستند مشائخ میں آپ کو شمار فرمایا ہے۔(روداد مدرسہ)

لحد میری کفن اُن کا

یہ چاند تارے انھیں کی ضیاء کا پرتو ہیں
چمن کے پھول بھی اُن سے ادائیں مانگتے ہیں

حضرت مولانا عبدالمجید مہیسرویؒ (متوفی ۲۱ر شعبان ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹ر اگست ۱۹۷۶ء پنجشنبہ) طالب علمی کے زمانہ میں عموماً فاقہ کی نوبت آجاتی تھی، بھوک لگتی تو کوئی سستی چیز لے کر پیٹ بھر لیتے ،شکرقند بہت سستی تھی چنانچہ عموماً دو پیسے کی شکرقند لے لیتے جو کئی دنوں کے لئے کافی ہو جاتی تھی۔

اپنا کام خود کرتے تھے، چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے میں انہیں تکلیف اور تکلف نہ

ہوتا تھا، سادگی پسند تھے، سادہ غذا، سادہ لباس اور سادہ گفتگو کرتے تھے، مظاہر علوم میں تدریسی وانتظامی ذمہ داریوں کے باوجود مطبخ سے اپنا کھانا خود لاتے تھے حتی کہ کھانے کے برتن بھی آپ ہی دھلتے تھے۔

زمانہ طالب علمی میں مظاہر کے اولین فارغین میں سے ایک حضرت الحاج حافظ قمرالدینؒ کی آپ نے بہت خدمت کی تھی، کبھی مسجد، کبھی درسگاہ کبھی دیگر ضروریات کے لئے گود میں اٹھا کر لئے پھرتے تھے، حافظ صاحب مستجاب الدعوات تھے، خوب خوب دعائیں دیتے تھے، مولانا عبدالمجیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کی دعاؤں ہی کا طفیل ہے کہ اس نے مظاہر علوم میں خدمت کا موقع بخشا۔

آپ بیک وقت مظاہر علوم میں استاذ، نائب مہتمم، ناظم تعلیمات، ناظم مطبخ اور دارالطلبہ قدیم کے نگراں تھے۔

دفتر تعلیمات کی نگرانی اور ذمہ داری ہی کیا کم ہے، کسی کا کھانا جاری کرنا تو کسی کا کھانا بند کرنا، اساتذہ کی نگرانی، امتحانات ماہانہ، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ کا انتظام، پرچوں کی جانچ پڑتال، نمبرات کی چھان بین، سندات کا اجرا، ماہانہ وظائف، لحاف گدوں کی تقسیم وغیرہ اس قدر کام کی بھرمار کے باوجود حضرت مولانا عموماً یکہ وتنہا پورے کام کو انجام دے کر مطبخ تشریف لے جاتے تھے، وہاں کا کام بھی کچھ آسان نہیں ہے، کتنا آٹا پکے گا، کتنی دال پکے گی، گوشت کتنا ہوگا، گوشت میں کون سی سبزی ملائی جائے گی، تیل کی مقدار کتنی ہوگی، مصالحہ جات وغیرہ کی مقدار مقرر کر کے روز آنہ کی مقدار کا رجسٹروں میں اندراج کرنا، کھانے کی تقسیم، ٹکٹوں کی ترتیب تمام کام مولانا عبدالمجید بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔

ناظم مدرسہ حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ ''معجون فلاسفہ'' کا ڈبہ ہدیۃً پیش فرمایا کرتے، اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ خصوصی عنایات و نوازشات فرماتے رہتے تھے، غربت اور عسرت میں پوری زندگی گزاری، انتقال کی خبر ملی تو حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کو بلایا اور عمدہ قسم کا ایک سوٹ کا کپڑا مولانا کے پسماندگان کو بھیجا، وہی کپڑا بطور کفن استعمال ہوا۔

(ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم۔ الغزالی اردو فورم)

مولانا مودودی مرحوم سے ملاقات

ایک بار پاکستان تشریف لے گئے، وہاں بہت سی نامی گرامی شخصیات سے ملاقات طے تھی، جن میں ایک نام مولانا مودودی صاحب کا بھی ہے۔

مولانا مظاہر علوم کے نائب ناظم تھے لیکن مودودی صاحب سے ملنے اور ملاقات کرنے کو خلاف مصلحت نہ جانا، نہ ہی مودودی صاحب نے ملاقات کرنے میں پس وپیش کی۔

مولانا مودودی صاحب کے ایک خادم بلکہ میر منشی اور مودودی صاحب کی جماعت کے سابق خدمت گار جناب حکیم شمس الحسن صدیقیؒ بھی اتفاق سے مولانا مودودی صاحب سے ملنے گئے تو مولانا نے ان سے فرمایا کہ

''مظاہر علوم سہارنپور کے نائب ناظم (جو اس وقت آموں کی دعوت کے سلسلہ میں چودھری نیاز علی صاحب کے مکان پر نہر پار مہمان تھے) ملنے آرہے ہیں''۔

حکیم صاحب کہتے ہیں کہ میری نگاہ مودودی صاحب کے پیپرویٹ پر پڑی جس کے نیچے کسی یورپین کی تصویر چپکی ہوئی تھی جس کا منظر کچھ ایسا تھا کہ ایک ریت کا ٹیلہ ہے اور وہ اس پر چڑھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے، میں نے مودودی صاحب سے کہا کہ آپ کے دفتر میں اس تصویر کا وجود مہمان کے لئے قابل اعتراض تو نہ ہوگا؟ مودودی صاحب نے فرمایا کہ ہاں واقعی آپ نے اچھا کیا کہ اس طرف توجہ دلائی، یہ تصویر ان کے آنے سے پہلے جلدی سے کھرچ دو۔ (فتنۂ مودودیت: مفتی عبدالقدوس رومی)

۞۞۞

حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ ۱۳۹۷ھ

درس کی پابندی

مظاہر علوم کے ایک بڑے استاذ تھے نام تھا حضرت مولانا اکبر علی سہارنپوریؒ (تقسیم ملک کے بعد مملکت خداداد ہجرت فرما گئے اور وہاں دارالعلوم کورنگی میں استاذ حدیث ہوئے اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ جیسے اہل علم کے استاذ ہوئے، وہیں ۱۳۹۷ھ میں انتقال فرمایا) آپ درسگاہ میں بالکل وقت پر پہنچتے تھے اور کبھی بھی وقت سے پہلے سبق نہیں چھوڑتے تھے، آج بھی بالکل وقت پر درسگاہ پہنچے، پورے انشراح کے ساتھ سبق پڑھایا، وہی شگفتہ لب ولہجہ، وہی علمی رنگ، وہی صوت وآہنگ سبق کے بالکل اخیر میں رقت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ

''بچو! میری نوجوان بچی (بیٹی) بیمار تھی، آج رات وہ انتقال کر گئی ہے، جنازہ بالکل تیار ہے، جن بچوں کو نماز جنازہ پڑھنی ہو وہ شرکت کر لیں''

طلبہ کی چیخیں نکل گئیں، بہت سے سعادت مند طلبہ اس اچانک حادثہ کی اطلاع سے نمدیدہ ورنجیدہ ہو گئے، طلبہ ہوشیار اور ہونہار، انھیں بخوبی اندازہ تھا کہ نوجوان بیٹی کا جنازہ گھر میں رکھا ہوا ہے اور استاذ محترم حسب سابق بشاشت کے ساتھ اس طرح سبق پڑھا گئے کہ لہجہ تک پر غم کا اثر نہ پڑنے دیا۔ (کاروان حیات)

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ

بالکل ایسا ہی واقعہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ کے ساتھ بھی پیش آچکا ہے:

حضرت والا کی اہلیہ کی حالت نازک تھی لیکن پھر بھی درسگاہ تشریف لے ہی آئے، فجر کی نماز پڑھی، ہدایہ اخیرین بغل میں لی اور اپنے مخصوص انداز میں درسگاہ پہنچے، درسِ ہدایہ آخرین جاری ہے، انتہائی سکون اور تسلسل کے ساتھ حضرت مرحوم کی تقریر جاری ہے، اچانک ایک طالب علم خلل انداز ہوتا ہے، پریشان حال طالب علم اطلاع دیتا ہے کہ حضرت والا! حامد میاں کی والدہ (شیخ الادب کی اہلیہ) کا انتقال ہوگیا۔

یہ صبر وسکون کو ختم کر دینے والی دلدوز خبر سن کر جو بے چینی پیدا ہوسکتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس بڑھاپے میں اہلیہ کا انتقال ہورہا ہے لیکن صبر وعزیمت کے اس پہاڑ نے کیا کیا اور سننے والوں نے کیا سنا، ذرا اسے بھی سن لیجئے، اس پریشان کن خبر کے بعد بھی آپ کی زبان سے صرف انا للہ وانا الیہ راجعون کی آواز سنی جاتی ہے اور پھر اپنی اسی شان سے تقریر جاری ہے، صورتِ مسئلہ کی توضیح ہورہی ہے، دلائل کی تحلیل ہورہی ہے، نہ تقریر کا تسلسل ٹوٹتا ہے، نہ آواز میں کوئی فرق پیدا ہوتا ہے بلکہ درس بدستور اپنی پوری عظمت کے ساتھ جاری ہے۔

صبر وعزیمت غیر معمولی علمی شغف کی اس سے بہتر کیا مثال مل سکتی ہے؟

(ماہنامہ دار العلوم دیوبند جنوری ۱۹۵۶ء ص:۱۹۔۱۸)

حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولویؒ ۱۳۹۸ھ

تقویٰ ہو تو ایسا

کسولی ضلع مظفرنگر: کوئی نامی گرامی گاؤں نہ تب تھا نہ اب ہے، لیکن ایک شخصیت نے اپنے نام کے ساتھ کسولی کا انتساب ایسا کیا کہ کسولی ہر پڑھے لکھے، دینی مزاج رکھنے والے شخص کے ذہن ودماغ میں رچ بس گیا، جی ہاں مظاہر علوم سہارنپور کے فاضل، یہاں کے مطبخ کے ناظم، یہاں کی انجمن ہدایت الرشید کے نگراں، دارالافتاء کے ناقل فتاوی اور استاذ، ساتھ ہی اپنے تجارتی مکتبہ ''امدادالغرباء'' کے مالک، ارواح ثلاثہ (حکایات اولیاء) کے مصنف، اخیر عمر میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خانقاہ اور مدرسہ امدادالعلوم کے متولی، کتاب معلم الحجاج کی تالیف کے اصل محرک وناشر، حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولویؒ (متوفی ۱۸/شعبان ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۵/جولائی ۱۹۷۸ء) کا نام نامی اگر زبان پر آئے اور دل میں اتر جائے تو تعجب کی بات نہیں ہے وہ تھے ہی بڑی خوبیوں کے مالک، جب تک سہارنپور رہے اُن کا کتب خانہ اور مکان مثلث مہمانوں کے لئے کسی دارالضیافہ سے کم نہ تھا، الہ آباد سے شاہ وصی اللہؒ، دریاباد سے مولانا عبدالماجدؒ، لکھنؤ سے مولانا سید سلیمان ندویؒ، پھول پور سے مولانا عبدالغنیؒ وغیرہ جن کو بھی تھانہ بھون جانا ہوتا، امدادالغرباء پہلا پڑاؤ ہوتا، یہاں قیام فرماتے، تازہ دم ہوتے اور پھر پیرومرشد سے ملاقات کے لئے آگے بڑھ جاتے۔

حضرت مولانا سید ظہور الحسنؒ حضرت تھانویؒ کے مدرسہ میں پڑھے ہوئے، بڑے ہوئے، بڑھے ہوئے، وہاں کے روحانی وعرفانی، جلالی وجمالی ماحول کو دیکھے ہوئے، برتے

ہوئے، سبحان اللہ! صالحین کی تھوڑی دیر کی صحبت طاعت بے ریا سے بہتر ہے، مولانا تو گھاٹ گھاٹ کا پانی پیئے ہوئے، کیا مظاہر علوم کیا خانقاہ اشرفیہ اور کیا امداد العلوم ہر جگہ بڑوں کی دعاؤں سے مالامال، اسی تعلیم اور اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ جب بھی حجام (حلاق، موتراش) کے یہاں جاتے، حلق کراتے، خط بنواتے، مونچھیں ترشواتے تو پہلے سے ہی جیب میں کھلے پیسے رکھ کر جاتے تھے، انھیں پتہ تھا کہ حلاق (نائی) کسی کی داڑھی صاف کردیتا ہے تو کسی کی (غیر شرعی) کٹنگ کردیتا ہے جو ظاہر ہے تعلیمات اسلامی اور سنت نبوی کے خلاف ہے، اس لئے اس کی پونجی میں حلال کے ساتھ حرام کی آمیزش ہوگئی، اگر نائی کھلے پیسے دے گا تو ملاوٹ کی وجہ سے مال مشکوک ہے۔

ایک بار اپنے صاحب زادے کو نوٹ دیا اور فرمایا کہ کہیں سے کھلے کرا کے لے آؤ، وہ صاحب زادے، معصوم، ناتجربہ کار، ایسی باریکیوں سے ناواقف، نائی سے ہی کھلے کرا کے لے آئے، حضرت نے پوچھا کہاں سے کھلے کرائے، عرض کیا نائی کے یہاں سے، غصہ ہوگئے، ناراض ہوگئے اور فرمایا:

”کیا فائدہ ہوا، پہلے ہی بہتر تھا اب خراب ہوگیا“

پھر آپ نے وہ رقم الگ رکھ دی، سبحان اللہ! تقویٰ ہو تو ایسا، فتوے پر تو دنیا عمل کرتی ہے تقوے پر عمل کر کے کوئی دکھائے تو سہی!

اندازِ تربیت

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ حکیم الامت حضرت تھانوی کا تخلص ”آہ“ تھا، چنانچہ حضرت تھانویؒ ہی کا ایک شعر ہے

تمہاری کیا حقیقت تھی میاں آہ!
یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

مثنوی زیر و بم آپ کا فارسی کلام ہے، آپ نے شعر و شاعری کو مشغلہ نہیں بنایا، البتہ آپ کے خلفاء میں ایک سے ایک شاعر تھے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوری ناظم مظاہر علوم سہارنپور،

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب وغیرہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے کلام بلاغت نظام کی دھوم رہی ہے، مجموعہ کلام بھی شائع ہو چکے ہیں، حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولویؒ حضرت تھانویؒ کے معتمد اور جانشین تھے، آپ اگر چہ شاعر نہیں تھے لیکن بہت سے اکابر شعراء کا کلام اچھا خاصا یاد تھا، فرصت میں ہوتے، حالات سازگار اور ماحول موافق ہوتا، سننے والے باذوق اور مجلس پر کیف ہوتی تو کبھی کبھی سلوک واحسان کے اشعار گنگناتے اور کیف طاری قلوب جاری ہونے کی کہاوت صادق آتی، لیکن ایک دفعہ دیکھا کہ ان کے صاحب زادے نور الحسن بھی اشعار گنگنا رہے ہیں تو پھر آپ نے اشعار گنگنانا موقوف فرما دیا اور تاکید کی کہ اپنا تمام دھیان اور گیان تعلیم پر لگاؤ، شعروشاعری پر قطعی توجہ مت دو، سچ ہے چھوٹے یوں ہی بڑے نہیں ہو جاتے، چھوٹوں کی تربیت کے لئے بڑوں کو بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں، میں نے اپنی والدہ کو دیکھا کہ وہ اپنی ان بہوؤں پر خاص نظر رکھتی تھیں جو امید سے ہوتی تھیں، والدہ کا کہنا تھا کہ بچہ پیٹ میں ہو یا گود میں شیر خوارگی کی حالت میں ماں کو کھانے پینے میں نہایت درجہ محتاط رہنا چاہئے، میں نے اپنے استاذ مکرم حضرت المحترم مولانا اطہر حسین سے سنا کہ پہلے زمانے میں شیر خوار بچہ کا علاج ماں کے ذریعہ کیا جاتا تھا، بچہ بیمار ہوتا تو ماں کو دوائیں کھلائی جاتی تھیں، ہمارے بڑے بڑے بزرگ بھی اپنی نسلوں کی تعلیم وتربیت کے لئے بڑی قربانیاں دیتے آئے ہیں اگر آپ بھی اپنی نسل کو اچھا اور بہتر بنانے کا خواب دیکھ رہے ہیں تو آپ بھی قربانیاں دینے کے لیے تیار اور طیار ہو جایئے، کیونکہ:

"لن یصلح آخر ھذہ الأمۃ الا بما صلح بہ أولھا"۔

اس امت کا آخری دَور اسی چیز کے ساتھ سنور سکتا ہے، جس چیز کے ساتھ اس امت کا پہلا دور سنورا تھا۔

اچھا بھائی! ہم تو چلے!

حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولوی ۱۸/ شعبان ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۵/ جولائی ۱۹۷۸ء کو ۷۶/ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوئے، دار العلوم دیوبند کے نامور مفتی اور محدث مفتی نظام الدین اعظمیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

وہ زمانہ آج کی طرح ترقی یافتہ نہ تھا، خبروں کی ترسیل کے ذرائع محدود تھے لیکن قلبی تعلقات اور مخلصانہ روابط اتنے مضبوط اور مستحکم تھے کہ ممکن ہے موبائل سست روی کا مظاہرہ کرے لیکن ان کے تعلقات اور کشش میں مجال ہے کوئی تخلف ہوجائے چنانچہ ادھر مولانا کسولوی ملک عدم کی طرف روانہ ہو رہے ہیں اُدھر ان کے متعلقین میں سے چرتھاول کے حافظ سرفراز اور جھنجھانہ کے نجات خان کو اسی رات میں خواب میں حضرت مولانا ظہور الحسن کسولویؒ کی زیارت ہوئی، کمال کا خواب اور کمال کی تعبیر، دوران زیارت حضرت مولانا نے دونوں سے صرف اتنا کہا کہ: ''اچھا بھائی! ہم تو چلے''

خواب دیکھنے والوں کا بیان ہے صبح ہی گھر سے نکل کر تھانہ بھون کے لئے روانہ ہوگئے، جس وقت تھانہ بھون پہنچے تو یہ دیکھ کر کلیجہ منہ کو آگیا کہ جنازہ خانقاہ میں رکھا ہوا تھا، بعد میں پتہ چلا کہ خواب میں جس وقت حضرت نے فرمایا تھا کہ ''اچھا بھائی ہم تو چلے'' وہی وقت انتقال پر ملال کا تھا۔

(بیان کردہ مولانا محمد حذیفہ نجم الحسن تھانوی)

❁❁❁

حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ ۱۳۹۹ھ

امرد کو دیکھنے سے احتیاط

حضرت تھانوی کے خلیفہ، مولانا ابرارالحق ہردوئیؒ اور حضرت باندویؒ کے استاذ گرامی، ادیب، شاعر، مناظر، مفکر، مدبر، محدث، مفسر، مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوری (متوفی ۱۳۹۹ھ) اکابر علمائے مظاہر کی اس صف میں مقام امتیاز پر فائز ہیں جن پر مظاہر علوم ہی کو نہیں پوری دنیا کو ناز ہے، مدرسہ کے وقت میں ناظم واستاذ حدیث، خارج وقت میں پیرومرشد، گھر میں **خیرکم خیرکم لاھلہ** کا مصداق ،تقویٰ میں، تدین میں، اخلاق میں، اخلاص میں، ضیافت میں، مروت میں زندگی کے ہر باب میں کامیاب اور راہ یاب، بزرگان دین اور عارفین کاملین بھی آپ کی شان میں قصیدہ خوان۔

اُن کے عہد کے ایک چھوٹے سے طالب علم کا بیان ہے کہ میں جلال آباد مدرسہ میں پڑھتا تھا، کم عمر، بے ریش تھا، حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ امتحان لینے کیلئے تشریف لاتے تھے، مجھے دیوبند جانا ہوتا تو سہارنپور پہنچتا، وہاں ٹرین دیر سے ملتی تھی اس لئے اس وقت کو مظاہر علوم میں گزارتا، حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ سے ملاقات کرتا، حضرت کچھ کتابی باتیں بھی پوچھتے تھے اور شفقت بہت فرماتے دعاؤں سے بھی نوازتے، میرے کئی نئے پرانے واقف کار بھی مظاہر علوم میں تھے، وقت گزار کر دیوبند جاتا، یہ عمل بار ہا ہوا، پھر داڑھی نکل آئی، تعلیم سے فارغ ہوگیا، جلال آباد میں تقرر بھی ہوگیا، تقرر کے بعد ایک بار مظاہر علوم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا:

”تم جب تک بے ریش رہے میں نے کبھی تمہارا چہرہ نہیں دیکھا“

راوی کوئی اور نہیں مملکت خداداد کے سب سے بڑے عالم، وفاق المدارس کے صدر عالی حضرت مولانا سلیم اللہ خان علیہ الرحمہ ہیں۔

حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ ایک زمانے تک مدرسہ کے ناظم اور طلبہ کے خادم رہے، امتحان گاہ یا امتحان گاہ سے الگ اگرکسی کی جیب چیک کرنی ہوتی تو آپ اس طالب علم کی جیب میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے انگلی یا چٹکی سے پہلے اس کی جیب کو اپنی طرف کھینچ کر جیب کا رشتہ سینہ سے علیحدہ فرماتے تاکہ ہاتھ اس طالب علم کے سینے سے مس نہ ہو۔

دربان نے گیٹ نہیں کھولا

حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کے زمانۂ اہتمام میں ایک بار دفتر اہتمام سے تمام دربانوں کے لئے ہدایت جاری ہوئی کہ رات گیٹ مقررہ وقت پر بند ہونے کے بعد فجر تک بند رکھے جائیں اور کسی کے لئے بھی نہ کھولے جائیں، حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ مدرسہ کے ہی کسی کام سے دار الطلبہ قدیم تشریف لائے، رات کافی بیت چکی تھی، دروازہ پر دستک دی، عبید اللہ دربان نے اپنے حجرہ کی بیرونی کھڑکی کھولی، دیکھا کہ حضرت ناظم صاحب کھڑے ہیں، پوچھا جی آپ کون؟ فرمایا بھائی جی میں اسعد اللہ ہوں دروازہ کھولو، جواب دیا کہ حضرت ناظم صاحب مدظلہٗ نے دروازہ بند ہونے کے بعد کھولنے سے منع فرما دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ نے فرمایا کہ بھائی میں ہی اسعد اللہ اور میں ہی مدرسہ کا ناظم ہوں دروازہ کھولو، بھائی عبید اللہ نے عجیب بات کہی:

”مجھے ناظم صاحب نے رجسٹر احکامات کے ذریعہ دروازہ بند رکھنے کا حکم دیا تھا، میں زبانی آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کرسکتا، اب تو آپ دولت کدہ واپس تشریف لے جائیں، صبح دفتر اہتمام میں رجسٹر احکام کے ذریعہ نئے حکم اور ہدایت میں خود کو مستثنیٰ کئے جانے کی وضاحت فرمائیں اور اطلاعی دستخط بھی ہم سب دربانوں کے کرائیں ان شاء اللہ تعمیل کی جائے گی“۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ نے ایسا ہی کیا، واپس گھر تشریف لے گئے صبح دفتر اہتمام میں پہنچے، رجسٹر احکامات میں استثنائی کیفیت تحریر فرمائی، دربانوں کے دستخط کرائے اور دفتر

اہتمام میں بھائی عبیداللہ کی تعریف وستائش کے ساتھ کچھ انعام بھی عنایت فرمایا۔

یہ صاحب محترم اللہ بندہ مرحوم (فراش) کے صاحب زادے، بھائی عبداللہ (فراش) کے برادر اصغر اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ، حضرت مفتی مظفر حسینؒ اور محترم مولانا محمد سعیدی کے دور اہتمام کو دیکھے اور برتے ہوئے، اپنی ذمہ داری میں مستعد اور اپنے کام سے کام کا مزاج رکھتے تھے، گفتگو کرتے تو بتانا مشکل کہ یہ دربان ہیں لگتا تھا کوئی ماہر ومشاق وکیل ایڈوکیٹ ہے، گفتگو میں الفاظ کا انتخاب خوب سوچ سمجھ کر کرتے تھے، کئی عدد بلی آپ کے حجرہ کے آس پاس ہی رہتی اور کھاتی پیتی بلکہ ان ہی کے حجرہ کے کسی کونے یا دروازہ کی اوٹ میں سوتی دکھائی دیتی تھیں، رسم الخط بڑا عمدہ، تحریر بہت سلیقے کی اور درخواستیں ہمیشہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے البتہ کاغذ ہمیشہ دفتر سے لیتے تھے یاد پڑتا ہے ایک آدھ بار اضافہ تنخواہ کی درخواست مجھ سے لکھوائی اور کئی بار مضمون تبدیل کرایا، زبان کے بالکل صاف لیکن نہانے میں کافی محتاط واقع ہوئے تھے، کپڑے بھی الول جلول لیکن بات چیت مقفع اور مرصع کرتے تھے، حضرت شیخ محمد زکریاؒ، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ، حضرت مفتی مظفر حسینؒ سبھی کا تذکرہ بڑی محبت وعقیدت سے کرتے تھے لیکن متاثر سب سے زیادہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ سے ہی تھے۔ اللہ مغفرت فرمائے۔

۴۸ سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ (خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ) کا بیان ہے کہ ”۴۸ سال تک حضرت کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی“۔ (حیات اسعد)

۵۴ سال: یومیہ صلوۃ التسبیح

حضرت مولانا نسیم احمد غازی شیخ الحدیث دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد کا بیان ہے کہ ”ایک دفعہ حضرت نے شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ: آج چون برس ہو چکے ہیں، ان چون برسوں میں جتنے دن ہوتے ہیں الحمدللہ اتنی ہی بار صلوۃ التسبیح ہو چکی ہے“ گویا عنفوان شباب سے پہلے کے جو ماہ وسن تھے حضرت والا نے ہر ایک دن کے حساب سے صلوۃ التسبیح پڑھی تھی۔

امراض واسقام، مدرسہ کا انتظام، درس وتدریس، وعظ وتقاریر، اسفار، خانقاہی نظام اور گھریلو مشغولیات کے باوجود بھی اتنی کثرت کے ساتھ عبادات کا اہتمام محض توفیق خداوندی ہے۔

تہ بند کے سلسلہ میں احتیاط

حضرت رحمہ اللہ کی پوری زندگی ہی اسوہ حسنہ کے مطابق تھی، جب ضعف زیادہ ہوگیا، قویٰ مضمحل اور جسم منفعل ہوگیا تو بھی لباس کے معاملہ میں سنت نبوی کا خیال فرماتے تھے، نصف ساق تک لنگی رہتی تھی، دوران نماز حالت رکوع میں لنگی ساق سے کچھ نیچے ہوجاتی تو خادم پر غصہ ہوتے کہ لنگی پہنانے میں سنت پر توجہ کیوں نہیں رہتی، خادم کوئی اور نہیں دورہ حدیث شریف کے استاذ حضرت مولانا رئیس الدین بجنوریؒ ہیں، مولانا نے عرض کیا کہ: حضرت! لنگی تو بالکل صحیح بندھی ہوئی ہے، رکوع میں جانے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا کہ: تاویل کی نوبت ہی کیوں آئی، ایسی تاویل سے بہتر ہے کہ پہلے سے ہی دھیان رکھا جائے۔

نماز کی روحانی طاقت

خود تو نحیف ونزار، چلنا تو دور کی بات ہے اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل، ہاتھوں میں رعشہ پیروں میں لرزہ، عمر کے آخری پڑاؤ پر، نماز کے لئے کمرے سے مسجد تک از خود جانا بھی ناممکن، ہلکے پھلکے تو پہلے ہی تھے امراض واسقام اور پیرانہ سالی نے مزید ہلکا کردیا تھا، خادم خاص جناب قاری احمد گوڑاؒ ماشاء اللہ آپ کو بچوں کی طرح گود میں اٹھاتے اور اذان سے پہلے مسجد میں لے جا کر بٹھادیتے، مظاہر علوم میں تب بھی اکثر اذانیں جماعت سے نصف گھنٹہ پہلے ہوتی تھیں سو اب بھی یہی عمل جاری ہے، حضرت رحمہ اللہ سکون اور وقار کے ساتھ مسنون وماثور سنتیں پڑھتے، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد اور نماز سے پہلے وبعد کی تمام سنن ونوافل پابندی کے ساتھ ادا فرماتے تھے، لکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جس ہستی کے پیروں میں اتنی طاقت نہیں کہ دو قدم چل سکیں یا دو منٹ کھڑے رہ سکیں وہی بزرگ جب

نماز شروع ہوتی اور خادم اٹھا کر کھڑا کر دیتا تو پوری نماز جوانوں کی طرح بے تکلف پڑھتے، قیام، قعود، رکوع، سجود قومہ، جلسہ کون سا رکن ہے جس میں آپ نے تعدیل ارکان نہ کیا ہو، سبحان اللہ! سچ کہتا ہوں یہی وہ نور کے پتلے ہیں جن کو دیکھ کر یاد خدا آتی ہے، یہی وہ اسلاف ہیں جن کے زہد واتقا پر مسلمانی نازاں ہے، یہی وہ بزرگان دین اور عارفین کاملین ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر، سچی بات یہی ہے یہی اکابر وارثین نبوت ہیں یہی ظل سبحانی ہیں، یہی عبادت گزار اور یہی تقویٰ شعار ہیں، سہارنپور کی تاریخ میں شاید پہلے اور آخری بزرگ ہیں جن کی خدمت میں ہنود بھی اتنی ہی عقیدت ومحبت سے آتے تھے جتنی محبت اور عقیدت کے ساتھ کلمہ گویان آتے ہیں، شاید سہارنپور کے پہلے بزرگ ہیں جن کے نام پر ہنود نے باقاعدہ اسکول قائم کیا ہوا ہے۔

جگرؔ کے جگر کو ٹھنڈک آپ کی مجلس سے ملی تسکینؔ کو سکون آپ کی مجلس میں ملا، غلام مصطفی حکیمؔ کی حکمت میں اضافہ ہوا، زندہ حسن تائبؔ ہوئے، عبدالغفور بیتابؔ ہوئے، مولانا محمد زکریا اسعدیؔ ہوئے، منشی طفیل اسعدیؔ آپ کے طفیل کہنہ ہوئے، حافظ اسحاق مقبول ہوئے، ماسٹر نظیرؔ بے نظیر ہوئے، مولانا علیم اللہ آپ کے عشق میں عشقیؔ ہوئے، قاری عبدالعزیز اسعدیؔ کی سعادت ہیں، غلام مصطفی اسعدیؔ کے ذوق میں، بدھ پرکاش کے جوہرؔ میں، منشی سادھو رام کی آرزوؔ میں جو حیرت انگیز تبدیلیاں آئیں، ان کی زندگیوں میں جو خوشنما انقلابات آئے، ان کے افکار میں جو ندرت آئی، ان کے قلم کو نور اور ان کے اشعار کو پرنور بننے میں بلاشبہ نیک وصالح بزرگ کی صحبت اور ہم نشینی نے اپنا بھرپور اثر دکھایا اور ان کی تحریریں جاوید ہوگئیں۔ ساحلؔ کو کنارہ آپ کی مجلس سے حاصل ہوا، کوثر کو تسنیمؔ کا ذائقہ ملا، جوہر اخلاقیؔ کے جوہر کھلے، مولانا انعامؔ کو انعام ملا، مولانا عبدالقیوم شاکر کو، مفتی عبیداللہ کو، مولانا اسلام الحق کو اور بہتوں کو اپنے نام کے ساتھ "اسعدی" نسبت لگانے پر کس چیز نے مجبور کیا، صاف بات ہے کردار کی بلندی، اخلاق کی عمدگی، اخلاص کی خوشبو، شفقت کا معاملہ اور تعلق مع اللہ۔

یہ شخصیت حضرت قاری سید صدیق احمد باندویؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ

اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ جیسی جلیل القدر ہستیوں کی عقیدتوں کا مرکز، محبتوں کا محور اور پیر ومرشد ہے، مظاہر علوم والے انھیں ''ناظم صاحب'' سے اب بھی پکارتے اور جانتے ہیں اور دنیا میں ان کا نام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ ہے۔ ع

بندہ نواز آپ مجھے جانتے نہیں
اسعد ہے میرا نام وطن رام پور ہے

دو روپے: رات بھر کی بے چینی

وہ ایک سرد رات تھی، سہارنپور کی گرمیاں عذاب ہیں تو سردیاں عتاب، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ اپنی آرام گاہ میں نیند کی آغوش میں جا چکے تھے، اچانک دروازے پر دستک ہوئی پوچھا گیا کون؟ جواب ملا محمد اسعد اللہ بول رہا ہوں، اتنا سننا تھا کہ مفتی صاحب اچھل کر کھڑے ہوئے جلدی سے دروازہ کھولا اور حیرت کے ساتھ عرض کیا کہ:

''حضرت آپ اتنی رات گئے غریب خانے پر تشریف لائے میں بہت نادم ہیں آپ مجھے بلوا لیتے!''

فرمایا: ''ضرورت مجھے ہے اس لئے آنا پڑا''

پھر فرمایا کہ:

''آج فلاں پرچہ پر دستخط کردئے ہیں لیکن اب دھیان آیا کہ اس پرچہ میں دو روپیہ کا فرق ہے''

مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ فرق تو صبح دفتر میں پہنچ کر سمجھ لیا جاتا آپ نے تکلیف کیوں فرمائی؟ فرمایا کہ:

''صبح کس نے دیکھی ہے، اگر بلاوا آجائے تو جانا پڑے گا اب بے فکری ہوگئی ہے کیوں کہ معاملہ کی نوعیت سے میں نے آپ کو مطلع کردیا ہے''۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اس وقت اگرچہ مدرسہ کے نائب ناظم بن چکے تھے لیکن آمد وخرچ کے تمام پرچوں پر دستخط مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ ہی فرماتے تھے۔ (نقوش اسعد)

بھنگی سے معافی

بہت سی ہستیاں تاریخ میں ایسی گزری ہیں جنھوں نے شاعر کے فکر ”ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا“ کو عملی طور پر سچ کر دکھایا، اسی طرح بہت سی ہستیاں ایسی بھی گزری ہیں جو ”مریں گے ہم کتابوں میں ورق ہوگا کفن اپنا“ کے عالم خیال کو عالم حقیقت سے تبدیل کر کے بعد والوں کے لئے مثال قائم فرمادی، زیادہ پرانی بات نہیں ہے نصف صدی بھی نہیں گزری مظاہر علوم کے ناظم حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ تھے، مدرسہ کے ہی ایک کمرہ میں رات دن قیام رہتا تھا، اس قیام سے بے وقت آنے والے مہمانوں، دعا وغیرہ کی حاجت لے کر آنے والے ضرورت مندوں، اصلاح وتربیت (جو ہر مدرسہ کے اہم مقاصد میں سے ہے) کے لئے آنے والے عقیدت مندوں، مریدوں، سالکوں، طالبوں، مدرسہ کے کام سے آنے والے ہمدردوں، بہی خواہوں، طلبہ کے معاملات اور علمی وکتابی اشکالات دور کرنے میں خاطر خواہ مدد اور مدرسہ کے مختلف اساتذہ کی بغرض ملاقات تشریف آوری نیز آپ کے وجود باجود سے مدرسہ کی نگرانی وسرپرستی، مسجد کلثومیہ میں نماز پنجگانہ اور طلبہ پر نذر رو نظر کتنے سارے امور تھے جو اس ایک حجرہ میں قیام کی وجہ سے پورے ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ نہ صرف اپنے کمرے کا کرایہ دیتے تھے بلکہ اپنے کمرہ میں بجلی کا میٹر صرف اس لئے لگوالیا تاکہ صرفہ ادا کیا جاسکے، اپنے حجرہ میں جلنے والے بلب، چلنے والے پنکھے، بچھنے والے ٹاٹ سارے اخراجات جیب خاص سے پورے فرماتے تھے، پھر بھی ہر ماہ پابندی کے ساتھ ایک معتدبہ رقم دفتر مالیات میں جمع کراتے تھے، مدرسہ کا قلم، کاغذ، روشنائی بھی استعمال نہیں کرتے تھے، آپ کی ان ہی متقیانہ صفات کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کے بعد حضرت مولانا قاری محمد سلیمان دیوبندیؒ بول پڑے کہ

”ہمارے ناظم صاحب کو تو تقویٰ نے مستقل بیمار کر دیا ہے، تندرستی جاتی رہی، صحت خراب ہوگئی“

عصر کے بعد تھوڑی دیر کے لئے اپنے گھر تشریف لے جاتے تھے تاکہ گھریلو ضروریات اور معاملات سے آگاہی ہو، ایسا ہی ایک موقع تھا ساتھ میں تین طلبہ تھے، حضرت اپنے گھر

کے لئے نکلے، مدرسہ کے قریب ہی پہلی گلی کے بعد جو موڑ ہے وہاں مڑے لیکن اتفاق کی بات ہے ٹھیک اسی وقت ایک جاروب کش (بھنگی) نے گندگی پھینکی اس کی چھینٹیں اڑ کر ایک طالب علم پر پڑ گئیں، حضرت کو غصہ آ گیا اور فرمایا:

"اندھے ہو گئے ہو، دکھائی نہیں دیتا ہے"

اتنا کہہ کر آگے بڑھے، تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ قدم مبارک رک گئے، تنبہ ہوا کہ جاروب کش کو بہت سخت بات کہہ دی ہے، ساتھ والے طلبہ سے نہایت احساس، کرب، درد اور فکر کے ساتھ فرمایا کہ مجھے اس کو ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی، جلدی سے واپس ہوئے، لیکن وہاں سے جاروب کش جا چکا تھا، پریشانی اور بڑھ گئی، چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، لہجہ کی کھنک ختم ہو گئی، آواز کا ترنم جاتا رہا، طلبہ نے اس واقعہ کو بھلانے کی بہت کوشش کی اور بار بار عرض کیا کہ حضرت! آپ نے کوئی سخت بات نہیں کی ہے، غلطی اسی کی تھی، مولانا کی پریشانی کم تو ضرور ہوئی ختم نہیں ہوئی اور فرمایا کہ کل اسی وقت یاد رکھنا وہ اس وقت صفائی کے لئے ضرور آئے گا چل کر معافی مانگوں گا، اگلے دن عصر کی نماز پڑھی اور خود ہی طلبہ کو لے کر اس جگہ پہنچ گئے، جاروب کش اپنے کام میں لگا ہوا تھا مولانا نے اس سے بہت غمناک لہجے میں فرمایا:

"بھائی کل مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی معاف کر دو"

وہ تو حیرت اور شرم سے گڑا جا رہا تھا، پانی پانی ہوا جا رہا تھا اور یہ بس ایک ہی رٹ لگائے ہوئے تھے "معاف کر دو، معاف کر دو"

اس نے ہاتھ جوڑ کر جو کچھ کہا اسی کے الفاظ ہیں:

"سرکار! ہم آپ کے غلام ہیں غلطی آپ سے نہیں مجھ سے ہوئی تھی مجھے اس طرح ٹوکرا نہیں پھینکنا چاہئے تھا"

لیکن حضرت پھر بھی کہتے رہے: "بھائی معاف کر دو، معاف کر دو"

آخر کار اس نے کہا کہ "معاف کر دیا"

اتنا سننا تھا کہ مرجھایا اور کمہلایا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا، مسکراہٹ جو کل سے ہی

غائب تھی لوٹ آئی اور ہشاش بشاش واپس مدرسہ میں تشریف لے آئے۔(حیات اسعد سے مستفاد)

درود شریف کی کثرت

مریدین و متوسلین، طلبہ و مجازین سب کو کثرت سے درود شریف پڑھنے کی تاکید فرماتے بالخصوص مجازین کو پہلے مرحلہ میں ہی دیگر اوراد کے ساتھ کم از کم چارسو مرتبہ یومیہ درود شریف پڑھنے کی ہدایت فرماتے تھے، الفیۃ الحدیث، ریاض الصالحین، مشکوۃ شریف اور دورۂ حدیث شریف کی تمام کتب احادیثِ رسول پر مشتمل ہیں، دارالعلوم دیو بند ہو یا مظاہر علوم سہارنپور ہر جگہ اسم مبارک آنے پر درود شریف کی تلقین کی جاتی ہے اور الحمدللہ طلبہ دوران سبق بھی اسم مبارک آنے پر درود کا اہتمام کرتے ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کسی بھی کٹر، متعصب اور غالی قسم کے بریلوی کو دوران تعلیم آپ دارالعلوم یا مظاہر علوم کی دارالحدیث میں پہنچادیں اگر وہ عشق نبی اور حب نبی میں مخلص ہوگا تو دارالحدیث سے نکلنے سے پہلے ہی ان شاء اللہ دیو بندیوں سے نفرت ختم ہو چکی ہوگی۔

سنت نبوی سے عشق

حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کی ایک خاص عادت اور ادا ایسی تھی جس پر مر مٹنے کو جی چاہتا ہے، حضرت حدیث کے طلبہ کو بطور خاص ہدایت فرماتے:

"جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی زبان پر آئے یا سماعت سے ٹکرائے تو دل نہ صرف عظمت رسول سے پُر ہو، بلکہ اسم گرامی کی لذت وحلاوت بھی محسوس کرے اور نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ مزے لے لے کر درود پاک پڑھے"

نام پاک کی عظمت

اگر کوئی طالب علم لفظ "محمد" یا لفظ "رسول اللہ" کی ادائیگی میں مخارج حروف کی رعایت نہ کرتا یا جلد بازی میں پڑھتا تو آپ تنبیہ فرماتے پھر بھی طالب علم سے غلطی ہو جاتی تو چہرہ متغیر ہو جاتا، غصہ ہو جاتے ناراضی کا اظہار فرماتے اور آنکھیں چھلک پڑتیں اور

فرماتے:

''افسوس ہے محبوب کا نام لینے میں تمہیں لذت نہیں آتی''

جب آپ خود عبارت پڑھتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی نہایت ہی رسیلی، خوش ذائقہ، شیریں، چیز منہ میں رکھی ہوئی ہے، حرف حرف سے لذت، حلاوت، ذائقہ محسوس ہوتا تھا، کبھی کبھی تو آبدیدہ ہوجاتے اور بڑے وجد میں یہ شعر پڑھتے ؎

ہوتی ہے جن کو محبت رسول کی
کرتے ہیں قول وفعل سے عظمت رسول کی

سنت سے انھیں عشق تھا، ہر بات اور ہر باب میں انھیں سنت نبوی پر عمل کی عادت تھی، چنانچہ ایک مرتبہ آپ بیت الخلاء سے نکلے اور پھر فوراً واپس تشریف لے گئے اور پھر اسی وقت باہر نکل آئے، خادم خاص مولانا عبدالقیوم شاکر اسعدی بستوی مرحوم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت اگر بیت الخلاء میں کوئی چیز گرگئی تھی تو ہمیں حکم فرمادیتے آپ نے کیوں زحمت اٹھائی؟ فرمایا:

''بات اصل یہ ہے کہ بیت الخلاء سے نکلنے کی مسنون دعا پڑھنا بھول گیا تھا، اس لئے میں نے اپنے نفس کو یہ سزا دی کہ دوبارہ بیت الخلاء جا کر وہاں سے نکلا اور مسنون دعا پڑھی''

ایک کو نیند آگئی دوسرے کی نیند گئی

ان کا نام محمد سلیمان تھا، دیوبند ان کا وطن اور دارالعلوم ان کا مادر علمی ہے، مظاہر علوم کے صدر القراء اور بڑے بڑے علماء کے استاذ تھے، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ مہتمم تھے، قاری صاحب فرماتے ہیں کہ دفتر مالیات سے جب مجھے تنخواہ ملی تو کچھ کم تھی، میں نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ فلاں تاریخ کو آپ کی غیر حاضری ہے، قاری صاحب نے فرمایا کہ: میں نے پورے ماہ پابندی سے حاضری دی ہے، غیر حاضری غلط لگائی گئی ہے، قاری صاحب دفتر اہتمام پہنچے اور استغاثہ دائر کردیا، حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کا اس وقت طوطی بولتا تھا، رعب ودبدبہ قابل دید تھا، استغاثہ سن کر خاموش رہے اور تحقیق کا وعدہ فرمایا، بات ختم ہوگئی۔

اسی دن اندھیری رات میں قاری صاحب کے مکان کی کنڈی بجی، کسی نے دستک

دی، قاری صاحب کو تعجب کہ اتنی رات میں کون ہوسکتا ہے؟! دروازہ کھولا تو سامنے مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کھڑے تھے، قاری صاحب نے عالم حیرانگی میں عرض کیا کہ: حضرت اتنی رات کو اس پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود کسی خادم کے بغیر غریب خانہ پر تشریف لے آئے! مجھے بلوالیا ہوتا، فرمایا کہ نیند نہیں آرہی تھی، دفتر کے کسی منشی کی غلطی پر مجھے ندامت ہے، معاف کر دیں اور یہ تھوڑا سا ہدیہ ہے قبول فرمالیں۔

قاری صاحب حیران و پشیمان تھے اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ فرحاں وشاداں:

ایک کی نیند اس لطف و عنایت کے باعث کوسوں دور ہوگئی، تو دوسرے کی نینداس خردنوازی اور حق بحقدار رسید سے قریب آگئی۔

۲۴ رمضان ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۷؍جنوری ۱۹۶۶ء دوشنبہ کے دن حضرت قاری محمد سلیمان دیوبندیؒ کا انتقال ہوا اور حاجی شاہ کمال میں مدفون ہوئے۔

(حیات اسعد: از حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری)

فاقوں کی نوبت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جون پوریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ علیہ الرحمہ کے پوتے مولوی مختار اسعد نے مجھ سے بیان کیا کہ: اُن سے اُن کے دادا جان حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ ناظم مظاہر علوم نے فرمایا کہ:

"ایک وقت تھا جب مہینے میں صرف تیرہ دن کھانا ملتا تھا، باقی دنوں میں بھوکے رہتے تھے، مثلاً شام میں کھالیا تو کل کا دن ندارد، اگلے دن دوپہر یا شام کو کھالیا تو اس کے بعد ندارد، اسی طرح سے گزر بسر چلتا تھا"۔

مگر یہ راز حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ نے کسی پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیا اور جب ظاہر کیا تو کس سے؟ اپنے پوتے سے تاکہ اس کی تربیت میں کام آئے۔

چٹنی پر اکتفا

ایک دفعہ آپ کے ذمہ قرض ہوگیا تو گھر میں مشورہ کیا کہ اگر اتنے ایام گوشت وغیرہ

کی جگہ صرف چٹنی روٹی کھائی جائے تو قرض اتر جائے گا، چنانچہ اسی دن سے دونوں وقت کھانے میں صرف روٹی اور چٹنی بنتی رہی، گوشت، دیگر تکلفات سے دست کش رہے، یہاں تک کہ قرض ادا ہو گیا۔ آپؒ قرض سے بہت بچتے تھے اور متعلقین کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ ''نہ قرض لو نہ قرض دو''

(ملفوظات مختصر سوانح حضرت شیخ، ارشادات شیخ، محدث عصر کی ہمہ جہت شخصیت)

۞۞۞

حضرت مولانا محمد علی سواتیؒ ۱۴۰۱ھ

ہدایہ پڑھاتے پڑھاتے فوت ہوئے

سوات صوبہ پختونخوا کا وہ شہر دل پسند اور تاریخ اسلام کا وہ قلعہ بند علاقہ ہے جو سینکڑوں نہیں ہزاروں سال کی تاریخ اپنے اندر سمیٹے اور سموئے ہوئے ہے، جی ہاں ایماندار، تابعدار، وفادار، جفاکش، جفاکیش، غیور، جسور، مخلص ومحنتی اور بہادر وجری لوگوں کی اس بستی میں تعلیم بھی ہے تجارت بھی، زراعت بھی ہے سیاحت بھی، قیادت بھی ہے سیادت بھی، سلوک بھی ہے تصوف بھی، سچ پوچھو تو اللہ تعالی کی دی ہوئی ہر نعمت سے مالا مال ہے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ اسی سوات کے باشندے تھے، شالفین نامی قصبہ میں ۱۹۱۹ء میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم علاقہ کے مدارس میں حاصل کی، ۱۳۶۲ھ میں مظاہر علوم پہنچے، داخلہ لے کر کنز الدقائق شرح جامی، قطبی وغیرہ سے تعلیم کی شروعات کی، درجہ بدرجہ پڑھ کر ۱۳۶۵ھ میں حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ، حضرت مولانا عبدالرحمن کاملپوریؒ، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ سے دورۂ حدیث شریف پڑھا، آپ کے رفقائے دورہ میں مولانا محمد یوسف پشاوریؒ، مولانا محمد اکرم بخاریؒ، مولانا دوست محمد مردانیؒ، مولانا حمداللہ مردانیؒ، مولانا سلامت اللہ پشاوریؒ، مولانا غلام محمد سرگودھویؒ، مولانا غلام ربانی ہزارویؒ، مولانا گلزار سرگودھویؒ، مولانا صدرالدین عامر رام پوریؒ اور مولانا عبدالمالک سہارنپوریؒ (مہتمم مالیات مظاہر علوم) لائق ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ سہارنپور کے مدرسہ دارالعلوم میں پھر حکمت آباد میں اور اخیر میں تاحیات (تقریباً تین دہائی) دارالعلوم حقانیہ میں ہدایہ اخیرین اور طحاوی وغیرہ کی شان کی ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں، جب تک قویٰ قوی رہے، درسگاہ میں پڑھاتے رہے، جب ضعف بڑھ گیا تو حجرہ میں پڑھانے لگے، اسباق کا ناغہ بالکل نہیں پسند تھا، زندگی کا آخری سبق بھی بڑا یادگار اور لائق رشک وغبطہ بن گیا۔

۹/اور ۱۰/محرم الحرام ۱۴۰۱ھ کو بیماری کی حالت میں بھی روزہ رکھا، ۱۱/محرم الحرام کو فقہ حنفی کی مشہور ومقبول کتاب ہدایہ اخیرین کے درس سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ مسند درس پر ہی دل کا دورہ پڑا اور دنیا آپ کے فیض بیکراں سے محروم ہوگئی۔

حضرت مولانا سمیع الحق مدیر رسالہ الحق کا بیان ہے کہ:

"انتقال کے بعد بھی جسم ملائم، نرم اور گرم تھا، اسی لئے کافی دیر گزر جانے کے باوجود بھی وفات کا یقین نہیں آ رہا تھا"

تواضع، فروتنی، درس کی پابندی، خمول پسندی، تصلب، تسلف، قناعت، حسن اخلاق، اخلاص وغیرہ کے پیکر دلنواز تھے، سچ پوچھو تو آپ اپنے اساتذہ کا عکس جمیل تھے. اللہ غریق بحر رحمت فرمائے.

(مصادر: ماہنامہ الحق: اکتوبر، نومبر/1980، علمائے مظاہر علوم کی تصنیفی خدمات، روداد مظاہر علوم 1365ھ، تاریخ مظاہر جلد دوم)

الحاج اللہ بندہ مرحوم

مدینہ منورہ کے کتے مر گئے

محترم اللہ بندہ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ ناظم مظاہر علوم کے عہد میں مدرسہ کے فراش تھے، تہجد گزار، عبادت گزار، زاہد، قانع اور صابروشاکر تھے، بہت کم گفتگو کرتے تھے، فرصت کے اوقات میں ذکروتلاوت میں مصروف رہتے تھے، سادگی اور شرافت ان کی پہچان تھی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اپنی خدمت کے لئے محترم اللہ بندہؒ کو بھی اپنے خرچ سے ساتھ لے گئے اور کافی دن وہاں قیام رہا۔ ایک دن ایک صاحب حضرت شیخ الحدیث کے پاس صبح ہی صبح حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ حضرت! آج مدینہ منورہ کے سارے کتے مرے پڑے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ممکن ہے کوئی وجہ رہی ہو، محترم اللہ بندہ نے عرض کیا کہ پھر تو حضرت اس واقعہ کی ذمہ داری میرے اوپر آگئی ہے، اب کیا کروں، حضرت نے پوچھا کہ تمہارے اوپر کیسے؟ عرض کیا کہ حضرت! آج ہی رات، میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اللہ بندہ! میرے شہر میں تجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہے؛ میں نے عرض کیا کہ نہیں حضرت کوئی پریشانی نہیں ہے، بس یہاں کتے بہت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو ہلایا اور فرمایا آج کے بعد کتے نہیں ملیں گے۔

حضرت شیخ الحدیث نے بہت ڈانٹا اور فرمایا کہ عجیب شخص ہو، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی براہ راست زیارت ہوئی اور پھر بھی کچھ مانگ نہیں سکے، کچھ فرمائش کر دیتے۔

❁❁❁

حضرت مولانا ممتاز احمد گیاویؒ

قابل رشک طالب علمانہ زندگی

بہت سے لوگوں کی ہشت پہلو شخصیت کے تمام ہی پہلو قابل رشک ہوتے ہیں اور بہت سے افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا بچپن قابل ذکر نہیں ہوتا لیکن ان کا بچپن سبحان اللہ، اس باب میں بھی تمام انسان بہر حال تقدیر کے محتاج ہیں، اگر کسی کا نام لوح محفوظ پر سعادت مند لکھا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس لکھے کو مٹا نہیں سکتی، یہ تو قدرت کا نظام ہے اور ہم سب اسی نظام قدرت کے حقیر ذرّات ہیں۔

چھوٹے تو ہمیشہ اپنے بڑوں کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے ہی رہتے ہیں لیکن کمال تو تب ہے جب بڑے اپنے چھوٹے کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہوں۔

حضرت مولانا شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ آپ اپنے چھوٹوں کی خوبیوں، کمالات اور خدمات کے بھی اتنے ہی معترف اور مداح تھے جتنے بڑوں کے، چنانچہ آپ کے اس کمال کو پڑھنے کے لئے ’’آپ بیتی‘‘ پڑھنی ہی چاہئے۔

آمدم برسر مطلب: گیا سے ایک طالب علم مظاہر علوم آتا ہے، نام ہے ممتاز احمد پسر خیرات احمد جب تک مظاہر علوم میں داخلہ نہیں ہو گیا تب تک شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے گویا مہمان تھے، پوری تفصیل حضرت شیخ الحدیث کی زبان فیض ترجمان سے آپ بھی پڑھئے:

’’ایک اجنبی طالب علم جس سے ابتداء میں بالکل واقف نہیں تھا اور انتہا میں وہ

میرے محبوب دوست ہو گئے تھے نام تھا مولوی ممتاز احمد گیاوی، جنہوں نے ابتدا سے انتہا تک مظاہر علوم میں پڑھا اور بعد فراغ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں مختصر قیام میں مجاز بیعت ہو کر گئے، انہوں نے طالب علمی کے زمانے میں مدرسہ سے کھانا کبھی نہیں لیا، ہمیشہ قیمتاً اپنا کھانا کھاتے رہے، ابتدائً میرے مہمان تھے اور ساتھ ہی کھاتے تھے، چند روز بعد اپنا کھانا قیمتاً جاری کرالیا، تب بھی شریک دستر خوان رہے اور اخیر تک شریک دستر خوان رہے"

آپ ۱۳۴۳ھ میں مظاہر علوم سے فارغ ہوئے تھے، آپ کے دورہ کے رفقاء میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ممتاز احمد بیگ کاندھلویؒ اور حضرت مولانا عبدالوہاب سہارنپوریؒ (نائب مہتمم مالیات مظاہر علوم) وغیرہ لائق ذکر ہیں۔

حضرت مولانا ممتاز احمد گیاویؒ کم عمری میں ہی فوت ہو گئے، تفصیلی حالات باوجود کوششِ جوشش کے نہیں مل سکے۔ اللہ تعالی ان کی قبر کو **روضة من رياض الجنة** کا مصداق بناوے۔

۞۞۞

حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ ۱۴۰۲ھ

حضرت شیخ زکریاؒ اور ایام اضحیہ

پورے عالم میں عید قرباں کے دن قربانی کی بہار ہوتی ہے، تین دنوں میں خدا جانے کتنے بکرے، کتنے دنبے، کتنے مینڈھے، کتنے اونٹ وجاموس اور کتنے بیل وبقر اللہ تعالیٰ کے حکم قربانی کے آگے نذر ونحر۔ ذبح ویسے بھی ہونا ہے لیکن یہ ذبح نہایت باعث خیر وبرکت ہے کہ اس میں سنت خلیل وحبیب بھی ہے اور تعمیل حکم رب بھی، کیا مکہ کیا مدینہ، کیا یورپ کیا پورب، کیا عرب کیا عجم خدا کی ضیافت اور خدا کی عنایت بے نہایت۔

شہر شہر کی بات ہے، علاقہ علاقہ کی روایت ہے جہاں جو چیز پکتی اور بنتی ہے وہی شہرت اور مقبولیت اختیار کرلیتی ہے، ہمارے اِس دیار میں کم از کم دہلی ولکھنؤ اور کراچی ولاہور کے مضافات میں گوشت کے سینکڑوں اور نوع بنوع پکوان تیار ہوتے ہیں، اور ان ہی پکوان سے خوان کی زینت اور جوعان کو سکون میسر ہوتا ہے۔

قورمہ وبریانی، کباب وتکہ، قیمہ واسٹو، کوفتے اور پسندے وغیرہ کی ڈھیر ساری قسمیں اور نوعیں، سچ پوچھو تو چارسو بلکہ ہرسو اور کوبہ کو گوشت کی بہاریں جوبن پر اور ساری تانیں تیل وروغن پر۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (متوفی ۱۴۰۲ھ) ہمارے بزرگ ہیں آپ نے اپنے دلچسپ حالات، بصیرت افروز واقعات اور عبرت کا مرقع ''آپ بیتی'' کی شکل میں چھوڑا ہے، یہ کتاب یواقیت وجواہر کا مجموعہ ہے، کہیں تعلیم وتربیت کے دور کی باتیں ہیں تو کہیں فقر وفاقہ کے واقعات ہیں، کہیں روح وریحان ہے تو کہیں سلوک واحسان

کی جلوہ گری ہے، کہیں دینی اختلافات ہیں تو کہیں آپسی تعلقات اور ایک دوسرے کا خیال ولحاظ کی مثالیں ہیں

ایام قربانی میں گوشت کی جو حکمرانی میں نے آپ بیتی کے ذریعہ ان کے گھر وخانقاہ میں دیکھی وہ کہیں اور نہیں دیکھی، حضرت کے یہاں ہر قدم پر عجائبات اور ہر آن غرائبات کے نظارے ہوتے ہیں، کسی شخص نے بکری کی سری آپ کے یہاں بھیجی یہ سوچ کر کہ حضرت کو بہت پسند ہے، حضرت نے بکری کی وہ سری اپنے کسی اور واقف کار کے یہاں بھجوادی کہ انھیں بہت مرغوب ہے، بات اسی پر ختم کہاں ہوئی اس شخص نے اپنے کسی اور اہل تعلق کو وہ سری دیدی کہ اسے پتہ تھا کہ انھیں پسند بھی ہے اور مالی حالات سے دوچار بھی، اب آپ انگشت حیرت کو اپنے دانتوں میں دبالیں کیونکہ اس غریب نے بکری کی سری پائی تو سر پر پیر رکھ کر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کے گھر لے جاکر حاضر خدمت کردی کیونکہ اس عقیدت مند کو پتہ تھا کہ حضرت کو بکری کی سری بہت مرغوب ہے، جب حضرت نے تحقیق شروع کی تو جنگ یرموک کا منظر نظروں میں گھوم گیا کہ جاں بلب ہیں لیکن پانی کا ایثار کرتے رہے، سری جہاں کی تھی بغیر پیروں کے چلتی رہی اور واپس منزل پر پہنچ گئی۔ بالکل ایسا ہی ایک واقعہ کسی صحابی کا مستدرک میں حاکم نے نقل فرمایا ہے کہ ایک بکری کی سری ایک صحابی کے پاس صدقہ آئی تو آپ نے فرمایا کہ فلاں صحابی مجھ سے زیادہ غریب ہے اس کو دے دو۔ چنانچہ اس کے پاس لے گئے۔ اس نے دوسرے کے پاس بھیج دی۔ اس دوسرے نے آگے تیسرے کے پاس بھیج دی یہاں تک کہ پھرتے پھرتے پھر پہلے کے پاس آگئی۔ (مستدرک حاکم)

حضرت شیخ نے آپ بیتی میں کئی جگہ گوشت اور قربانی کا تذکرہ فرمایا ہے اور ایک جگہ تو اتنے دلچسپ انداز میں لکھا ہے کہ گوشت کھائے بغیر گوشت کی لذت کام ودہن میں محسوس ہونے لگتی ہے آپ بھی پڑھیے اور چٹخارے لیجئے:

”اس ناکارہ کو ہمیشہ سے بہت بچپن سے ۹/ ذی الحجہ کے روزے کی عادت رہی اور اس میں افطار کے بعد ایک پیالی چائے کے علاوہ رات کو کچھ نہیں کھاتا تھا، اس لیے کہ اللہ

کے یہاں کل دعوت ہے، میرے سب گھر میں روٹی نہ پکتی تھی، نہ آتی تھی...... سالہاسال یہ دستور رہا کہ تین دن تک میرے گھر میں روٹی نہیں پکتی تھی، اور میرا ایک تفریحی فقرہ بھی بہت مشہور تھا کہ اگر قربانی کے گوشت کے ساتھ روٹی بھی دعوت کا جز ہوتی تو صدقہ فطر بھی ایام اضحیہ میں ہوتا، اس زمانے میں اگر کسی مہمان کے واسطے روٹی کی ضرورت پیش آتی تو بازار سے منگوانی ہوتی'' (آپ بیتی ص ۱۷۴)

کراچی کی دعوت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کراچی (پاکستان) تشریف لے گئے، وہاں کے احباب و متعلقین نے شایان شان ضیافت کا نظم کیا لیکن حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے قلم مبارک سے دستر خوان کا حال اور اپنی جو کیفیت تحریر فرمائی ہے اس سے حضرت کی انتہائی تواضع ٹپکتی ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے قلم سے کچھ نہ لکھوں آپ براہ راست حضرت ہی کی تحریر سامی پڑھ لیجئے:

''میں نے جمعہ کی شب سے کھانے کا مکمّل بائیکاٹ کر رکھا تھا، مگر کراچی کے دوستوں نے اتوار کی شب میں اتنا بڑا دستر خوان تیار کر رکھا تھا کہ اس کو دیکھ کر رہی سہی بھوک بھی جاتی رہی۔

ایک بری عادت یہ بھی ہے کہ اگر دستر خوان پر بہت سی چیزیں ہوں تو رغبت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اصل میں گدھے کی عادت ہے۔ مشہور ہے کہ گدھا جتنا برسات میں دبلا ہوتا ہے اور کسی موسم میں نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ سبزہ بہت زیادہ ہوتا ہے وہ کھڑا سوچتا ہے کہ کہاں سے چروں۔ یہ حماری عادت مشابہ بالحمار میں بھی ہے۔ دستر خوان پر پانچ چھ طرح کی مچھلیاں، سات آٹھ قسم کے چاول اور اتنے ہی مختلف سالن اور سات آٹھ قسم کے میٹھے طبیعت ان کو دیکھ کر بالکل بھر گئی اور باوجود خواہش کے کچھ نہ کھایا گیا''۔ (آپ بیتی)

تین دعائیں: تینوں مقبول

دولت کا یہ عالم کہ لوگ گڈیاں نہیں تھیلیاں بھر بھر کر لاتے تھے اور غربت کا یہ عالم کہ پوری زندگی مقروض رہے، شاہ خرچی ایسی کہ غریب بھی نہال اور مالا مال واپس جائے اور

غریبی ایسی کہ رات کی روٹیاں صبح سالن میں بھگو بھگو کر ذوق وشوق سے کھائی جائیں، دیالو، خرچیلے، فیاض، ضیاف یہ الفاظ ان کے آگے بونے نظر آتے تھے، تنخواہ واپسی کا ارمان تھا جو اللہ نے پورا کیا اور ایسا پورا کیا کہ پائی پائی جو مدرسہ سے تنخواہ میں ملی تھی واپس کردی، پھر تنخواہ واپسی کا سلسلہ چل پڑا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ، حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ، حضرت مولانا رئیس الدین بجنوریؒ، دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ یہ وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے اپنی تنخواہیں واپس کردیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے درسی ساتھی حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ مظاہر علوم کے ناظم تھے شیخ سے پہلے انتقال ہوا، اس وقت حضرت شیخ کی بے چینی دیدنی تھی، خود بارِ نظامت اور کارِ نظامت سے دور رہنا پسند کرتے تھے لیکن چاہتے تھے کہ مظاہر علوم کو شایان شان ناظم مل جائے چنانچہ ایک دفعہ مدینہ منورہ سے تشریف لائے، دار جدید کی مسجد میں تقریر اور نصیحت فرمائی، دوران تقریر فرمایا کہ میں نے تین دعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگی ہیں دو تو قبول ہو چکی ہیں تیسری دعا کے قبول کی آپ حضرات دعا فرمائیں

پہلی دعا تو یہ تھی کہ میرے شیخ ومرشد حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی بذل المجہود شائع ہو جائے اور الحمد للہ شائع ہوگئی۔

دوسری دعا یہ تھی کہ مظاہر علوم کو اس کی شایان شان ناظم مل جائے اللہ کا شکر ہے قاری مظفر ناظم ہو گئے۔

تیسری دعا کی قبولیت باقی ہے آپ حضرات بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ میں انتقال اور تدفین قبول فرمائے۔

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ تیسری دعا بھی قبول ہوئی اور جنت البقیع میں امہات المؤمنین کے قریب دفن ہوئے۔ (حیات مظفر: از مولانا عبد العزیز قاسمی میرٹھ)

پھول ایک مگر رنگ تین

آپ کے مشورہ کے مطابق میں سہارنپور پہنچا، حضرت شیخ سے ملاقات ہوئی تو آپ پر

بڑا غصہ آیا کہ کس کے پاس بھیج دیا جو اخلاق نہیں رکھتے، لیکن انہوں نے وعدہ لے لیا کہ دوپہر میں ملاقات ہوگی، وعدہ کی وجہ سے مجھے رکنا پڑا، دوپہر میں جب ملاقات ہوئی تو لگا ہی نہیں کہ یہی صاحب ہیں جن سے صبح کی ملاقات کا تکدر اب تک باقی ہے لیکن اب جن شیخ صاحب سے ملاقات ہوئی وہ تو واقعی بڑے خوش اخلاق، خلیق، شفیق، مہمان نواز، بے تکلف مجھے لگا ہی نہیں کہ میری ان سے آج پہلی ملاقات ہے بلکہ لگتا تھا برسوں کا یارانہ ہے، فرمانےلگے کہ آپ وکیل ہیں، میرٹھ میں رہتے ہیں، کاندھلہ سے مولانا احتشام نے بھیجا ہے، صبح کا وقت میرے لئے بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے، مطالعہ کرنا، مہمانوں کو دیکھنا، وقت پر درسگاہ پہنچنا، سبق پڑھانا وغیرہ، آپ خود وکیل ہیں جب آپ دستاویزات پڑھ رہے ہوں، مسلیں دیکھ رہے ہوں، دماغ پورے طور پر الجھا ہوا ہو، ایسے وقت میں آپ سے بات کرے تو کیسا لگے گا، بہرحال حضرت شیخ نے بڑی خاطر تواضع کی، ڈھیر ساری باتیں کیں اور پھر فرمایا کہ اچھا اب آپ آرام کریں اب عصر میں ان شاء اللہ ملاقات ہوگی، عصر میں میں نے جو دیکھا وہ لفظوں سے بیاں کرنا مشکل ہے، نہ صبح والے تھے، نہ دوپہر والے تھے بلکہ اب تو رنگ ہی بدلا ہوا تھا، لوگوں کا ایک ہجوم تھا، نورانی شکلوں میں گویا فرشتوں کی ایک انجمن تھی، خود شیخ صاحب ایسے دکھائی دے رہے تھے جیسے ہالے میں چاند، کیا منظر تھا، بڑے بڑے لوگ، بڑی بڑی ہستیاں، مؤدب، خاموش، ایک صاحب کتاب پڑھ رہے ہیں اور پوری مجلس ہمہ تن گوش، میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے ایسی ہستی سے ملاقات کے لئے رہنمائی فرمائی جن کی ایک ذات میں میں نے تین انسان الگ الگ دیکھے۔ اللہ حضرت شیخ الحدیث پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ اور اسٹیشن ماسٹر

بڑا بننے کے لئے چھوٹا بننا ضروری ہے، استقبال کرانے کے لئے پہلے خود استقبال کرنا بھی ضروری ہے، انسان تب تک عرشی نہیں بن سکتا جب تک فرشی نہ بن جائے، سات سماوات کی سیر کے لئے ضروری ہے کہ یہ جو زمین ہے ہم اسی زمین سے لگنے کی کوشش کریں، ہم تو مشت خاک ہیں، خاکی کو خاک میں مل کر ہی سرفرازی نصیب ہوتی ہے،

عاجزی اور تواضع میں بلندی پوشیدہ ہے، رفعت اور عظمت مسکنت میں مستور ہے، انا، گھمنڈ، کبر، یہ چیزیں بڑا بننے میں سدسکندری ثابت ہوتی ہیں، ان چیزوں سے قطع تعلق کیجئے، سب کو چھوڑ رب سے جوڑ پیدا کیجئے، خودی بلند کیجئے، خودداری اختیار کیجئے، دنیا اور علائق دنیا سے قطع تعلق کر کے خالق سے رابطہ پیدا کیجئے کامیابی آپ کے نام اور کامرانی آپ کے قدموں میں۔

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ برما سے سہارنپور واپس تشریف لا رہے ہیں، مظاہرعلوم کے چھوٹے بڑے اساتذہ بھی استقبال کیلئے ریلوے اسٹیشن پہنچ رہے ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ پٹھانپورہ میں تھے، وہیں سے اسٹیشن پہنچ گئے، جیب میں پائی نہیں اور ضابطہ کی خلاف ورزی برداشت نہیں، ٹرین کا وقت ہو چکا تھا، جن سے ادھار پیسے مل سکتے تھے وہ سب اندر جا چکے تھے، ایک موہوم سی امید کے ساتھ ٹکٹ ماسٹر (سکھ) سے فرمایا:

"میری جیب میں ایک پائی نہیں ہے اگر ادھار پلیٹ فارم دے سکتے ہو تو دیدو"

کھٹاک کی آواز کے ساتھ ہی بابو نے پلیٹ فارم ٹکٹ دیدیا، اندر پہنچے تو مشہور استاذ حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ نظر آئے، حضرت شیخ الحدیث نے ان سے پوچھا کہ کیا جیب میں چار پیسے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا جی ہاں بہت ہیں، شیخ الحدیث نے فرمایا کہ آپ ٹکٹ ماسٹر کو چار پیسے دے آویں، میں نے ٹکٹ ادھار لیا ہے، مولانا نے فرمایا کہ آپ مذاق کر رہے ہیں بھلا ٹکٹ بھی کوئی ادھار دیتا ہے، فرمایا، میرا تو سارا نظام ادھار سے چلتا ہے بھلا ٹکٹ کیا چیز ہے، بہرحال حضرت شیخ نے چار پیسے لئے اور کھڑکی کی طرف بڑھے، حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ لپک کر کھڑکی کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ کسی نے ادھار ٹکٹ لیا ہے؟

بابو بولا جی ہاں، مولانا نے فرمایا کہ کہیں ٹکٹ بھی ادھار ملتا ہے؟

بابو بولا:

"ملتا تو نہیں لیکن ان کی صورت کہہ رہی ہے کہ یہ دھوکہ نہیں دے رہے"۔

شرح جامی سفر میں پڑھ لی

طلبہ نہ تب کم محنتی تھے نہ اب، سارا مسئلہ استاذ کا ہے، استاذ محنتی ہو، باذوق ہو، حسن کردار اور حسن گفتار میں اعلیٰ ہو، باصلاحیت اور خوف خدا رکھنے والا ہو، طلبہ کو اپنی اولاد سمجھتا ہو، اولاد اور طلبہ میں کوئی فرق و امتیاز نہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں طلبہ اب بھی اچھے اور بہترین صلاحیت کے مالک نکل سکتے ہیں، یہ صرف کہی نہیں دیکھی بتا رہا ہوں۔ لیکن اساتذہ اگر اس کے برعکس ہوں، کام چور ہوں، آلکسی اور سست رو ہوں، تن تنبل اور تن آسان محض تنخواہ کے طالب ہوں، حقوقِ طلبہ کی ادائیگی میں کاہل اور علوم وفنون میں جاہل ہوں، تقویٰ سے دور، خشیت سے نفور، ہمدردی کے دشمن اور خیر خواہی سے بیر رکھنے والے ہوں تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ طلبہ کیسے تیار ہوں گے۔ اچھی زمین میں پیڑ پودے بھی اچھے پیدا ہوتے ہیں، خراب اور زمین شورہ میں گل اور گلاب نہیں اگا کرتے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کو یوں تو سبھی اساتذہ اچھے ملے لیکن ان کے ذہن ودماغ پر جن اساتذہ کی محنت اور توجہ کا عکس ونقش تادم حیات باقی رہا ان میں خود آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ بطور خاص لائق ذکر ہیں، بڑی تعداد کو مختلف علوم وفنون کم سنی وکم عمری میں ہی گھول کر پلا دیئے، خود اپنی ابتدائی تعلیم کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے صرف میر، پنج گنج، تین چار دن میں سنا دی تھی۔ نحو میر کے زمانہ میں اردو سے عربی، عربی سے اردو بنوانے کا بہت زور تھا، نحو میر کے ساتھ مختصر چہل حدیث شریف پڑھانے کا خاص دستور تھا۔ ہدایۃ النحو اور کافیہ کا سبق ساتھ ساتھ ہوتا جس میں کافیہ اصل اور ہدایۃ النحو اس کے تابع، جتنی صبح کو ہدایۃ النحو پڑھی اتنی شام کو کافیہ پڑھی، کافیہ کی ترتیب اصل ہوتی تھی۔ اسی طرح قدوری اور کنز پڑھی صبح کو قدوری بطور مطالعہ کے اور اسی مقدار کی کنز شام کو۔ اس سیاہ کار نے شرح جامی کاندھلہ کے سفر میں صرف تین دن میں پڑھی تھی۔ پڑھتے ہوئے ہمیں پتہ نہ چلا کہ حاصل محصول تو بڑے معرکہ کی بحث ہے اور بحمد اللہ اٹھارہ دن میں پڑھی تھی“۔ (آپ بیتی)

ذکر کی لذت

ذکر بقدر توفیق سبھی کرتے ہیں، کچھ کی عادت ذکر کی بن جاتی ہے، کچھ ماحول کے باعث ذکر کرنے لگتے ہیں، ذکر تو کرنا ہی پڑتا ہے خوشی میں کیا جائے یا غمی میں، خوشی کا ذکر ذکر ہے غمی کا ذکر مجبوری ہے، جب پریشانیاں مقدر ٹھہریں، مصائب آگھیریں، شدائد گھیرا بندی کرلیں، ”نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن“ کی صورت درپیش ہو تو انسان بے ریا ہو کر خالص ومخلص ہو کر اللہ کو پکارتا ہے اور اللہ تب بھی سنتا ہے، کیوں نہ سنے سننے والی ذات وہی، مدد کو پہنچنے والی ہستی وہی، آنسو دے کر ثواب دینے والی اور ثواب دے کر آنسو پونچھنے والی ذات احکم الحاکمین کی ہے، حکم اسی کا، ملک اسی کا، کائنات اسی کی اور کائنات کی گہما گہمی اسی کی مرہون منت ہے۔

اسی لئے میں کہتا ہوں اور یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ایک خدا ہے، ایک خدائی ہے، اسی کی ذات کو بڑائی زیب دیتی ہے، کبریائی اسی کو مسلم ہے، وہی ہماری مدد کو پہنچتا ہے، وہی ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے، جب ہر صورت اسی کی بادشاہی چلنی ہے تو بس اس ایک کو راضی کرلو اور عیش کرو، اگر خلاف کیا تو اس کا غصہ برداشت کرنے اور اس کا غضب جھیلنے کی طاقت کسی مخلوق میں نہیں ہے، اسی لئے ہر آن ہر مکان اور ہر زمان اسی کو یاد کرو، وہی یاد کئے جانے کے لائق ہے۔

انسان ناشکرا تو ہے ہی، حکم عدولی اس کی عادت اور سرتابی اس کا مزاج ہے، خود ارشاد فرمایا: **إن الإنسان خلق هلوعاً** پھر اس کی دو عادتیں بھی بتائیں اور گنائیں: **إذا مسه الشر جزوعاً**، ضر اور ضرر، حیرانی اور پریشانی پہنچتے ہی فزع وجزع شروع کردیتا ہے اور **وإذا مسه الخير منوعاً** خوشی وخوش حالی میں مشکل اور مصیبت کو یکسر فراموش کردیتا ہے، نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا بھی ارشاد گرامی ہے: **شر ما في الرجل: شحٌّ هالع وجُبن خالعٌ.** (ابوداؤد)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے جس گھر میں آنکھیں کھولیں وہاں پہلے سے ہی الا اللہ کی ضربات سے شیطان گریہ کناں تھا، حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ اجل

حضرت مولانا محمد یحییٰؒ آپ کے والد ماجد تھے، حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد محدثؒ کے مسترشد حضرت مولانا محمد الیاسؒ آپ کے حقیقی چچا تھے، آپ کا گھر اور گھرانا ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق تھا، ویسے بھی کاندھلہ اللہ والوں کی بستی ہے، اس پر صدیوں سے رحمت خداوندی کی موسلا دھار بارش برس رہی ہے، آپ حضرت گنگوہیؒ کی گود میں کھیلے، کھیلتے ہوئے ان کی گردن سے لٹکے، ان کے پیار اور دلار سے مالا مال رہے، اس لئے ذکر، تلاوت، مناجات، نمازیں، یہ سب چیزیں بلکہ یہی سب چیزیں ان کے گھر میں تھیں، آپ بھی اسی ماحول میں پروان چڑھے، کبھی انھیں مستقل تربیت لینے اور ذکر کی عادت ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑی، بچپن میں حضرت گنگوہیؒ کی گود میں بیٹھ کر اللہ اللہ، والد ماجد کی گود میں اللہ اللہ کیا، والدہ ماجدہ کی گود میں اللہ اللہ کی توفیق ملی۔

ذکر اگر کسی اللہ والے کی اتباع واقتداء میں کیا جائے تو اس کی لذت دو چند ہو جاتی ہے، آپ کی تو عادت ہی پڑی ہوئی تھی، کسی نہ کسی بزرگ کے پیچھے پیچھے اللہ اللہ کہنے کی، اللہ اللہ کرنے کی۔

آپ کے والد ماجد اپنی عمر طبعی گزار چکے ہیں، طویل علالت کے باعث صاحبِ فراش ہیں، چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ دہلی سے بغرض عیادت یہیں پر موجود ہیں، عزیز و اقارب بھی جمع ہیں، دعائیں ہو رہی ہیں، اسی دوران حضرت مولانا عنایت الٰہی سہارنپوریؒ ناظم مظاہر علوم آپ کے گھر میں داخل ہوتے ہیں، داخل ہوتے ہی نہایت حزین و غمگین رقت آمیز لہجہ کے ساتھ فرماتے ہیں کہ: ''ارے چارپائی کا رخ جلدی بدلو''۔

حسب الحکم فوری طور پر چارپائی کا رخ قبلہ کی طرف کیا گیا، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ پیکر تسلیم و رضا بنے اپنے بھائی کے سرہانے کھڑے یٰسین شریف پڑھ رہے تھے، ادھر حضرت مولانا محمد یحییٰ کی زبان پر نہایت سرعت اور ضرب کے ساتھ اسم ذات کا ذکر شدت سے جاری تھا، جانکنی اور نزع کی اس کیفیت میں آپ کی جیب بار بار تالو سے لگ رہی تھی پھر بھی قوتوں اور ہمتوں کو مجتمع کر کے ''اللہ'' کہتے تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ پر جو گزر رہی تھی اس کا صرف تصور کیا جا سکتا ہے آپ بے خیالی اور بے

حالی کی اس کیفیت میں جب بھی والد ماجد کی زبان سے ''اللہ'' ادا ہوتا تو اتباع واقتداء میں آپ بھی بے ساختہ ''اللہ'' کہہ دیتے، گویا والد ماجد کی ''اللہ'' کے ساتھ صاحب زادے کی ''اللہ'' ساتھ ساتھ چل رہی تھی، خود حضرت شیخ الحدیثؒ نے مدت کے بعد جب آپ بیتی لکھی تو اس میں اس واقعہ کا والہانہ تذکرہ کیا اور فرمایا کہ:

''جو لطف ولذت اس وقت کے ذکر میں آرہی تھی وہ آج تک کبھی نصیب نہیں ہوئی''

اذهب الى الهند، اذا جاء أجلك نطلب

دنیائے حدیث شریف میں سب سے قدیم اور اہم ترین کتاب ''مؤطا امام مالک'' سے کون واقف نہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی شخصیت بھی پورے عالم میں مشہور ومتعارف ہے، درس وتدریس کے باب میں آپ کی خدمات حدیث کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، سلوک واحسان کے میدان میں بھی آپ کی خدمات سے پوری دنیا مستفیض ہورہی ہے، تصنیفات وتالیفات بھی اتنی ہمہ جہت اور کثیر ہیں کہ شاید ہی کوئی شخص ہوگا جو آپ کی کسی نہ کسی تصنیف یا تالیف سے فیض یاب نہ ہو رہا ہو، فضائل اعمال ہی کو لے لیں قرآن کریم کے بعد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بن چکی ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کو عشق الٰہی کے ساتھ عشق رسول کی تپش اور سوزش نے مضطرب وبے قرار کیا ہوا تھا، عشق رسول کے تو اتنے قصے اور اتنے واقعات ہیں کہ مکمل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

مدینہ منورہ میں قیام کی چاہت اور خواہش کے پس پشت بھی عشق نبوی کارفرما تھا، مدینہ منورہ میں زیادہ سے زیادہ قیام کرتے تھے اور ہر وقت کی دعا بھی یہی ہوتی کہ کاش:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت، یہی آرزو ہے

مؤطا امام مالک کی شاندار و بے نظیر عربی شرح ''اوجز المسالک'' وہیں لکھنی شروع کی تاکہ حدیث شریف کی خدمت بھی جاری رہے اور زندگی کے رہے سہے اوقات بھی اسی نیک کام اور بابرکت مقام پر صرف وختم ہوجائیں اور جنت البقیع میں دو گز زمین بھی مل

سکے، اس شرح کی ابھی تقریباً ڈیڑھ جلدیں ہی تیار ہوئی تھیں کہ ایک دن حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، حکم عالی ہوا کہ ”اذھب الی الھند، إذا جاء أجلک نطلب“

(ہندوستان چلے جاؤ، جب تمہارا وقت موعود آئے گا، ہم بلالیں گے)

غور کیجئے! دنیا کا ہر مؤمن اس ارض مقدس پہنچنے کی خواہش اور وہاں مرنے کی تمنا کرتا ہے، آپ بھی جب بھی وہاں پہنچے یہی دعا یہی استدعا اور یہی امید و آرزو لے کر پہنچے کہ ممکن ہے یہ میرا آخری سفر ہو جو وسیلہ ظفر ہو، لیکن شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کو بڑی سرکار سے حکم دیا جا رہا ہے کہ ابھی ہندوستان چلے جاؤ، جب تمہارا وقت موعود آئے گا ہم بلالیں گے“، حکم حاکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں، حکم عدولی کا کوئی تصور بھی ممکن نہیں بلکہ وہاں تو یہ حالت تھی کہ حکم تو دور کی بات ہے اشاروں اور کنایوں پر بھی جان نثار کرنے کے منتظر رہتے تھے، چنانچہ ہندوستان واپس آگئے، اللہ تعالیٰ نے بڑا کام لیا، ملک کی تقسیم کا خوفناک واقعہ ہوا اس میں بھی آپ نے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے، رکنے اور روکنے کی بھرپور کوشش فرمائی، مدینہ منورہ میں قیام کے دوران اگر کہیں کا سفر ہوتا تو طبیعت بے کل و بے چین ہو جاتی، اسی دور میں کئی ملکوں کے سفر ہوئے لیکن جہاں کہیں طبیعت بگڑی تو فوراً بڑی سرکار سے کیا ہوا وعدہ یاد آجاتا اور سکون کا سامان ہو جاتا، ایک بار لندن تشریف لے گئے وہاں بھی بہت بیمار ہو گئے، آپ کے اصل داعی اور میزبان آپ ہی کے شاگرد رشید اور مسترشد خاص حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ کا بیان ہے کہ بیماری اتنی شدید تھی کہ آس یاس سے بدل گئی، یقین ہو گیا کہ اب حضرت کا آخری وقت آن پہنچا لیکن رفتہ رفتہ طبیعت سنبھل گئی، میں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت! ہم لوگوں کو تو پکا یقین ہو گیا تھا کہ اب جدائی کا وقت ہو چکا ہے اور میں نے تو جنازہ لے جانے کے لئے ایک چارٹرڈ ہوائی جہاز کا بھی نظم کر لیا تھا، مسکرائے اور فرمایا:

”کیا تمہیں یاد نہیں مجھ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ:

”اذا جاء أجلک نطلب“

(جب تمہارا وقت موعود آئے گا، ہم یاد فرمالیں گے)

میرے لئے کوئی فکر مت کرو، میں نہ یہاں یا اور کہیں مرتا ورتا نہیں، مجھ سے تو وعدہ فرمایا گیا ہے''

پھر چشم فلک نے دیکھا کہ وہ خواب جو آپ نے تقریبا پچاس سال پہلے دیکھا تھا اس کی تعبیر حسب وعدہ پوری ہوئی آپ کو مدینہ منورہ بلایا گیا، وہیں پر وفات ہوئی اور جنت البقیع میں امہات المؤمنین کے قریب تدفین ہوئی۔

(مستفاد: جمال محمدی: درس حدیث کے آئینے میں)

حضرت مولانا نور محمد خان ٹانڈویؒ ۱۴۰۲ھ

ٹانڈہ ضلع فیض آباد

ٹانڈہ: فیض آباد کا مشہور قصبہ ہے، جہاں علم بھی ہے، صنعت بھی، معیشت بھی ہے، دین بھی، دنیا بھی ہے، عصری ادارے بھی، دینی مراکز بھی ہیں، تجارتی شعبہ جات بھی، علماء کا مرکز بھی ہے، سیاسی افراد کا علاقہ بھی، اجودھیا کا جوار بھی اور لکھنؤ کا مضافات بھی، یہاں بدعت شباب پر ہے تو شیعیت عروج پر، دیوبند کی روشنی بھی ہے بریلی کی تاریکی بھی، اودھ کا رنگ بھی ہے اجودھیا کا سنگ بھی، ایمان کی چمک بھی ہے کفر کی رمق بھی، اکابر اہل اللہ کا مولد بھی ہے اور ادباء کا مسکن بھی، بزرگان دین کی آمد بھی ہوتی ہے اور شعرائے کرام کی آورد بھی، کئی دہائیاں پہلے اس سرزمین نے بڑے بڑے مناظروں کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے، حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی گھن گرج آج بھی یہاں کے لوگ محسوس کرتے ہیں، بریلیوں کے بھاری بھر کم دگج مولوی اپنے لمبے چوڑے عبا وقبا، جبہ ودستار اور صافہ و عمامہ کے ساتھ علمائے دیوبند سے برسر پیکار دکھائی دیتے ہیں، شدھی سنگٹھن کے دیوہیکل پجاری بھی کفر وشرک کی ترجمانی کرتے دکھائی دیتے ہیں، جس قصبہ کے حالات ایسے ہوں تو بھلائی نسل کی ذہن سازی پر مستقل محنت کی کہاں ضرورت پڑے گی حضرت مولانا نور محمد ٹانڈویؒ اسی قصبہ کے پروردہ وپرداختہ تھے، اسی ماحول میں ان کا بچپن اور لڑکپن گزرا، مکتب ومدرسہ میں تعلیم کے دوران بھی اساتذہ اور اپنے بڑوں کی زبانی ایسے ہی واقعات سنتے اور تربیت پاتے رہے پھر پہنچے مظاہر علوم سہارنپور جہاں کا ماحول پہلے سے ہی نورانی اور عرفانی تھا اس پر مستزاد یہ کہ ۱۳۳۰ھ میں ایک انجمن بھی قائم ہوگئی جس کے مقاصد میں

تحفظ عقائد وشریعت، تشخص دین ومذہب اور دعوت ایمان وقرآن ہے، جس کا مقصد بلند اور نصب العین عظیم ہے، احقاق حق بھی ہے ابطال باطل بھی، دین اسلام کی نشر واشاعت بھی ہے اور اسلام پر اعتراضات کا تسلی بخش جواب بھی پھر یہاں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ بھی ہیں جنھوں نے مولانا احمد رضا خانؒ کی زہریلی کتاب کا جواب المہند علی المفند کی شکل میں دیا، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ بھی ہیں جنھوں نے بہت سے مناظرے کئے اور اسلام کی عظمت کے پھریرے لہرائے۔

اس طرح کے ماحول میں اگر ٹانڈہ کا یہ بچہ پہنچے تو کیا کچھ بال وپر نہیں نکالے گا، حالات سازگار، ماحول موافق اور مواقع بہترین، اسی لئے ہدایت الرشید نامی اس انجمن میں شامل ہو گئے، تقریری مشق کی، مناظروں کی تربیت لی، مظاہر علوم کے سالانہ جلسوں میں تقریر کرنے کا موقع طالب علمی کے دوران خوب دیا گیا تاکہ حوصلہ کے ساتھ زور خطابت پیدا اور قوت استدلال ہویدا ہو، ہفتہ وار مناظروں کی نشستیں منعقد ہوتیں اس میں بھی مخفی صلاحیتوں کے ابھرنے اور پوشیدہ جوہر کے نکھرنے کا سامان بہم پہنچا، اساتذہ کی سرپرستی ملی، انتظامیہ نے مواقع پیدا کئے اور پھر جب فارغ ہوئے تو حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے اس نگینہ کو پنجاب کے ایسے علاقہ میں بھیجا جو کفرزدہ، بدعت زدہ، ظلمت زدہ، آتشکدہ اور میکدہ بنا ہوا تھا، مولانا وہاں پہنچے، ان کو ان کے بڑوں نے جو سبق پڑھایا سکھایا اور دیا تھا آپ اس سبق کو سبک رفتاری کے ساتھ یاد کرنے کرانے لگے، کبھی بدعات کے پیچھے لٹھ لے کے دوڑے، کبھی خرافات کا تعاقب کیا، کبھی کفر سے آنکھیں ملائیں کبھی شرک کو کھدیڑا، کبھی قادیانیت کو بیخ وبن سے اکھیڑا تو کبھی شدھی سنگٹھن کے سیل وسیلاب پر بندھ باندھا اور اس طرح دنیائے ضلالت وذلالت کو اسلام کے نور ونکہت سے پرنور کرنے میں لگے رہے، جٹے رہے تا آنکہ مظاہر علوم کی انجمن کو ہی ایک مناظر کی ضرورت پیش آئی اس لئے آپ کو اپنے گھر (مادر علمی) بلالیا گیا۔

مبلغ، مدرس، مناظر اور انشاء پرداز

یہاں پہنچ کر تو آپ کے پر پرواز میں مزید قوت آ گئی، ملک کے طول وعرض میں

گئے، پھر ملک سے باہر نکلے اور بہت سے ممالک وامصار تک پہنچے، دعوت حق کا علم لے کر جہاں جہاں پہنچے فتحیاب ہوئے، لسان تو تھے ہے ساتھ ہی ادب پر قدرت بھی حاصل تھی، مناظر ایسے کہ مد مقابل نام سن کر ہی پست ہمتی کا شکار ہو جائے، دلائل و براہین اور ماخذ ومظان ان کے سامنے دست بستہ دکھائی دیتے تھے، جو بھی کتاب لکھی حق ادا کردیا، مرزا قادیانی کو قادیان تک چھوڑ کر آئے۔

اعلیٰ حضرت کا حقہ شریف

مولانا احمد رضا خان بریلوی کے فرسی حقہ کو توڑ دیا، اس کی چلم کو پھوڑ دیا، اس کے نیچہ کو دو نیم، کوئلے کو ٹھنڈا اور توی کی پھرکی بنادی، اس کی ''نے'' کو دولخت اور اس کے وجود کو بے وجود کر کے دم لیا، گڑ گڑانے والا حقہ گڑ گڑانے لگا اور اس شان کے ساتھ اعلی حضرت کا حقہ شریف نامی کتاب لکھی کہ خرمن بریلویت میں زلزلہ بپا ہو گیا، بدعات کے محل میں ہلچل پیدا ہوگئی، ظلمات کی وادیوں میں دغدغا اور شور وشر کے ماحول میں ہدایت کا غلغلہ بلند ہوا، نور محمد کے محمدی نور نے بدعت اور بدعتیوں کے پرخچے اڑادئے۔

مرزا قادیانی کا کید لایعنی

اسی طرح مرزا جی کی اول فول اور ہفوات وبکواس کا ترکی بترکی جواب دیا، کبھی مرزا جی کی دشنام طرازیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مغلظات مرزا لکھی، تو کبھی مرزا جی کے امراض کی لسٹ اور فہرست مرتب کر کے امراض مرزا نامی کتاب مرتب کی، کبھی مرزا جی کی بے ربط باتوں، متضاد عبارتوں اور ناقابل فہم چیزوں کو اختلافات مرزا کی شکل دی تو کبھی مرزا کی کفریہ، شرکیہ اور واہی تباہی باتوں کو کفریات مرزا کا نام دیا، مرزا جی کی رنگین مزاجی، گرگٹ کے مانند بدلتے رنگ اور ڈھنگ کو قلم بند کر کے رکھ دیا اور پھر دنیا والوں سے ہی لگے پوچھنے کہ کرشن قادیانی آریہ تھے یا عیسائی؟ تقریر پر قدرت ایسی حاصل تھی کہ مجمع پر سناٹا ہو جاتا تھا، سانسیں تھم جاتی تھیں، قدم رک جاتے تھے، سکون اور سکینہ کا گویا نزول ہونے لگتا تھا، ظریف الطبع بھی تھے، لہجہ رسیلا، اسلوب البیلا، انداز چلبلا اور اشارات و

کنایات، حرکات وسکنات میں دلآویزی ایسی کہ اگر بریلویت کے خلاف کچھ بولتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے دھوبی کپڑے کو دھوتے وقت اٹھاتا تو بڑے پیار سے ہے لیکن وہی کپڑا جب پڑاوند پر گرتا تو کپڑے کے کس بل نکل جاتے، سچ کہتا ہوں وہ باطل کے ابطال میں اپنی نرم زبان اور گرم لہجہ سے ایسے مارتے تھے کہ اس کی لذت سے آشنا کان اب بھی محظوظ ہوتے ہیں، لاریب وہ بھگو بھگو کر مارتے تھے، جس طرح بندر سانپ کے پھن کو رگڑ رگڑ کر سونگھتا ہے کہ مرا یا نہیں بالکل مولانا بھی باطل کو پٹخ پٹخ کر مارتے تھے تا آنکہ اس کا دم رک جائے، سانس گھٹ جائے۔

اندازِ تقریر

آپ کی تقریریں لفاظی یا تعبیرات کی جادوگری سے پاک، حقائق ودقائق، صدق و سچائی اور تجربات ومشاہدات کی آئینہ دار ہوتی تھیں، تقریر سے پہلے بھرپور مطالعہ فرماتے تھے، مختلف کتابیں، کتابوں کے اسباق، اسباق کے اسرار، اسرار سے نکتے اور نکتے سے لطیفے پیدا کر لیتے تھے، جب نکتے اور پر لطف لطائف وظرائف بیان فرماتے تو حاضرین اجلاس زعفران زار اور شیعیت وبریلویت زار ونزار نظر آتی تھی، اتنے اعتماد ویقین اور کامل وثوق سے اپنی بات رکھتے تھے کہ مخالف بھی اختلاف رائے سے پہلے کئی بار سوچتا تھا، ایسی ہی کسی تقریر کو سن کر محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے فرحت و مسرت اور نشاط وانبساط کے عالم میں ارشاد فرمایا کہ

”تم تقریر بہت عمدہ کرتے ہو، تم تو علامہ ہو، میری طرف سے چار روپے ماہانہ طے کئے جاتے ہیں“

یہ حوصلہ افزائی کا انداز تھا، بڑے اپنے چھوٹوں کو یوں ہی حوصلہ افزا کلمات، داد تحسین وآفرین اور شاباشی کے ذریعہ بڑا بنا دیتے ہیں، ہر بچہ میں کچھ کرنے کی طلب، آگے بڑھنے کی تڑپ اور بڑا بننے کا شوق ہوتا ہے، اب یہ بڑوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ چھوٹوں کی ذہن سازی کس طرح کرتے ہیں، قابل ذکر ہے کہ حضرت محدث سہارنپوریؒ کی زبان فیض ترجمان سے ”علامہ“ نکلا اور آپ علامہ ہی کہے جانے لگے۔

اسلوب نگارش

تقریروں کی طرح آپ کی تحریریں بھی مرتب، مدلل، مکمل اور محقق ہوتی تھیں، اکابر اہل اللہ بھر پور اعتماد فرماتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ کی یہ سطور پڑھئے:

’’مرزائیوں کا گمراہ فرقہ اپنے گمراہ کن خیالات کے زہریلے اثرات کی اشاعت میں جس سرعت کے ساتھ مصروف ہے اس کو دیکھتے ہوئے میرے محترم عزیز جناب مولانا نور محمد خان صاحب مدرس ومبلغ ومناظر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے اس فتنہ عمیاء کے قلع قمع کے لئے ایک کامیاب ومؤثر طریقہ اختیار کیا کہ خارجی و بیرونی حملوں کو چھوڑ کر اس کے استیصال میں اندرونی وداخلی ضربوں کی طرف توجہ مبذول فرمائی‘‘

مغلظات مرزا سے حضرت کامل پوریؒ کی تفصیلی تقریظ سامی کا یہ ایک اقتباس ہے، اسی کتاب میں مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کی تقریظ بھی پڑھنے کے لائق ہے، ایک اقتباس بطور ’’مشتے از خروارے‘‘ پیش خدمت ہے:

"میں عزیز محترم جناب مولانا مولوی حافظ نور محمد خان مبلغ ومناظر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کو عرصہ سے جانتا ہوں اور آپ کی ملی وقومی خدمات کو احترام کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں، آپ نے مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں کامیاب قلم اٹھایا ہے‘‘۔

یہی نہیں کہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ نے تقریظ لکھی بلکہ قطعہ تاریخ بھی تحریر فرمایا جو انتساب والے صفحہ پر موجود ہے۔

انتساب کا ذکر آگیا تو بتاتا چلوں کہ آپ نے اپنی کتاب ’’مغلظات مرزا‘‘ کا انتساب امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی طرف کیا ہے اور عمدہ الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا ہے، چلتے چلتے انتساب بھی پڑھ لیتے ہیں:

"فتنہ مرزائیت کے قلع وقمع میں مجاہد ملت، شیر اسلام حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ امیر شریعت پنجاب نے جس عزم وہمت، استقلال وعزیمت وایثار کا مظاہرہ کیا ہے اور مسلمانان ہند کو اس گمراہ فرقہ کے دجل وفریب سے آگاہ کرنے کے لئے جیسی سعی بلیغ وجدوجہد فرمائی ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں اپنی اس ناچیز تالیف کو انتہائی عقیدت اور

دلی تمنا سے آپ کے نام نامی واسم گرامی سے منسوب کر کے افتخار حاصل کرتا ہوں۔ ع
گر قبول افتد زہے عز و شرف

ہمہ جہت ہمہ صفت

بہر حال بہت سی خوبیوں سے مرصع اور بہت سے کمالات کا مرقع تھے، مظاہر میں دس سال تک اس شان کے ساتھ رہے کہ طلبہ میں مقبول، اساتذہ کے درمیان ممدوح، عوام کے درمیان مشہور اور خواص کے درمیان اعتماد کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، ایک طرف آپ اچھے استاذ تھے اور محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئیؒ جیسے باکمال عالم آپ کے تلمیذ ہوئے وہیں دوسری طرف داعی اسلام بھی تھے اور دعوت الی اللہ میں ہی اکثر وقت گزرا، ایک طرف کامیاب و بے باک مناظر تھے تو دوسری طرف مدرسہ کی انجمن ہدایت الرشید کے اشاعتی امور کے انچارج و ذمہ دار بھی رہے۔

مظاہر علوم کے بعد مختصر مدت کلکتہ میں تفسیری حلقہ کے ذریعہ قرآنی خدمت انجام دی بعدہ ٹانڈہ پہنچ کنز العلوم نامی مدرسہ کے روح رواں بنے، مدرسہ بھی الحمد للہ ترقیات سے ہمکنار رہا۔

زمیں کی امانت زمیں کے حوالے

عمر عزیز کا سفینہ ہچکولے کھاتے، مست خرامی کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے ساحل تک پہنچ گیا، منزل آگئی، سفر تمام ہوا، عمر کی بے قراری نے قرار پکڑا، روح مستعار واپس لے لی گئی اور قیامت تک کے لئے ۱۱/شوال المکرم ۱۴۰۲ھ کو ٹانڈہ کی خاک میں پیوند خاک ہوئے... فرحمہ اللہ

مستفاد:

- حیات اسعد: مولانا نسیم احمد غازیؒ
- مجموعہ رسائل مولانا ٹانڈویؒ: مرتب مولانا شاہ عالم گورکھپوری
- مغلظات مرزا (پہلا ایڈیشن)
- علمائے مظاہر علوم کی علمی و تصنیفی خدمات از مولانا محمد شاہد مظاہری)

حضرت مولانا ظریف احمد پورقاضویؒ ۱۴۰۲ھ

آلاتِ علم کا احترام

آپ پورقاضی ضلع مظفرنگر کے رہنے والے تھے، اساتذہ کی فہرست میں خاص طور پر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ قابل ذکر ہیں، مظاہرعلوم میں پڑھا مظاہرعلوم میں پڑھایا، مظاہرعلوم ہی ان کی کل کائنات تھی، خود تاحیات کرایہ کے مکان میں رہے، تین بیٹے بھی ہوئے مولانا عتیق احمدؒ، مولانا عشیق احمدؒ اور انیق احمد، حضرت مولانا عشیق احمدؒ اخیر عمر میں مظاہرعلوم میں استاذ رہے، کرایہ کے مکان میں زندگی بسر کی، دونوں مجرد رہے اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو جگہ جائداد، دولت روپے پیسے کچھ بھی نہیں چھوڑا، کن فی الدنیا کانک غریب کی اس سے بڑی مثال میں نے نہیں دیکھی۔

صاحب تذکرہ کا نام حضرت مولانا سید ظریف احمد (متوفی ۱۴۰۲ھ) ہے، قاری صدیق احمد باندویؒ، مفتی مظفرحسین اجراڑویؒ جیسے بڑے بڑوں کے استاذ تھے، باکمال مقرر، منفرد لہجہ، دین کی سچی تڑپ، بچوں سے اس قدر پیار کہ اپنے پاس ایک تھیلا (جھولا) رکھتے تھے اس تھیلے میں کبھی چنے کبھی کچھ اور چیز رکھتے تھے، راستے میں جو بھی بچہ ملتا چنے دیتے، پوری گلی محلہ کے ننھے بچے آپ سے اس قدر مانوس کہ مولانا آگے آگے اور بچے ''چیز'' کے لئے پیچھے پیچھے۔

نہایت ذہین وفطین، مضبوط طبیعت کے مالک، صاحبِ علم وفضل، متقی و پرہیزگار، دعوت وتبلیغ سے خصوصی مناسبت اور محبت رکھتے تھے، مختلف مساجد میں نماز کے بعد دینی

کتابوں کے پڑھانے کا بھی مشغلہ تھا۔

جب کوئی امر منکر دیکھتے تو غصہ سے چہرہ تمتما اٹھتا اور کھلم کھلا نکیر شروع کردیتے، کسی کی وجاہت اظہار حق میں مانع نہیں ہوتی تھی۔

مولانا مرحوم کی ایک اور صفت جو ہم خوردوں کیلئے نہایت ہی قابل تقلید ہے اور وہ ہے کاغذ کا حددرجہ احترام، اس سلسلہ میں کوئی امتیاز نہیں تھا کہ کاغذ کس زبان میں لکھا ہوا ہے، ان کے پیش نظر کاغذات پر لکھے ہوئے حروف اور خود نفس کاغذ لائق احترام تھا، حتیٰ کہ چاٹ اور کلفی میں استعمال شدہ کاغذ کو بھی اٹھا کر ایسی جگہ رکھتے تھے جہاں بے ادبی کا امکان نہ ہو۔

چلتے چلتے اچانک جوتے اتار لئے

آج کل جہاں پل جوگیان ہے یہاں پر کسی زمانے میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی، پل بنا تو مسجد سڑک میں آگئی اور شہید ہوگئی، زمانہ بدلتا رہا، نئی نسل آتی اور پرانی نسل جاتی رہی، جن آنکھوں نے یہ مسجد دیکھی تھی وہ جب اس جگہ سے گزرتے تو آہ سرد بھرتے تھے، حضرت مولانا سید ظریف احمد پورقاضویؒ مظاہر علوم کے بڑے استاذ تھے، آپ کا جب بھی یہاں سے گزر ہوتا تو چپل اتار کر ہاتھ میں لے لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہاں مسجد تھی اور مسجد جہاں بن جاتی ہے تو وہاں قیامت تک اور ثریٰ سے ثریا تک مسجد ہی کا حکم رہتا ہے اس لئے یہ جگہ قابل احترام ہے اور تا قیامت قابل احترام رہے گی، اس باب میں حنابلہ شوافع، احناف، مالکیہ سبھی مسالک متفق الرائے ہیں کسی کے یہاں اس سلسلہ میں کوئی نرم رویہ نہیں ہے۔

حضرت مولانا علیم اللہ بستویؒ ۱۴۰۶ھ

دِہاتی کہاں سے آجاتے ہیں

حضرت مولانا علیم اللہ مظاہریؒ (متوفی ۱۴۰۶ھ مطابق ۸ر فروری ۱۹۸۶ء) جب مظاہر علوم سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ نے کیرانہ کی ایک مسجد میں امامت کے لئے بھیج دیا، رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو ایک حافظ قرآن تراویح کے لئے متعین ہوئے۔

تراویح کے دوران امام صاحب سے کوئی ایسی غلطی ہوگئی جس کے لئے نماز کا اعادہ ضروری تھا، سلام کے بعد حضرت مولانا حبیب احمد کیرانویؒ نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ نماز کا اعادہ ہونا چاہئے، حضرت مولانا علیم اللہؒ آپ سے واقف نہیں تھے، لباس اور ہیئت کذائی سے بھی کسی طور عالم و علامہ اور محقق وفہامہ نہیں لگتے تھے اس لئے غصہ میں مولانا علیم اللہؒ کی زبان سے برجستہ نکلا کہ:

”پتہ نہیں کہاں کہاں سے دہاتی مسجد میں آجاتے ہیں اور اعتراض کرنے لگتے ہیں امام صاحب پر“

حضرت مولانا حبیب احمد کیرانویؒ نہ غصہ ہوئے نہ اپنا تعارف کرایا بس صرف اتنا پوچھا کہ کون ہو؟

فخر کے ساتھ جواب دیا کہ میرا نام محمد علیم اللہ بستوی ہے اور مجھے میرے استاذ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ ناظم مظاہر علوم نے یہاں بھیجا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ اچھا اب جب سہارنپور جانا تو ناظم صاحب کو میرا سلام کہنا اور یہ

پوری تفصیل اور اپنا جواب بھی ذکر کرنا۔

مولانا جب سہارنپور پہنچے تو حضرت کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور سلام کے بعد کیرانہ مسجد میں پیش آمدہ مکمل واقعہ بلاکم وکاست گوش گزار کیا، حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ نے پوچھا کہ ان صاحب کا نام کیا تھا؟ جواب دیا گیا کہ اُن کا نام حبیب احمد کیرانوی ہے، اتنا سنتے ہی حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ سنبھل کر بیٹھ گئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے غصہ میں فرمایا کہ

"تمہاری اتنی ہمت کہ تم نے مولانا حبیب احمد کیرانوی کو ایسا کہہ دیا، وہ اِس وقت سب سے بڑے محقق ہیں، ہمارے حضرت تھانویؒ کی کتابوں کی تصحیح کا کام بھی انھوں نے ہی کیا ہے، میرے حضرت کو ان کی تحقیقات پر مکمل اعتماد ہے، میرا حکم ہے اب جب وہاں جانا تو مولانا سے خاص کر معافی مانگنا"

حضرت مولانا علیم اللہ مظاہریؒ کتب خانہ مظاہر علوم کے تاحیات ناظم رہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ متوفی ۱۴۰۹ھ

آستین میں ٹاٹ جوڑ لیا

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کے معتمد خاص، مرکز تبلیغ حضرت نظام الدین کی زبان اور ترجمان، مظاہر علوم کے ہونہار فاضل، شیخین جلیلین حضرت رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے مسترشد، ۱۳۵۶ ہجری میں یہاں داخلہ لیا، ۱۳۶۰ ہجری میں فارغ ہوئے، دار الطلبہ قدیم کی مسجد کلثومیہ میں ایک بار ظہر کی نماز پڑھ کر نکل رہے تھے کہ ناظم مدرسہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رحمہ اللہ کی نظر آپ کی قمیص پر پڑی جس کی آستین آدھی (ہاف) تھی، حضرت نے شفقت کے ساتھ فرمایا کہ

''یہ جو تم نے آدھی آستین کی قمیص پہن رکھی ہے اس سے تمہاری نماز مکروہ ہوگئی''۔

سعادت مند شاگرد نے عرض کیا کہ ''ان شاء اللہ اب جو کرتا سلواؤں گا اس میں آستین پوری لگواؤں گا''

حضرت نے پھر فرمایا کہ ''اس قمیص میں ہی آستین جوڑ لو''

جواب میں مالی تنگی اور وسعت نہ ہونے کا عذر کیا تو حضرت نے فرمایا:

''کیا اس وقت تک اپنی نماز مکروہ کرتے رہو گے؟ ارے بوریئے کا ہی ٹکڑا جوڑ لو''

اور پھر ایک بڑی تعداد نے نماز عصر میں اس طالب علم کو دیکھا جو اپنی آستین میں بوریئے کا ٹکڑا جوڑے شان کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔

بعد میں یہی طالب علم حضرت ناظم صاحبؒ کا خادم بنا اور کچھ ہی سالوں بعد لاکھوں لوگوں کا مخدوم بنا، اس ہستی کا اسم گرامی ''عبید اللہ'' تھا، جو بلیا کے شیخوپور سے اٹھے اور پورے عالم میں چھا گئے۔ (متوفی ۱۹۸۹ء مطابق ۱۴۰۹ھ)

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ ۱۴۱۵ھ

غریب علیؒ

حضرت مولانا مفتی جمیل احمدؒ بن مولانا سعید احمدؒ بن امیر احمد تھانویؒ شوال ۱۳۲۲ھ کو تھانہ بھون میں پیدا ہوئے، تاریخی نام غریب علی ہے، مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں تعلیم شروع کی، پھر جلال آباد میں تعلیم پائی، حکیم الامت حضرت تھانوی کی ایماء پر ۱۳۳۶ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لے کر ابتدائی کتب حضرت مولانا سید ظہور الحق دیوبندیؒ سے پڑھیں، صحیح مسلم، سنن نسائی اور مؤطا حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ سے، بخاری، ترمذی اور طحاوی حضرت مولانا عبد اللطیفؒ سے، ابوداؤد، ابن ماجہ مولانا عبد الرحمن کامل پوریؒ سے پڑھیں۔ پھر حضرت سہارنپوریؒ کے حکم سے حیدر آباد میں درس دیا، ۱۳۴۴ھ میں مظاہر علوم میں ہی تقرر ہوگیا۔ پھر تھانہ بھون مدرسہ امداد العلوم میں عرصہ تک تدریس وافتاء کی ذمہ داریاں سپرد رہیں، پاکستان وجود میں آنے کے بعد مملکت خدا داد تشریف لے گئے اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں بحیثیت مفتی اور استاذ حدیث قیام رہا۔ "**دلائل القران علی مسائل النعمان**" "**تراجم الحماسین**" "**حاشیہ سبعہ معلقات**" "**جمال الاولیاء ترجمہ کرامات الاولیاء**" "**شرح کتاب الادب فی بلوغ المرام**" "**اظہار الطرب فی شرح ازھار العرب**" وغیرہ کتابیں بھی لکھیں۔ اردو عربی اور فارسی شاعری سے بھی بڑی دلچسپی رہی اور الحمد للہ بہت سے معیاری اشعار بھی کہے۔

شامی کا ایک ذاتی نسخہ نہ خرید سکے

آپ کا ارشاد ہے:

’’مجھے زندگی بھر یہ خواہش رہی کہ میں شامی کا ایک نسخہ ذاتی طور پر اپنے لئے خریدوں اور اس کی اس طرح جلد بندی کراؤں کہ ہر صفحہ کے بعد ایک صفحہ سفید کاغذ کا لگا ہو، پھر ہر مسئلہ سے متعلق شامی کے علاوہ دوسری کتابوں میں جو کچھ لکھا ہو وہ شامی کے ساتھ نقل کردوں تاکہ اس مسئلہ سے متعلق تمام پہلو ایک جگہ جمع ہوجائیں مگر افسوس کہ زندگی بھر اتنے پیسے ہی نہ ہوئے کہ اپنی شامی خرید سکوں‘‘ (تذکرہ اولیائے دیوبند)

احتیاط کا یہ عالم تھا

زمانہ علالت میں ایک مرتبہ کئی روز مدرسہ تشریف نہ لے جاسکے کئی روز کے بعد جب جامعہ اشرفیہ میں تشریف لے گئے تو مدرسہ کے مہتمم مولانا عبیداللہ آپ سے ملنے کے لئے دارالافتاء تشریف لائے۔ مولانا شیر محمد علویؒ نے چائے منگالی اور ایک پیالی مہتمم مدرسہ کی خدمت میں پیش کی، مہتمم صاحب نے وہ پیالی مفتی صاحب کی طرف بڑھائی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

’’پہلے مولوی صاحب سے پوچھ تو لو کہ یہ اباحت ہے یا تملیک اور آپ کے لئے یہ پیالی مجھے دینا جائز بھی ہے کہ نہیں‘‘؟

مفتی صاحب نے وہ چائے نوش نہیں فرمائی چنانچہ مولانا شیر محمدؒ نے چائے کی دوسری پیالی آپ کی خدمت میں پیش کی۔

مالی کے پھول کو قبول نہ کیا

ایک مرتبہ آپ جامعہ اشرفیہ میں داخل ہوئے تو مدرسہ کا مالی ایک پھول توڑ کر لایا اور حضرت کو پیش کرنا چاہا، حضرت مفتی صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ:

’’مدرسہ نے تمھیں پھول لگانے کے لئے مالی رکھا ہے پھول توڑ کر لوگوں کو تقسیم کرنے کا تمھیں حق نہیں ہے‘‘۔

ایک سال کی تنخواہ واپس کردی

زندگی کا آخری سال تھا، شدید بیمار تھے، اسی وجہ سے آپ جامعہ اشرفیہ اور دارالعلوم الاسلامیہ روزآنہ تشریف نہ لے جاسکتے تھے، اکثر ناغہ ہوجاتا تھا، دونوں اداروں کے مہتمم

صاحبان نے آپ سے یہ کہہ بھی رکھا تھا کہ آپ کے لئے روز مدرسہ آنا ضروری نہیں پھر بھی آپ کو یہ خیال ہوا کہ میں کما حقہ مدرسہ کے امور سرانجام نہیں دے سکا، چنانچہ آپ نے پورے ایک سال کی تنخواہ دونوں مدرسوں میں واپس جمع کروائی۔

مظاہر علوم سے لی ہوئی پوری تنخواہ واپس کردی

حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ نے مظاہر علوم میں ایک زمانے تک تعلیم دی ہے، آپ یہاں شیخ الادب تھے، عربی ادب کی تدریس میں آپ کو کمال حاصل تھا، آپ کے پڑھائے ہوئے اکثر طلبہ عربی زبان میں بڑے ممتاز رہے ہیں، آپ کا درس حماسہ اور مقامات حریری بڑا مقبول تھا، دوسرے اداروں کے طلبہ بھی درسگاہ میں حاضر ہوجاتے تھے۔ ۱۹۹۳ء میں آپ نے اپنی ایک جائیداد فروخت کی تو مظاہر علوم سہارنپور میں جتنے عرصہ ملازمت کی تھی اس کی ساری تنخواہ کا حساب لگوا کر سب کی سب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے دفتر مالیات میں واپس جمع کروائی۔ (جمیل الفتاوی)

حقوق کی ادائیگی

حضرت مفتی صاحب کو حقوق کی ادائیگی کا بہت اہتمام رہتا تھا۔ پاکستان جانے کے بعد حکومت نے آپ کو جب آپ کی ہندوستان میں رہ جانے والی سکنائی وصحرائی زمین کے عوض تھوڑی سی زمین دینے کی پیش کش کی تو آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ زمین ہندوستانی زمین کے عوض ملی ہے لہٰذا اس میں سے اپنی بہنوں کو بھی مجھے حصہ دینا چاہیے (آپ کی بہنیں اگرچہ انتقال فرما چکی تھیں اور ہندوستان میں آپ ان کو زمین دے بھی چکے تھے) چنانچہ آپ نے اس زمین کی مالیت کو اپنے بہن بھائیوں کے حصص کے مطابق تقسیم کیا اور بہنوں کی اولاد میں ایک بہن لاولد تھی ایک کی دو بیٹیاں ہندوستان میں تھیں اور دوسری بہنوں کی اولاد جو جہاں تھی اس کو وہاں جتنا حصہ اس کا بنتا تھا پہنچایا گیا۔

ہر سال دس نفلی حج بدل

جب اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب کو مالی وسعت عطا فرمائی اور سب بچے برسرروزگار

ہو گئے تھے تو مفتی صاحب نے مدرسہ صولتیہ کے مہتمم مولانا مسعود شمیم کو لکھا کہ:

''اگر جدہ سے کوئی آدمی حج کا احرام باندھ کر حج کرے تو اس پر کتنی رقم خرچ ہو گی اور کیا آپ یہ انتظام کر سکتے ہیں؟ اگر وہ رقم آپ کو ارسال کر دی جائے تو آپ کسی شخص کو مامور کر کے حج بدل نفلی کرا دیں؟۔''

مولانا کی طرف سے اخراجات کی تفصیل اور حج کرانے کی ذمہ داری کی قبولیت کا جب خط پہنچا تو مفتی صاحب نے دس افراد کے حج کے پیسے بھیج دیئے اور اپنے اعزہ مرحومین میں سے دس نام بھی لکھ کر بھیجے کہ ان حضرات کی طرف سے حج بدل نفلی کرادیا جائے۔ (حج بدل نفلی کے لئے وطن سے کرنے کی قید نہیں ہے جہاں سے ممکن ہو کر سکتا ہے)۔

برسہا برس ہر سال دس آدمیوں کے حج کی رقم مدرسہ صولتیہ مکہ ارسال فرماتے اور اپنے خاندان کے مرحومین کی طرف سے حج بدل نفلی کراتے رہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں اپنے اعزہ کی طرف سے یہ حج بدل اس لئے کراتا ہوں کہ قیام پاکستان سے قبل سونا چونکہ کافی سستا تھا اور گھر کی عورتوں کے پاس عموماً اتنا سونا ہوتا تھا کہ جس کی مالیت سے ان پر حج فرض ہو جاتا ہو گا۔ کیونکہ سفر حج پر کل دو تین سو روپے خرچ ہوتے تھے اور حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں جس پر حج فرض ہو اور اس نے نہ کیا ہو سخت ترین وعید آئی ہے کہ اللہ کو اس کی پرواہ نہیں یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ اب چونکہ اللہ نے مجھ کو وسعت عطا فرمائی ہے اور میرے پاس اتنی رقم ہے کہ میں دس آدمیوں کی طرف سے حج کا خرچ برداشت کر سکتا ہوں تو یہ دس حج کرا دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ اللہ اس حج کا ان کو ثواب پہنچا کر ان سب کو آخرت کے مواخذہ سے بری فرمائیں۔

مدرسہ صولتیہ مکہ اور مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ کا تعاون

۱۹۹۳ء میں مفتی صاحبؒ نے اپنی لاہور والی کوٹھی فروخت کی، ان ہی دنوں میں آپ کے صاحب زادے حضرت مولانا مشرف علی تھانوی آخری عشرہ رمضان میں عمرہ کیلئے تشریف لے جا رہے تھے، ان کے ہاتھ آپ نے ایک لاکھ روپے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ اور

کچھ رقم مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ کیلئے ارسال کی اور فرمایا کہ رمضان المبارک میں ہر عملِ نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہوتا ہے پھر فرمایا کہ جو عمل نیک مکہ میں کیا جائے تو دوسری جگہ کے مقابلہ میں اس کا ثواب ایک لاکھ گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ میں اگر کوئی ایک نیکی کرے تو ستر لاکھ نیکیوں کے بقدر ثواب ملے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ" اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص ایک عبادت ۸۴ رسال تک مسلسل کرتا رہے اور دوسرا صرف اس ایک رات میں عبادت کرے تو اس کا ثواب اس سے زائد ہوگا اور حدیث میں ہے "انا عند ظن عبدی بی" میں نے یہ رقم اس ماہ مبارک میں مکہ اور مدینہ اس لئے اور اس نیت سے بھیجی ہے کہ اگر میرے ذمہ یا میرے خاندان کے کسی بھی فرد کے ذمہ کسی کا حق مالی رہ گیا ہو تو یہ اس کی طرف سے صدقہ ہو جائے اور اللہ ہم سب کو آخرت کے مواخذہ سے بچائے۔

شک کی وجہ سے ۷۵ رہزار روپے نہیں لئے

ایک مرتبہ جب آپ کی ایک کوٹھی حکومت وقت نے ایکوائر کرلی اور اسکی رقم آپ کو ادا کی جانے لگی تو اس میں پچھتر (۷۵) ہزار کی رقم اس قسم کی تھی جس پر آپ کو یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ سود تو نہیں تو اس بارے میں اپنے فتوی پر عمل کرنے کے بجائے دیگر مفتیان سے استفسار کیا سب کی طرف سے یہ جواب آیا کہ سائل کو یہ رقم لینا جائز ہے لیکن مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے لکھا کہ صاحب معاملہ کے لیے اس رقم کو لینا اگرچہ جائز ہے لیکن نہ لینے میں احتیاط اور تقویٰ ہے تو آپ نے فوراً اس رقم کو لینے سے انکار کردیا۔

جہاز کی دوسری سیٹ استعمال کرنے میں احتیاط

۱۹۸۷ء میں آپ عمرہ کے سفر پر تشریف لے جارہے تھے، آپ کی طبیعت بھی خراب تھی، آپ جس سیٹ پر تشریف فرما تھے اس کی ساتھ والی سیٹ بھی خالی تھی، جہاز کے عملے نے آپ سے درخواست کی کہ آپ دونوں سیٹوں پر آرام سے لیٹ جائیں تو آپ نے فرمایا

کہ میں نے ایک ٹکٹ لیا ہے اور مجھے صرف ایک سیٹ استعمال کرنے کا استحقاق ہے دو نہیں اور آپ جہاز کے مالک نہیں کہ کسی کو اسی کرایہ میں دو سیٹ دیدیں چنانچہ لاہور سے جدہ تک کا سفر بیماری کی حالت میں ایک ہی سیٹ پر کیا۔ (متوفی ۱۲/رجب ۱۴۱۵ھ)

(جمیل الفتاویٰ، عکس جمیل)

۞۞۞

حضرت مولانا ضیاء اللہ کرناٹکیؒ

پیرومرشد کے قدموں میں جگہ مل ہی گئی

حضرت مولانا محمد ضیاء اللہ خان تری کیرہ، چک بنگلور (کرناٹک) سے تعلق رکھتے تھے، مظاہرعلوم میں تعلیم حاصل کی، یوں تو سارے اساتذہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن حضرت مولانا محمد اسعداللہ رام پوریؒ سے نہایت عقیدت اور تعلق تھا، حضرت مولانا محمد اسعداللہؒ کے خلیفہ ومسترشد اور عاشق زار تھے، ۷/ربیع الاول ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۰/اپریل ۱۹۷۶ء کوخلافت سے سرفراز ہوئے تھے۔

مثنوی مولانا روم بہت یاد تھی، مثنوی کی لمبی لمبی نظمیں ترنم اور وجد میں جھوم جھوم کر ایسے پڑھتے تھے کہ سامعین کی روح سرشار ہوجاتی تھی، حضرت مولانا انعام الرحمن تھانویؒ، حضرت مولانا اطہر حسین اجراڑویؒ یہ تینوں حضرات اکثر ایک جگہ دیکھے جاتے، تینوں ہی باذوق تھے، شعروشاعری سے لگاؤ تھا اس لئے مجلس خوب جمتی تھی، مجلس میں اکثر یا تو بزرگوں کی یادوں اور باتوں کو دہرایا جاتا یا پھر اردو، عربی اور فارسی کے اشعار گنگنائے جاتے تھے، جب بھی کرناٹک سے تشریف لاتے تو دوچار ہفتے محض اس غرض سے قیام کرتے کہ کاش روح قفس عنصری سے پرواز کرجائے اور ان کو ان کے پیرومرشد حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کے اریب قریب دفن ہونے کی سعادت حاصل ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی صرف قسمیں ہی پوری نہیں فرماتا بلکہ ان کی چاہتیں، ان کی خواہشیں، ان کی آرزوئیں، ان کی تمنائیں ان کے نہاں خانہ دل میں مستور ومحفوظ حسرتیں بھی بڑے ناز سے پوری فرماتا ہے۔

ایک دفعہ سہارنپور تشریف لائے، کئی ہفتے قیام فرمایا، بے تکلف لوگوں سے فرماتے کہ اس بار تو مرنے کی نیت سے آیا ہوں، حضرت کے قدموں میں ہی دفن ہونے کی تمنا ہے، چنانچہ ایک رات کو لیٹے تو لیٹ ہی گئے، اٹھانے پر بھی نہیں اٹھے، اب تو صور اسرافیل پر ہی اٹھیں گے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین کے اشارہ وایماء پر حسب خواہش ان کے مرشد کے قدموں کی طرف قبر بنائی گئی۔

حضرت مولانا اطہر حسینؒ نے گورکن سے فرمایا کہ ذرا ساہٹ کر قبر بناؤ کیونکہ یہاں حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ مدفون ہیں، گورکن نہیں مانا اور قبر کی کھدائی شروع کردی، اچانک ایک جگہ سے مٹی ہٹ گئی، گورکن دوڑا دوڑا مدرسہ پہنچا اور ہانپتے کانپتے کہنے لگا۔

''اجی! وہاں ایک دوسری قبر کی تھوڑی سی مٹی ہٹ گئی ہے اور دوسرے مردے کا چہرہ بالکل تروتازہ دکھائی دے رہا ہے''۔

ترے جمال کی تصویر کھینچ دوں لیکن
زباں میں آنکھ نہیں آنکھ میں زبان نہیں

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین، شیخ الادب حضرت مولانا اطہر حسینؒ، خادم قاری مرغوب الرحمن آدم پوری سب نے جا کر دیکھا، ان کے استاذ حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ پورے سکون اور شان سے ایسے آرام کر رہے تھے جیسے ابھی لمبی بیداری کے بعد نیند کی آغوش میں پہنچے ہیں۔

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

حضرت علامہ محمد یامین سہارنپوریؒ ۱۴۱۵ھ

اپنا ڈبہ اٹھا اور چل!

بلند پیشانی، ستواں ناک، گندم گوں، گہری آنکھیں، اکہرا بدن، آواز میں کھنک، بے داغ، صاف وشفاف، سفید وخوبصورت، کلف لگے ہوئے کپڑے، اونچی ٹوپی، مغلئی شلوار، پروقارو پر بہار، نحو وصرف کے کوہسار حضرت مولانا علامہ محمد یامینؒ (۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۹۴ء جمعرات) سہارنپوریؒ لب ولہجہ میں بات کرتے ہوئے بڑے اچھے لگتے تھے، آپ کا کردار عظیم، آپ کی گفتار بے مثال، آپ کا سبق علمی، آپ کی گفتگو اصلاحی، مثبت سوچ، وسیع نظریہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کے کچے گھر میں خاندان کے اکثر بچوں کے استاذ واتالیق، شاہد وراشد، جعفر وخالد، سہیل و عمیر وغیرہ ان سب نے اسی کچے گھر میں علامہ صاحب سے پڑھ کر خود کو پکایا، تپایا، کندن بنایا، کوئی قلم کا شہسوار بنا تو کوئی فقہ کا گوہر آبدار، مسند درس کا درتابدار بنا تو فن خطابت کا شاہکار، میدان تجارت میں ہونہار گویا علامہ صاحب نے علم کی وہ امانت جو حضرت شیخ سے حاصل کی تھی وہ اپنے استاذ کی اولاد واحفاد کو واپس کی، آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے معتمد تھے، پڑھنے سے لے کر پڑھانے تک پوری زندگی مدرسہ میں ہی صرف کی، شعبہ تعلیمات کے ناظم ونگراں، تقویٰ میں، طہارت میں، زہد میں قناعت میں، حزم میں احتیاط میں، ضیافت میں سخاوت میں کیا کیا بتاؤں کتنی چیزوں میں ممتاز تھے، اگر کبھی مدرسہ پہنچنے میں چار پانچ منٹ تاخیر ہو جاتی تو رخصت کی درخواست دے دیتے، لیکن کام پورا کرتے، اگر کبھی ڈاکٹروں کے یہاں مدرسہ کی گاڑی سے گئے تو کرایہ جمع کیا، کہیں مدرسہ

میں امتحان لینے کے لئے گئے اور ڈاکٹروں نے پرہیزی کھانا کھانے کی ہدایت کی تو اپنا پرہیزی کھانا گھر سے بنوا کر لے گئے، کھلے پیسے کرانے کی ضرورت پیش آئی تو اپنے پاس موجود مدرسہ کی امانت سے کبھی کھلے نہیں لئے ہمیشہ باہر سے کرائے، شرح جامی کا سبق اتنا مشہور اتنا مقبول کہ ان کے زمانے میں چھوٹے بڑے مدارس میں آپ کی مثال دی جاتی تھی، شرح جامی پڑھاتے وقت کتاب سامنے نہیں رہتی تھی اور مجال ہے کہ ایک آدھ جملہ چھوٹ جائے، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے نہایت معتمد، مشیر خاص، نظام مدرسہ میں شریک، مدرسے کے لئے ہر مشقت جھیلنے کو تیار، دفتر تعلیمات میں جتنے بھی لوگ آتے سب کو اپنی جیب سے ہی چائے پلاتے، کمزور وناتواں، چلنے پھرنے میں بھی دقت وپریشانی لیکن امتحان گاہ پہنچتے ہی تاب وتواں، بے تکلف امتحان گاہوں میں بھاگتے پھرتے تھے، اصول کے پکے، خورد وکلاں اور من وتو کے امتیاز کے بغیر سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے، ایک بار ایک طالب علم حاضر ہوا، شیرینی کا ڈبہ پیش کیا، پوچھا کہ مجھ سے کوئی کام ہے؟ جواب دیا نہیں، حضرت نے اسی طالب علم سے قریب رکھی ایک آہنی الماری میں رکھ دینے کا اشارہ فرمایا، تقریبا بیس بائیس دن بعد وہی طالب علم ایک درخواست لے کر حاضر ہوا، دیکھتے ہی پہچان گئے اور فرمایا:

”مجھے معلوم تھا کہ بغیر کسی غرض کے مٹھائی نہیں دی جارہی ہے جہاں ڈبہ رکھا تھا وہیں رکھا ہوا ہے اسے اٹھا اور چل“۔

۲۵ / پیسے

۱۹۹۴ء میں احقر مرتب موقوف علیہ میں زیر تعلیم تھا، اس وقت امتحان کے جوابات لکھنے کے لئے آج کی طرح باقاعدہ کاپی نہیں دی جاتی تھی، سادہ سا ایک ورق ملتا تھا اگر جواب طویل ہوجائے تو امتحان گاہ کے دفتر سے ایک اور کاغذ مل جاتا تھا، احقر نے مشکوۃ کے ایک سوال کا جواب غلط لکھ دیا مکرر پڑھنے پر اندازہ ہوا کہ یہ جواب تو غلط لکھا گیا ہے، ایک اور کاغذ لینے کیلئے دفتر امتحان گاہ پہنچ کر حضرت علامہ صاحبؒ سے کاغذ طلب کیا، علامہ صاحب نے پہلے تو وہ پرچہ دیکھا جو غلط لکھا گیا تھا اور پھر ایک ورق عنایت

فرمادیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس کاغذ کے پیسے بعد میں دفتر میں جمع کردینا۔

بات آئی گئی ہوگئی، امتحان کے تقریباً ایک ماہ بعد جناب بھائی محمد عبداللہ مرحوم احقر کے حجرہ ۱۸ مطبخ پہنچے اور یہ خبر سنائی کہ دفتر میں علامہ صاحب کے پاس تمہاری طلبی ہوئی ہے، یہ سوچ کر میرا تو گلا خشک ہورہا تھا کہ پتہ نہیں کس لئے بلاوا آیا ہے، کیا غلطی سرزد ہوگئی ہے، کیا کسی نے شکایت کردی ہے؟ اسی سوچ میں غلطاں و پیچاں اور ''جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو'' کی حالت اور کیفیت میں دفتر تعلیمات پہنچ کر اپنا نام اور قیام گاہ بتا کر خاموشی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گیا، حضرت علامہ صاحبؒ نے لال پیلی آنکھیں نکال کر غصیلے لہجہ میں فرمایا کہ:

''تو نے امتحان گاہ میں ایک کاغذ ضائع کیا تھا اسکے پیسے دفتر میں کیوں جمع نہیں کئے''

قارئین یہ جان کر حیران ہوں گے کہ کاغذ ضائع کرنے کا جو مطالبہ تھا وہ صرف پچیس پیسے کا تھا جو ظاہر ہے میرے زمانے میں بھی حقیر و معمولی تھے لیکن ان بزرگوں نے اپنے اِن ضابطوں سے یہ سبق دے دیا کہ

''مدرسہ کا مال مال وقف ہے جس میں ذاتی تصرف کسی کے لئے بھی جائز نہیں، مدرسہ کا مال حقوق العباد میں سے ہے جس کی جوابدہی اللہ احکم الحاکمین کے سامنے کرنی ہوگی''۔

میں نے جلدی سے ۲۵ / پیسے حضرت علامہ صاحب کے حوالہ کئے اور جان کی امان پائی۔

حضرت مولانا عتیق الرحمن فیروز پوریؒ ۱۴۱۵ھ

پکوڑے بناتے اور پڑھتے

حضرت مولانا عتیق الرحمن فیروز پوریؒ: فیروز پور کے قصبہ محکم آرائیں جلال آباد میں ۱۳۲۵ھ میں تولد ہوا، دینیات کی تعلیم کے علاوہ فارسی کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا غلام رسول سے پڑھ کر بھاول نگر پہنچے جہاں مدرسہ اسلامیہ صادقیہ عباسیہ منچن آباد آپ کے لئے دیدہ ودل کوفرش راہ اور تعلیم وتربیت کے لئے خود کو چشم براہ کئے ہوئے تھا، آپ نے ۱۳۴۵ھ میں مظاہر علوم سے علوم کی تکمیل کی، یہی وہ سال ہے جس سال حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ چند اسباق پڑھا کر مستقل طور پر مدینہ کے لئے ہجرت فرما گئے۔

آپ پڑھنے کے زمانے میں بھی محنتی، زیرک، طباع، ہوشمند اور اساتذہ کے منظور نظر تھے، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ نے ایک دفعہ آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

''میں نے اپنی زندگی میں دومرتبہ بڑا دھوکہ کھایا ہے، ایک مرتبہ ایک طالب علم مجھ سے پڑھنے آیا وہ شکل سے ایسا لگتا تھا کہ بہت ذہین ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ بالکل غبی ہے، دوسرا دھوکہ مولوی عتیق الرحمن فیروز پوری سے کھایا کیونکہ ان کو دیکھتے ہی میرے دل میں آیا کہ یہ کیا سلم العلوم پڑھے گا لیکن بعد میں معاملہ برعکس نکلا''

آپ مظاہر علوم میں پڑھنے کے دنوں میں بھی بڑے غریب، تنگ دست اور فاقہ کش رہے، والدین بچپن میں ہی مفارقت کا داغ اور یتیمی کا خطاب دے گئے، کوئی ذریعہ آمدن نہیں، کوئی دست گیر اور کوئی اشک شو نہیں، اس لئے:

''میں اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے صبح سبق شروع ہونے سے پہلے پکوڑے،

پھلکیاں بنانے کے لیے بیسن کو ملا کر رکھ دیتا جب دوپہر کو اسباق سے چھٹی ملتی تو مدرسہ کے گیٹ کے سامنے بیٹھ کر پھلکی اور پکوڑے بنا کر فروخت کرتا جس سے میری ضروریات پوری ہو جاتی تھیں''۔ (تحریک آزادی ہند اور مظاہر علوم)

مولانا حق نواز جھنگوی شہیدؒ، مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہیدؒ آپ کے ہی کے شاگردان رشید، شریک گنج شہید اور سوئے جنت رسید ہیں۔

۳رجمادی الثانی ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۸رنومبر ۱۹۹۴ء کو وصال ہوا۔

۞۞۞

حضرت مولانا محمد اللہ سہارنپوریؒ

مشکل بحث آسان ہوگئی

حضرت مولانا محمد اللہؒ (۲۵/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ) حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ ناظم مظاہر علوم کے صاحب زادے اور مظاہر علوم کے کبار اساتذہ میں سے تھے، ایک دفعہ انھیں فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح الوقایہ پڑھانے کے لئے سپرد ہوئی، مولانا اردو، عربی اور فارسی کے زبردست ادیب اور باصلاحیت عالم تھے، کتاب میں سورج کے طلوع، زوال اور غروب کی بحث پر آکر الجھ گئے، جوں جوں سلجھانے کی کوشش کی مزید الجھتے رہے، آخر کار اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کی خدمت میں دار الطلبہ قدیم پہنچے، حجرہ میں داخل ہوئے، آنے کی غرض بتائی، حضرت نے اپنی چارپائی پر بیٹھنے کا حکم دیا، مولانا پائینتی جانب کتاب کھول کر بیٹھ گئے، حضرت نے مولانا کے داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت پکڑی اور پڑھنے کا حکم فرمایا، مولانا نے پڑھنا شروع کیا تو رکنے کا نام نہیں لیا، ایک آدھ جگہ حضرت نے اشارۃً بتایا اور پھر پورا سبق سمجھ میں آتا چلا گیا۔ (حیات اسعد)

''مولانا محمد اللہ مرحوم اپنے علم وتقویٰ کی بنا پر بہت احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے'' (مولانا مرغوب الرحمن بجنوریؒ)

''مؤقر نسبت اور اپنی علمی اور اخلاقی خصوصیات کی کے لحاظ سے مولانا محمد اللہ مرحوم اپنی جماعت میں ایک وقیع امتیاز کے حامل تھے''۔ (مولانا محمد سالم قاسمی)

حضرت مولانا عشیق احمد پور قاضویؒ ۱۴۱۵ھ

”نام بتا کام بتا“

حضرت مولانا سید ظریف احمد پور قاضویؒ کے فرزند تھے، ٹھوس استعداد، پختہ صلاحیت، علوم معقولہ ومنقولہ بالخصوص ہیئت، اقلیدس، ریاضی، حساب، تفسیر، اور فلکیات میں اچھا خاصا درک حاصل تھا، حضرت مولانا اطہر حسینؒ آپ کے دورۂ حدیث شریف کے رفیق تھے، عربی تحریر بڑی خوبصورت تھی، بعض منفرد آراء کی وجہ سے ان پر غیر مقلدیت اور مودودیت کا بھی الزام لگا جو بالکل غلط تھا۔

انہوں نے کئی سال تک دورۂ حدیث شریف کی معروف کتاب ابن ماجہ کا درس جمعہ کے دن دیا، شعبان ۱۴۱۶ھ میں انتقال فرمایا اور قبرستان حاجی شاہ کمال میں تدفین عمل میں آئی۔آپ نے پوری زندگی کرایہ کے مکان میں گزاردی، تجرد کی زندگی بسر کی، اصولوں کے بہت پابند تھے۔

ایک بار اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ مولانا کے گھر جانا ہوا، ایک ساتھی نے دروازے پر کھڑے ہوکر باآواز بلند اپنا نام لے کر حاضری کی اجازت مانگی، اجازت مل گئی لیکن اس کے پیچھے پیچھے جب ہم لوگ بھی بغیر اجازت پہنچ گئے تو سختی کے ساتھ ڈانٹ کر واپس کردیا اور فرمایا جاؤ دروازہ کی اوٹ سے اپنا نام لے کر اندر آنے کی اجازت لو، چنانچہ ایسا ہی کیا پھر اجازت ملی۔

آپ نے اپنے دروازے کی پیشانی پر جلی حروف میں بھی لکھوا رکھا تھا ”کھٹ کھٹ

مت کر، نام بتا، کام بتا" ظاہر ہے یہ سب مولانا کی تربیت کا مخصوص انداز تھا۔

دودھ کا گلاس کیوں دیا جارہا ہے؟

آپ دارالعلوم دیوبند کے فارغ تھے، عرصہ تک دارالعلوم سہارنپور میں پڑھاتے رہے پھر مظاہر علوم میں پڑھانے لگے، میرے زمانے میں میبذی، شرح عقائد نسفی اور ابن ماجہ پڑھاتے تھے، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے پاس بھی بکثرت آتے تھے، مزاج میں تیزی، اصول پرستی اور شفقت شامل تھی، صاف ستھرے سفید کپڑے پہنتے تھے، سبک رفتار اور نرم گفتار تھے، طلبہ کی تربیت پر بہت توجہ دیتے تھے، مجھے کم عمری اور بچپن کی ناسمجھی کے باعث سبق کے علاوہ خارج میں علمی استفادے کا موقع نہ مل سکا، کیونکہ وقت اور سمجھ ایک ساتھ خوش قسمت لوگوں کو ملتے ہیں، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ وقت پر سمجھ نہیں آتی اور جب سمجھ آتی ہے تو وقت نہیں رہتا۔ مجھے بھی جب سمجھ آئی تو حضرت ہی ہمارے درمیان نہیں رہے۔

درسگاہ میں محنتی اور مستعد طلبہ کو سامنے بٹھاتے تھے، بلیک بورڈ پر اتنی خوبصورت عربی تحریر لکھتے تھے کہ بیان سے باہر ہے، علم ہیئت کے لئے وہ کرہ کا استعمال بھی کرتے تھے، مجھ سے صرف پنساری کے یہاں سے لعوق شپستاں اور بانس کا اچار منگواتے تھے۔ ایک طالب علم نے دودھ کا گلاس پیش کیا، پوچھا کسی ضرورت سے پلا رہے ہو یا بلا ضرورت؟ طالب علم بولا: بلا ضرورت، آپ نے نوش فرمالیا، دو ہی تین دن بعد اس طالب علم نے ایک درخواست سامنے رکھی جس پر اس کی کسی خطا کے باعث دفتر نے لائن حاضر کردیا تھا اور حضرت مفتی مظفر حسینؒ نے لکھا تھا کہ اپنے اساتذہ کے دستخط کرائیں پھر درخواست جمع کریں۔

مولانا نے درخواست پڑھتے ہی پانچ روپے اپنی جیب سے نکالے اور اس کو تھماتے ہوئے فرمایا کہ: "میں بھی تو سوچوں کہ دودھ کس لئے پلایا جارہا ہے"۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ۱۴۱۷ھ

زاہد وقانع

فقیہ امت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (متوفی ۱۴۱۷ھ) گنگوہ میں پیدا ہوئے، مظاہر علوم پہنچے، تعلیم کی تکمیل کے بعد پھر دیوبند پہنچے وہاں بھی دورۂ حدیث پڑھ کر مظاہر علوم میں پڑھانا شروع کیا، نہایت ذہین، حاضر جواب، طباع اور علمی وفنی موشگافیوں کے ماہر ترین عالم، فقیہ اور بزرگ، ایک عرصہ تک کانپور میں بھی پڑھایا، پھر دارالعلوم کی کشش نے دیوبند کھینچ لیا تا حیات دارالعلوم دیوبند کی چھتہ مسجد آپ کی خلوت وجلوت کی شاہد ومشاہد، کیا مظاہر علوم سہارنپور، کیا جامع العلوم کانپور، کیا دارالعلوم دیوبند تینوں جگہ غایت استغنا اور زاہدانہ زندگی اختیار کی، شاگردوں، متعلقوں، مریدوں اور اہل دل واہل خیر نے جو کچھ ہدیہ پیش کیا وہ آپ نے کسی اور کو عنایت فرمادیا، ذخیرہ اندوزی، پس اندازی، جمع پونجی کچھ بھی نہیں، زندگی اس شان سے گزری اور گزاری کہ اسلاف کی یاد تازہ ہوگئی، خانقاہ میں سالکین، مدرسہ میں طالبین، دنیا بھر میں متعلقین، کیا بھارت کیا پاکستان، کیا افریقہ کیا سعودیہ گویا زمین آپ کے لئے سمیٹ اور لپیٹ دی گئی تھی، مولانا ابرارالحق ہردوئیؒ، مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ، مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ وغیرہ بہت سے جبال علم نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا، ان سب کے باوجود آپ نے اس شان سے اپنے لمحات زندگی بسر کئے کہ ممکن ہے زکوۃ بھی فرض نہ ہوئی ہو؟

ہم لوگ روزانہ یہ حدیث پاک پڑھتے اور دوسروں کو سناتے ہیں:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ.

”دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ اجنبی ہو یا راستے سے گزرنے والے“

لیکن ہمارا عمل برعکس ہوتا ہے، جوں جوں سفینہ حیات گھٹتا جاتا ہے توں توں زاد حیات بڑھتا جاتا ہے، نہ تعیش ختم ہوتا ہے نہ دنیا سے تعشق کم پڑتا ہے دوسری طرف ہمارے یہ بڑے تھے جن کے یہاں نفس نے گھٹ کر جان دیدی، جن کے یہاں انا نے فنا کی راہ اختیار کرلی، جن کے یہاں دولت دنیا نے راہ فرار اور دولت دین نے راہ قرار پکڑی، جس شان سے دنیا میں آئے تھے اسی شان کے ساتھ دنیا سے روانگی ہوئی۔

جائداد نہیں بنائی

کتنے بزرگ، کتنے بڑے عالم وفقیہ، بزرگ ودانا، صاحب فتاوی محمودیہ ہیں جہاں بھی پڑھایا گھر نہیں بنایا، جائداد جمع نہیں کی، اور اپنے کردار کو اپنی گفتار کے مطابق کر کے دکھادیا گویا آپ نے عملی زندگی میں سنت نبوی اور اسوہ نبوی پر عمل کر دکھایا: مَالِي وَمَا لِلدُّنيا، مَا أَنَا اِلاَّفِي الدُّنيا كَرَاكِبٍ استَظَلَّ تَحتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔

”مجھے اس دنیا سے کیا سرورکار! میں تو دنیا میں ایسے ہی ہوں جیسے ایک سوار کسی درخت کے سائے میں تھوڑی دیر کے لیے رکتا ہے پھر وہ ذرا آرام کرنے کے بعد اسے چھوڑ کر چل دیتا ہے۔

خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

”میرے پاس ایک صاحب نے خط لکھا کہ میں تین روز کے لئے آپ کی خدمت میں آنا چاہتا ہوں، میں نے ان کو اجازت دیدی جب یہاں آئے تو اہلیہ کو بھی ساتھ لے آئے، میں نے ان سے کہا کہ آپ نے اپنے آنے کی اجازت طلب کی تھی، بیوی کو کیوں ساتھ لے آئے؟ آپ کو معلوم تھا کہ میں مدرسہ کے کمرہ میں رہتا ہوں، زنانہ مکان میرے پاس نہیں ہے، اس پر وہ خاموش، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بے چاری کمرہ کے سامنے چٹائی پر شام تک بیٹھی رہی اور یہ شام ہونے پر اسی روز بیوی کو لے کر واپس ہو گئے“

(ملفوظات فقیہ الامت)

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ ۱۴۱۸ھ

رات میں بیت الخلاء کی صفائی

فتح پور سے فتح پوری تک مرکزی اداروں میں پڑھ کر اپنے علاقہ میں ایک تعلیم گاہ کی داغ بیل ڈالی، بانی کے خلوص، للّٰہیت، لگن اور اکابر اساتذہ کی دعاؤں سے ماشاء اللہ یہ تعلیم گاہ خوب پھلی پھولی، مکتب سے مدرسہ اور مدرسہ سے جامعہ بنی سبحان اللہ!

شہر کی گہما گہمی سے دور، دور افتادہ گاؤں میں بھلا شہری آسانیاں وہ بھی اتنی جلد کیسے ممکن ہیں، شروع شروع میں تو ایسا بھی ہوتا کہ اساتذہ، طلبہ اور خود بانی و مہتمم مل جل کر مدرسہ کے کام کو نمٹا لیا کرتے تھے، لکڑیاں آگئیں تو بھی، اینٹ آگئی تو بھی، اس وقت تک جھاڑو دینے، صفائی کرنے، پانی بھرنے کے لئے الگ الگ افراد نہیں ہوتے تھے اس لئے مخلصین کی یہ فوج خود ہی یہ کام کر لیتی تھی، بیت الخلاء بنے ہوئے تھے لیکن پانی کی ٹونٹیاں نہیں لگی تھیں اس لئے ہر شخص لوٹے میں پانی ساتھ لے جاتا تھا، ایسی صورت میں کبھی بیت الخلاء گندے رہ جاتے تھے، اس کام کے لیے ایک بھنگی رکھ لیا گیا جو روزآنہ صبح صبح صفائی کر جاتا تھا، ہوا یہ کہ کسی موقع پر کسی معقول عذر کی وجہ سے بھنگی نہ پہنچا لیکن بیت الخلاء پھر بھی صاف شفاف، اساتذہ اور طلبہ بھی متعجب کہ یہ کیا ماجرا ہے آخر کار ایک استاذ نے سحر کے وقت دیکھ لیا کہ رات کے سناٹے میں بیت الخلاء کی صفائی کرنے والی ہستی کون ہے؟

جی ہاں پوری دنیا اس ہستی کو عارف باللہ حضرت قاری سید صدیق احمد باندویؒ (متوفی ۱۴۱۸ھ م ۱۹۹۷ء) کے نام نامی سے جانتی ہے۔

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کے خلیفہ خاص، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد

زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کے تلمیذ رشید اور فتح پور سے فتح پوری تک کے بے شمار اساتذہ کی دعاؤں سے مالا مال تھے۔

ایک بار اپنے ماضی کو اور اس زمانے میں غربت، تنگدستی اور فقر وفاقہ کو یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ

''کہنے کی بات نہیں عبرت کے لئے تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ میں نے شروع میں کس طرح کام کیا ہے، علاقے کا دورہ کرتا تھا، کوئی پرسان حال نہ تھا، کبھی کسی دیہات میں غیر مسلم کے یہاں ٹھہرنا پڑا، پیدل سفر، راستوں سے ناواقف، ایک بار تو بھٹک کر جنگل میں پہنچ گیا، میں اکیلا تھا، سامنے سے دو بھیڑیئے آرہے تھے میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تب وہ بھیڑیئے دوسری طرف کو چلے گئے، بھوک لگتی تو ساگ کھا کر گزارا کر لیتا، مہوے کھا کر بسر کرتا، فاقہ تک کی نوبت آتی، اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ کس کو کتنی لگن ہے، پیدل سفر کرتا تھا، میری والدہ ماجدہ مہوے اور ساگ میں تھوڑا سا آٹا ڈال کر ابال لیتی تھیں تاکہ کھانے کی مقدار میں کچھ اضافہ ہو جائے، میری ماں ایک عورت کے ساتھ چاند کی روشنی میں سوت کاتا کرتی تھی، میں خود کانپور سے کپڑا خرید کر یہاں بازار اور محلہ میں پھیری لگا کر کپڑا فروخت کرتا جاتا تھا اور ساتھ ساتھ دینی کام بھی کرتا رہتا تھا''

حضرت باندویؒ نہایت جفاکش، مستعد، امور مدرسہ میں مخلص، توکل علی اللہ کی انتہا پر فائز، کبھی مدرسہ کبھی گھر کبھی سفر در سفر، در بدر، سفر سے مدرسہ پہنچے تو اسباق شروع، نہ دن کی قید نہ رات کی، کیا صبح کیا شام، اتنی مشقت سے گزر کر اور خود کو اتنی محنت سے گزار کر جن طلبہ نے ان سے پڑھا ہوگا ان کا کیا عالم ہوگا، جن لوگوں نے ان سے بیعت توبہ کی ہوگی ان کے درجات کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن جن لوگوں نے ایسی ہستیوں کی شان میں گستاخی کی ہوگی، ان کا کیا حال ہوگا، ایک گستاخ پاگل ہوگیا، ایک گستاخ کوڑھی (مجذوم) ہوگیا، بعض گستاخ گمراہ ہوئے تو بعض کو توبہ کی توفیق ملی۔ (افادات صدیق)

ایک دفعہ ایک بڑے عالم دین اور مشہور بزرگ کی آمد آمد تھی، ادھر مدرسہ میں پرانے طرز کا بیت الخلاء بنا ہوا تھا اور یہ بھی اتفاق تھا کہ بیت الخلاء کا گڈھا اس دن بالکل

بھر چکا تھا، بھنگی کا اتا پتا نہیں، چنانچہ حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے مدرسہ کے دو ایک مخلص اساتذہ سے اس کا اظہار کیا اور طے پایا کہ رات کی تاریکی میں تمام گندگی اٹھا کر پھینک دی جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا، سب نے مل کر تمام گندگی صاف کردی اور مہمان مکرم کی تکلیف قطعی گوارا نہیں کی۔

(پیغام محمود دیوبند: مضمون مولانا محمد زکریا سنبھلی)

مہمانوں کی ضیافت

شروع شروع میں جب مہمان کی آمد ہوتی تو حضرت محلہ میں مختلف مکانوں سے گزرتے اور اعلان کرتے جاتے کہ مہمان آگئے ہیں جو بھی کھانا موجود ہو برتن میں رکھ کر دروازے کے پاس رکھ دو، حضرت وہ تمام کھانا مدرسہ لے جاتے اور اس طرح مہمان کی ضیافت فرماتے۔

حضرت مولانا حیات میر پشاوریؒ ۱۴۲۰ھ

مولوی حیات تا حیات

پشاور کے رہنے والے تھے، مظاہر میں پڑھنے کے لئے آئے، درجہ بدرجہ تعلیم کی تحصیل و تکمیل ہوئی، فراغت کے بعد پشاور کے لئے رخت سفر باندھا، اپنے مخدوم استاذ گرامی حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ حضرت! میری تعلیم مکمل ہوگئی ہے، امتحان سے بھی فراغت ہوگئی ہے، اب اپنے وطن پشاور جانے کی تیاری ہے، اجازت کی غرض سے حاضری ہوئی ہے، استاذ گرامی اٹھے، شاگرد کا ہاتھ تھاما اور پہنچ گئے چوک بازدان کی اس مسجد میں جو مظاہر علوم کی گویا خشت اول ہے، مسجد میں پہنچ کر مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ’’مولوی حیات تا حیات‘‘

بس پھر کیا تھا حضرت مولانا حیات میر پشاوریؒ چوک بازداران کی اسی مسجد میں رہ گئے، چھوٹا سا تکونا کمرہ رہائش کے لئے ملا، وہی کمرہ ان کا مکان تھا، وہی کمرہ مطالعہ گاہ تھا، وہی کمرہ نشست گاہ تھا، مؤذن کی صدائیں اسی کمرے سے، الا اللہ کی ضربیں اسی حجرے میں، کل کائنات وہی کمرہ جس کی حالت ایسی کہ ’’پاؤں پھیلاؤ تو دیوار سے سر لگتا ہے‘‘ دس بیس سال نہیں پوری عمر عزیز اسی حجرہ میں گزری، جن لوگوں نے وہ حجرہ دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ اس حجرہ میں ایک چارپائی بھی نہیں پڑ سکتی تھی، نماز پڑھانا اور اسی حجرہ میں قیام فرمانا، کوئی واقف کار ملنے آگیا تو اپنے ہاتھوں سے چائے بناتے اور ضیافت کرتے تھے، مطالعہ میں مصروف ہوگئے تو وہی کمرہ مطالعہ گاہ بن جاتا، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین بھی بڑا احترام کرتے تھے، مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کے بھی شاگرد تھے، بڑی خندہ پیشانی

سے ملتے تھے، ایک اسٹو، دو چھوٹی ہانڈیاں، چار پلیٹ، ایک مٹی کا بڑا کوزہ اور بستر وچادر یہی ان کی کائنات تھی، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا، نہ وارث نہ وراثت، مسجد سے جو پیسے ملتے تھے اس میں سے کچھ بچا لیتے، اسی کفایت شعاری سے ماشاء اللہ عمرہ کی سعادت حاصل کی، عمر عزیز کا سفینہ ساحل تک پہنچا، رب قدیر وقادر کی طرف سے بلاوا آیا تو سکون کے ساتھ ایسے گئے کہ نہ کوئی رونے والا، نہ کوئی رونے والی، نہ بیوی نہ بچے، نہ عزیز نہ اقارب، چہرے پر سکون اور لبوں پر مسکان یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین نے نماز جنازہ پڑھائی اور حاجی شاہ کمال الدین میں سپرد خاک کئے گئے۔

کیا غم ہے جو ہم گمنام رہے تم تو نہ مگر بدنام ہوئے
اچھا ہے کہ میرے مرنے پر دنیا میں مرا ماتم نہ ہوا

حضرت حافظ فضل الرحمٰن کلیانویؒ ۱۴۲۱ھ

کثرت تلاوت سے حافظ ہو گئے

غیر منقسم بھارت میں آپ اس وقت مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے جب ملک بھی ایک، ادارہ بھی ایک اور سبھی نیک تھے۔
''فضل الرحمن'' نام تھا آپ پاکستان کے کلیان نامی گاؤں کے رہنے والے تھے، پڑھتے رہے پڑھتے رہے، ملک کی سیاسی ہلچل تیز سے تیز تر ہوتی رہی، نقل مکانی شروع ہوگئی تب بھی آپ پڑھتے رہے تا آنکہ ملک پر تقسیم کی قینچی چلی لیکن آپ پڑھتے رہے، جب حالات تھمے اور بادل چھٹے تو درمیان میں ایک لکیر (سرحد) کھنچ چکی تھی، جس کا مطلب صاف تھا کہ اب جو جہاں ہے وہیں رہے گا، آپ تعلیم سے فارغ ہوئے تو ارباب مدرسہ نے مظاہر علوم میں ہی تدریس کی غرض سے تقرر کر لیا، آپ اتنی کثرت کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت کرتے تھے کہ حفظ نہ کرنے کے باوجود مدرسہ کی حدود میں ''حافظ'' سے مشہور و متعارف ہو گئے، مظاہر علوم کی مسجد کلثومیہ میں ہمیشہ نماز پڑھتے تھے، تراویح بھی وہیں پڑھتے، آپ کے ہوتے ہوئے کسی سامع کی کبھی ضرورت نہیں محسوس ہوئی، اپنا کام خود ہی کرتے تھے، نہ مجلس کا شوق، نہ خدمت کرانے کا مزاج، نہ سیر و سیاحت کی عادت، درسگاہ سے حجرہ اور حجرہ سے درسگاہ، تاریخی نام نکالنے اور رکھنے میں طاق، تجرد کی زندگی بسر کی، بہتوں نے نکاح کا مشورہ دیا لیکن انکار کرتے رہے، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین کے درسی ساتھی بھی تھے اور بے تکلف دوست بھی، دونوں ایک دوسرے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، اخیر عمر میں آپ نے ایک خطیر رقم مدرسہ کے دفتر مالیات کے حوالہ کی

اور حکم دیا کہ اس رقم سے میری طرف سے حجرہ یا درسگاہ بنوادی جائے چنانچہ خزانچی مولانا محمد ارشاد مظاہریؒ نے راقم الحروف سے بتایا کہ حافظ جی کی رقم سے دو کمرے تیار ہو گئے۔

آپ اپنے عہد میں مظاہر علوم کے چند حضرات کے سواسب کے استاذ تھے، بڑی خوبیوں کے مالک، بڑے وجیہ وشکیل، بڑے نفیس و خلیق، دارالطلبہ قدیم کے حجرہ نمبر دس میں رہتے تھے، اسی میں کبھی استاذ الکل حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری بھی رہتے تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ بھی رہے ہیں اور بھی بہت سی بابرکات شخصیات اس حجرہ میں رہ چکی ہیں، اب خزاں کے دن آچکے ہیں، نہ روح رہی نہ روحانیت، نہ علم رہا نہ کمال، بہار کے دن رخصت ہوئے تو یہ بابرکت یادگار حجرہ کاتب الحروف کے تصرف میں آچکا ہے۔آہ

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا
جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

مؤرخہ ۱۳؍جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ کو انتقال فرمایا،فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ نے دار قدیم میں نماز جنازہ پڑھائی اور حاجی شاہ کمال الدین میں مدفون ہوئے۔

حضرت مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ ۱۴۲۴ھ

ڈھائی برس کی عمر میں پاؤ پارہ حفظ

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین (متوفی ۱۴۲۴ھ) کی عمر جب ڈھائی برس تھی اس وقت آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے پارۂ عم کا ربع حصہ یاد کرلیا تھا اس کے علاوہ کلمے وغیرہ بھی یاد کر لئے تھے، جب مکتب میں داخل کئے گئے اس وقت ان کی عمر چار سال تھی۔

''مظاہری'' لکھنے کی وجہ

حضرت مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوریؒ کے لگائے ہوئے چمنستان علم وعمل جس کو مظاہر علوم کے نام سے عالم گیر شہرت نصیب ہوئی، یہاں سے فارغ علماء اسی ادارہ کی طرف خود کو منسوب کر کے ''مظاہری'' لکھتے ہیں، اگر آپ دھیان دیں گے تو پائیں گے کہ قدیم علماء بلکہ مظاہر علوم کی ابتداء ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۶۹ھ تک پون صدی سے زائد اس لمبے اور طویل دور میں کوئی فاضل اپنے نام کے ساتھ ''مظاہری'' لکھتا شاید و باید ہی ملے لیکن ۱۳۶۹ھ میں فارغ ہونے والے ۳۹ رطلبہ میں سے حضرت مفتی مظفر حسینؒ ہی وہ شخصیت ہیں جنھوں نے مظاہری نسبت کو کھل کر اور فخر کے ساتھ لکھا ہے، یہ خواہ مخواہ نہیں ہے، اس کا بھی ایک پس منظر ہے، ورنہ خود سوچیں یہاں کے علماء کی سادگی، گمنامی، خمول پسندی، عزلت گزینی اور شہرت سے دوری ان کی گھٹی میں سمائی ہوئی تھی، وہ لوگ چاہتے ہی نہیں تھے کہ کوئی ان کو جانے پہچانے، چنانچہ فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے خود ہی ایک دفعہ ترمذی شریف کے سبق میں مظاہری لکھنے کی وجہ یہ بتائی کہ جس سال میں مظاہر علوم سے فارغ ہوا تو اسی کے آگے پیچھے سالوں میں میرے کئی ہم نام بھی فارغ ہوئے، چنانچہ

۱۳۷۰ھ میں مولانا مظفر حسین اعظمی کی فراغت ہوئی، ۱۳۷۱ھ میں مولانا مظفر حسین سنسارپوری بھی فارغ ہوئے، اتفاق کی بات کہ سبھی حضرات بڑے اہل علم، شہرت یافتہ اور اساتذہ کے لاڈلے اور چہیتے تھے، میرا تقرر فارغ ہونے کے ساتھ ہی مظاہر علوم میں ہوگیا، بار بار کہیں دستخط کرنے کی ضرورت پڑتی اور کہیں دیگر چیزوں میں میرا نام آتا تو میں نے اپنے نام کے ساتھ "مظاہری" لکھنے کا فیصلہ کیا۔

تلاوت قرآن پاک کا معمول

مفتی صاحب کو بالترتیب فقہ، حدیث اور تفسیر میں کمال حاصل تھا، قرآن کی بکثرت تلاوت کے واقعات بھی بہت ہیں، رمضان المبارک میں صحت کے دنوں میں ایک قرآن اور دس پارے پڑھ لیا کرتے تھے، پھر جب مصروفیات بڑھیں، قویٰ کمزور ہونے لگے تو یومیہ ایک قرآن پڑھنے کا معمول ہوگیا، یہ معمول اس کے باوجود تھا کہ واردین آرہے ہیں، ملاقاتی موجود ہیں، مظاہر علوم کا عملہ کسی نہ کسی ضرورت سے حاضر ہورہا ہے، کبھی کسی پرچے پر تو کبھی کسی واؤچر پر دستخط ہورہے ہیں، نمازیں بھی، سنتیں بھی اور ملاقاتیں بھی۔ تقریروں میں اکثر روح المعانی، علامہ غزالیؒ اور فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ وغیرہ کے حوالے دیتے تھے۔

تفقہ اور فتاوی شامی

فقہ تو ان کا موضوع ہی تھا، شامی جو جزئیات کی کتاب ہے، فقہ حنفی کا نادر ذخیرہ، دریا بکوزہ کا مصداق یہ کتاب اگر کہوں کہ مفتی صاحب کو حفظ تھی تو مبالغہ ہوگا لیکن سچ یہ ہے کہ شامی مفتی صاحب نے گویا گھول کر پی لی تھی، ہر مسئلہ اور مسئلہ کے ہر جزء اور جزئیہ کے لئے فتاوی شامی کا حوالہ اتنے اعتماد سے دیتے کہ مفتیان بھی دنگ رہ جاتے چنانچہ ایک صاحب نے پوچھ لیا کہ حضرت فتاوی شامی کتنی مرتبہ پڑھی ہوگی؟ فرمایا بلا ترتیب تو یاد نہیں کہ کتنی مرتبہ پڑھی ہے لیکن بالاستیعاب تین دفعہ پڑھ چکا ہوں۔

فتاویٰ مظفریہ

آپ کے فتاوی جو آپ کے قلم سے صادر ہوئے ان کی تقریبا دس گیارہ جلدیں تیاری

کے مرحلہ میں ہیں فقاہت مسلم، ثقاہت مسلم، تقوی مسلم، تدین مسلم، علم پختہ، صلاحیت مسلم، صالحیت مسلم، شیرینی گفتار اور بلندی کردار سبحان اللہ!

بڑا عہدہ بڑی ٹینشن

نظامت: وہ بھی اداروں کی بڑا جان جوکھم کام ہے، کسی سر دردی سے کم نہیں، ٹینشن، تحمل، خلاف مزاج امور کو برداشت کرنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں ہے، مفتی صاحب نے بھی اتنا تحمل کیا کہ پیشاب سے خون کا عارضہ ہوگیا، پریشانی بڑھی تو چیک اپ کی نوبت آئی، اطباء نے ستر کھولنے کی بات کی، سختی سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ تم لوگ چیک اپ کی بات کرتے ہو میں تو گھٹنے سے اوپر لنگی ہٹانے پر بھی تیار نہیں۔

دماغ کا آپریشن

کسی پروگرام میں مظفر نگر کے ایک گاؤں تشریف لے گئے، تہجد کے لئے اٹھے، وضو خانے کے پاس لڑکھڑا گئے اور سیدھے زینے سے نیچے آگئے، سر میں شدید چوٹیں آئیں، میرٹھ میں علاج کے لئے لے جائے گئے، ماہرین نے رپورٹوں کی بنیاد پر آپریشن سے منع کردیا، لیکن اصرار پر بادل ناخواستہ آپریشن کیا تو ان کی حیرت کی انتہا نہیں رہی کیونکہ مفتی صاحب آپریشن کے پورے عمل کے دوران ہوش میں تھے، ہونٹ ہل رہے تھے، دماغ کام کررہا تھا۔

معالج بھی معتقد ہوگیا

یہ کیفیت دیکھ کر آپریشن کرنے والے ڈاکٹر گریش تیاگی صاحب معتقد ہوگئے، اپنی فیس لینے پر آمادہ نہیں، دعا وغیرہ کی غرض سے سہارنپور آنے لگے، بعض ملاقاتوں کے دوران ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں نے پہلا کیس دیکھا ہے کہ ہماری توقع کے برخلاف ہوا، ہم تو سمجھتے اور یقین کرتے تھے کہ آپریشن کے دوران ہی روح نکل جائے گی لیکن آپ حیرت انگیز طور پر ہوش وحواس میں رہے۔ (ماہنامہ آئینۂ مظاہر علوم: فقیہ الاسلام نمبر)

زبردستی کی دعوت

یٰسین نام تھا، قریشی تھے، دفتر مظاہر علوم میں فراشی کرتے تھے، گھر سے بہت

غریب، شاید اولاد کی نعمت سے محروم، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین کو یٰسین بھائی کی غربت کا علم تھا، شاید اسی وجہ سے ان کو فراشی کے لئے رکھ لیا تھا، ممکن ہے عمر میں مفتی صاحب سے بڑے رہے ہوں لیکن مفتی صاحب کا ادب واحترام بہت کرتے تھے، فرصت کے اوقات میں مفتی صاحب کے پاس بیٹھ جاتے اور جب دیکھتے کہ مفتی صاحب کی طبیعت منشرح اور طبیعت میں کوئی تکدر نہیں ہے تو ادھر ادھر کی باتیں اور قصے سناتے تھے مفتی صاحب خوب مسکراتے تھے، بھائی عبداللہ فراش (ابن اللہ بندہ مرحوم) سے مزاح کرتے اور وہ جب خفا ہو کر اپنے مخصوص لب ولہجہ میں جوابی حملے کرتے تو مجلس زعفران زار ہو جاتی، بڑوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے بھی دوسروں کے لئے قابل احترام ہو جاتے ہیں، بھائی عبداللہ کا نکاح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے پڑھایا تھا، بھائی یٰسین عبداللہ بھائی کو چھیڑتے کہتے کہ

''ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت مدنیؒ نے بوقت نکاح عبداللہ بھائی کا نام نہیں لیا تھا اور یوں فرمایا تھا کہ

''کیوں بے لل! میں نے بتول کو تیرے نکاح میں دی کیا تو نے قبول کی''

اتنا سنتے ہی عبداللہ بھائی چراغ پا بلکہ آتش پا ہو جاتے اور خوب کھری کھری سناتے اور کہتے کہ حضرت! یہ بالکل جھوٹ ہے، حضرت مدنی نے مجھے لل نہیں فرمایا تھا، میرا نام لیا تھا، اور مفتی صاحب اس قدر ہنسی ضبط فرماتے کہ آنکھوں سے پانی نکلنے لگتا۔

ایک دن مفتی صاحب نے یٰسین بھائی سے فرمایا کہ بھائی جی! آج میری دعوت آپ کے یہاں ہے، یسین بھائی کو پہلے تو یقین نہیں آیا، دوبارہ استفہامیہ انداز میں مفتی صاحب کی طرف ذرا سا جھک کر جی کہا؟ مفتی صاحب نے پھر دہرایا کہ آج میری آپ کے یہاں دعوت ہے، اتنا سنتے ہی یٰسین بھائی بولے کہ

''حضرت میں غریب اور میری بڑھیا اتنی کمزور، میرے یہاں کھلانے کے لئے کچھ نہیں ہے''

مفتی صاحب نے فرمایا کہ گھر جاؤ میں کچھ دیر میں آؤں گا، یٰسین بھائی جانے لگے تو

حضرت مولانا اطہر حسینؒ نے فرمایا کہ یٰسین بھائی میں بھی آؤں گا۔

یٰسین بھائی سوچ میں پڑ گئے کہ ”یک نہ شد دو شد“ وہاں میری بڑھیا پتہ نہیں کیا کیا کہے گی، ڈانٹے گی اور کہے گی کہ اتنے بڑے لوگوں کی دعوت کردی اور یہاں بتایا بھی نہیں۔

موقع تو خوشی کا تھا کیونکہ ایک تو مفتی صاحب کی ذات گرامی جن کے آگے پیچھے امیر کبیر دست بستہ ملتجی ہوتے کہ دعوت قبول کرلیں لیکن نمبر نہ آتا تھا، دوسری طرف حضرت مولانا اطہر حسینؒ سبحان اللہ! کسی کی دعوت تو دور پانی پینے میں بھی احتیاط فرماتے تھے، خیر یٰسین بھائی اسی فکر میں غلطاں و پیچاں گھر پہنچ گئے اور تازہ ترین روداد سنائی اور کہا کہ دعوت کی پیش کش میں نے بالکل نہیں کی تھی خود مفتی صاحب نے کی ہے اور ساتھ ہی مولانا نے بھی کہہ دیا کہ میں بھی آؤں گا، اب میں کیا کروں، میری جیب بالکل خالی ہے۔

یٰسین بھائی کی اہلیہ نے کہا کہ پریشان مت ہو، ابھی ابھی میرے گھر سے ایک ٹفن آیا ہے وہاں بھتیجی کو دیکھنے کچھ مہمان آئے تھے۔

یٰسین بھائی تو مارے خوشی کے آبدیدہ ہو گئے اللہ کا شکر ادا کیا۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک رکشہ میں بیٹھ کر فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اور ان کے برادر خرد حضرت مولانا اطہر حسین یٰسین بھائی کے گھر پہنچ گئے، جلدی جلدی کھانا سامنے رکھا گیا، دونوں بھائیوں نے تھوڑا سا کھایا اور چلتے وقت مفتی صاحب نے دوسو روپے اور مولانا نے سو روپے یٰسین بھائی کو عنایت فرمائے۔

بعد میں یٰسین بھائی نے یہ روداد مجھے سنائی اور جب دونوں بھائیوں کے ہدیہ کا ذکر کیا تو آبدیدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ

”اس وقت میرے پاس ایک پائی نہیں تھی گھر والی کی دوائی بھی لانی تھی اور تنخواہ ملنے کا وقت بھی نہیں تھا، پیسوں کی بڑی شدید ضرورت تھی“

کرائے کے مکان میں

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ (متوفی ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳ء) اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کی طرح زہد وورع کے مقام بلند پر فائز تھے،

مظاہر علوم کے عہدہ اہتمام پر تقریباً چالیس سال تک فائز رہے لیکن اپنے والد ماجد کی طرح پوری زندگی کرایہ کے مکان میں گزار دی، بہت سے حضرات نے مکان کا مشورہ دیا لیکن آپ نے ہمیشہ انکار کیا اور جواب میں یہی فرمایا کہ مدرسہ کی نوکری کا کیا بھروسہ، جب تک عوام برداشت کررہی ہے خدمت کررہا ہوں جب عوام برداشت نہیں کرے گی تو مدرسہ سے جانا پڑے گا، آپ کی اہلیہ محترمہ بھی کبھی کبھی مکان کی خواہش اور تمنا کرتیں تو جواب دیتے کہ ہمارے کوئی اولاد نہیں ہے تو پھر اپنے بعد کیوں جھگڑا اور نزاع کا سامان کروں؟ اللہ بہتر کرے گا، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اہلیہ کا انتقال مفتی صاحب سے پہلے ہو گیا۔ آپ ایک مدت تک حاجی محمد عرفان عرف حاجی منی کے مکان میں رہے پھر مفتی صاحب کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا اطہر حسینؒ نے اپنے مکان کا بندوبست کیا تو مفتی صاحب بھائی کے مکان میں منتقل ہو گئے، آپ اپنی تنخواہ کے تین حصہ کرتے تھے پہلا حصہ دفتر اہتمام میں آنے والے مہمانوں اور دیگر ضرورتمندوں پر خرچ کرتے تھے، دوسرا حصہ اپنے گھریلو امور کے لئے اپنی اہلیہ کو دیتے تھے اور تیسرا حصہ اپنے بھائی کو عنایت فرماتے تھے کیونکہ وہ صاحب اولاد تھے تنخواہ کم اخراجات زیادہ تھے، بہت سے لوگوں نے مکان خرید کر دینے کی پیش کش کی منع فرمادیا، حاجی عتیق احمد صاحب نے بھی پیش کش کی منع فرمادیا تو حاجی صاحب نے آپ کی رہائش کے متصل ایک مکان خرید کر تعمیر جدید کرائی اور حضرت سے عرض کیا کہ اب قبول فرمالیں حضرت نے اس شرط کے ساتھ قبول فرمایا کہ مکان میرے نام نہیں ہوگا اور میرے مرنے کے بعد آپ ہی کی ملکیت میں رہے گا، جب شرط منظور ہوئی تو آپ جدید مکان میں منتقل ہو گئے، مختصر مدت اس مکان میں رہ کر انتقال فرماگئے۔ (فقیہ الاسلام نمبر، مضمون مولانا محمد ریاض الحسن ندوی)

فقیہ الاسلام اور خانقاہ تھانہ بھون

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین سے دنیا واقف ہے، ان کے تقویٰ، فتویٰ، زہد، قناعت، سادگی، ملنساری اخلاق، اخلاص، تکشُّف، تقشّف، تصلُّب، تسلُّف کون سی ایسی چیز ہے جس کو عنوان بنا کر مضمون اور مقالہ تیار نہیں کیا جاسکتا ہے، جب تک مدرسہ میں گاڑی

نہیں تھی تو بسوں، رکشوں، بیل گاڑیوں، ٹرینوں سے بھی سفر کیا ہے قریب کا نہیں دور دور کا کیا ہے، عین اس وقت جب امیر دعوت کی خواہش اور درخواست کرتے کرتے تھک چکا ہوتا ٹھیک اسی وقت کسی غریب، محنت کش، مزدور پیشہ کی دعوت پورے انشراح سے قبول فرماتے، انھیں دعوت میں تکلفات پسند نہیں تھے سادگی پسند تھے، لیکن غریب کی دلجوئی اس انداز سے کرتے کہ اسے پتہ ہی نہیں چلتا، مثلا آپ دعوت میں جاتے اور واپسی پر ہدیہ لینے کے بجائے داعی کے بچوں کو ہی ہدیہ دے کر آتے، ایسا بھی ہوا کہ جیب خالی ہے پھر بھی بغیر دئے واپس نہیں آئے اس کے لئے اپنے خادم مولانا تحسین، مولانا احمد سعید، یا اپنے ڈرائیور بھائی جمیل احمد وغیرہ سے سے قرض لینے میں کبھی عار محسوس نہیں کی، جہاں کہیں مدارس سے دعوت آتی، مساجد کا سنگ بنیاد یا افتتاح صلوۃ یا اقامت جمعہ کی نوبت آتی، جلسے ہوتے یا اجلاس سالانہ وغیرہ ہوتے ہر جگہ آپ لینے سے زیادہ دینے پر یقین رکھتے اور عمل فرماتے تھے، حضرت تھانویؒ کی خانقاہ تھانہ بھون سے آپ کا قدیم رشتہ تھا، آپ کے والد ماجد نے بہشتی زیور کا حاشیہ لکھا اور حضرت تھانویؒ کے بعض فتاوی پر عالمانہ اشکال کیا تو حضرت تھانویؒ نے رجوع فرمایا اور بہشتی زیور میں رجوع کی بابت تفصیل بھی لکھی، آپ حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولویؒ کے زمانے میں بھی خانقاہ جاتے تھے اور موجودہ متولی حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانویؒ کے عہد میں بھی خوب تشریف لے جاتے، مولانا سید نجم الحسن تھانوی کے صاحب زادے مولانا سید حذیفہ سلمہ کا بیان ہے:

”مفتی صاحب ہمارے بچپن میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں بکثرت تشریف لاتے تھے۔ اگر کسی دعوت میں اطراف تھانہ بھون میں آنا ہوتا تو داعی سے پہلے طے کر لیتے کہ میں کچھ وقت کے لیے خانقاہ بھی جاؤں گا۔ اس سے داعی پر زور نہ پڑتا نہ اس کو برا معلوم ہوتا“۔

حضرت مفتی صاحب کا معمول تھا کہ جس کی دعوت پر تشریف لے جاتے اس کے یہاں مکمل وقت دیتے، کسی اور کے یہاں تشریف نہ لے جاتے، ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں تشریف فرما تھے۔ علاقہ کے ایک صاحب بھی ملاقات کے لیے خانقاہ تھانہ بھون تشریف لے آئے۔ کچھ دیر بیٹھے، پھر حضرت مفتی صاحب سے اپنے

یہاں کی دعوت اور اس کے لیے تاریخ کے تعین کی بات کرنے لگے۔ حضرت نے فرمایا:

''میں اس وقت مولوی نجم الحسن تھانوی کی دعوت پر آیا ہوں۔ میرا یہ وقت مولوی نجم الحسن اور خانقاہ کے لئے ہے۔ اگر آپ میری تاریخ لینا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ مظاہر علوم تشریف لائیں، میں دن میں مدرسہ میں اور رات میں گھر پر ملتا ہوں''

اسی طرح مولانا سید نجم الحسن تھانوی سالانہ جلسہ دستار بندی کے اجلاس میں حضرت مفتی صاحب کو مدعو کرتے۔ وعظ کے بعد روانگی کا وقت ہوتا تو مولانا نجم الحسن تھانوی حضرت فقیہ الاسلام کو ہدیہ کے طور پر کچھ رقم پیش فرماتے۔ تاکہ حضرت مفتی صاحب کا سفر خرچ اور دیگر مصارف پورے ہو جائیں۔

حضرت مفتی صاحب مظاہر علوم کی رسید نکالتے اور جتنی رقم ہدیہ کی ہوتی پورے کی رسید بنا دیتے۔

مولانا نجم الحسن تھانوی نے بارہا کوشش کی کہ حضرت! رسید نہ بنائیں اور بارہا پیش کش کی کہ رسید کے لئے الگ سے رقم دیدوں لیکن حضرت مفتی صاحب نے ہمیشہ یہی فرمایا:

''مولوی نجم الحسن! تم بھی تو مجھ کو جلسہ میں مظاہر ہی کی وجہ سے بلاتے ہو، اگر میں ناظم مظاہر علوم نہ ہوتا تو کیا تم مجھ کو بلواتے؟ اس لئے تمہارے اس ہدیہ پر مدرسہ کا حق ہے میرا نہیں۔''

شیخ محمد یونس جون پوریؒ کی گواہی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جون پوریؒ فرماتے ہیں کہ

''میں نے مفتی مظفر حسین صاحب جیسا مسکین آدمی نہیں دیکھا، ایک دفعہ مفتی صاحب نے فرمایا کہ: تنخواہ ملی ہے، اتنے پیسوں سے قرض ادا کیا، اتنے پیسے مولوی اطہر حسین کے بچوں کو دئے اور بس اتنے پیسے باقی بچے ہیں، اسی سے پورا مہینہ چلے گا اور اسی میں مہمانوں کی ضیافت بھی ہوگی''

ایک بار حضرت شیخ محمد یونسؒ نے بیان فرمایا کہ

''ایک دفعہ مجھے بخار ہوگیا، دو دن تک بستر علالت پر پڑا رہا، کھانے پینے کا کوئی

انتظام نہ تھا، دوا علاج کی تو بات ہی کیا تھی، دوسرے دن جب مفتی مظفر حسین صاحب کو کچھ اندازہ ہوا تو تشریف لائے، حال دریافت کیا اور کہا کہ بھائی! میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے، پھر کسی کو بلا کر ہدایت فرمائی کہ مولوی صاحب کی دوا لا دو پیسے میں دیدوں گا اور فرمایا کہ: میرے حجرے میں چینی رکھی ہے اس میں سے آدھی تم لے لو اور شاید آٹھ آنے دودھ منگانے کے لئے دئے تھے تا کہ چائے بنا کر پی لوں، کبھی کبھی کرتے، لنگی کی ضرورت بھی محسوس فرما لیتے اور انتظام کرتے"۔

(ملفوظات ومختصر سوانح حضرت مولانا محمد یونس جون پوری: از مولانا محمد جابر کھروڈ)

حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئیؒ ۱۴۲۶ھ

قرآن کریم کا احترام

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحقؒ (۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷؍مئی ۲۰۰۵ء بروز منگل ممبئی تشریف لے گئے، ایک مسجد سے نکل کر باہر موجود گاڑی کے پاس پہنچے، گاڑی کے باہر ہی کھڑے رہے، چہرے سے افسردگی عیاں تھی، کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ گاڑی میں بیٹھنے کی گزارش کرے۔ جب خاصی دیر ہوگئی تو کسی نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا: حضرت! کیا بات ہے؟ محی السنۃؒ نے اپنی انگلی گاڑی کے اگلے حصے پر پھیری، چمچماتی گاڑی بے داغ و بے غبار تھی، اس لئے حضرت کی انگلی پر گرد وغبار کا کوئی نشان نہیں تھا، حضرتؒ نے ذمہ داران کو اپنی انگلی دکھا کر پوچھا: کیا اس پر دھول مٹی لگی؟ سب نے جواب نفی میں دیا تو آپؒ سب کو لے کر اندر تشریف لے گئے۔ پوری مسجد میں گھوم گھوم کر الماریوں میں سب سے اوپر رکھے قرآن کریم کے نسخے اٹھاتے جاتے تھے اور اپنی انگلی پھیر پھیر کر اُن پر جمی ہوئی دُھول دکھاتے جاتے تھے۔ مختلف الماریوں سے کلام پاک کے نسخے دکھانے کے بعد سب سے سوال کیا:

"کیا آپ لوگوں کی گاڑیاں قرآن مجید سے افضل ہوگئی ہیں؟"

سب لوگ شرم سے پانی پانی ہوگئے، سب کی گردنیں خم تھیں، معافی چاہنے لگے۔ آپ نے خدام سے فرمایا کہ آگے کا سفر ملتوی کردو جب تک یہاں کلام پاک کے ایک ایک نسخے پر غلاف نہیں چڑھ جاتے، تب تک میں یہیں بیٹھا رہوں گا۔

اتنا ہی سنتے ہی چار سو ہلچل ہوگئی، سب لوگ بہت گھبرائے، بھاگے دوڑے، سفید

کپڑے کا تھان منگایا گیا، سفید اور خوبصورت جزدان سلے گئے اور اسی وقت جزدانوں میں قرآن کریم کے تمام نسخوں کو رکھا گیا، تب جا کر حضرت نے اگلی منزل کی طرف قدم بڑھائے۔ (روایت قاری ابوالحسن اعظمی)

حضرتؒ کے علوم ومعارف ......سلوک واحسان، تزکیۂ نفوس ......احیاء سنت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسی داعیانہ صفات کا سارا زمانہ معترف تھا، ان کی فیض رساں طبیعت سے شاید ہی کسی کو نقصان ہوا ہو البتہ ان کے عظیم ترین مشن سے ہر کسی کو فائدہ ضرور ہوا......ایک بڑی تعداد جو جادۂ اعتدال بلکہ راہ مستقیم سے ہٹ چکی تھی راہ راست پر آگئی......منکرات کا خاتمہ تو نہیں البتہ اس میں حیرت انگیز کمی واقع ہوئی......نیکیوں کا چلن عام ہوا......برائیوں پر روک لگی......دین کا بول بالا ہوا...... بد دین صراط مستقیم پر گامزن ہوئے......گم کردہ راہوں کو توبہ واستغفار کے مواقع میسر آئے ......طبقۂ علماء کو مفوضہ امور یاد آئے......اپنی ذمہ داریوں کا انہیں احساس ہوا......مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ......دینی تعلیمات کے لئے قرآنی مکاتب کا اجراء اور دعوت الحق کے پلیٹ فارم سے معروفات کا حکم ......منکرات وفواحش، الحاد ولا دینیت اور شیطانی دسیسہ کاریوں کی روک تھام کے لئے حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے وضع کردہ اصولوں کو اپنا کرنا قابل فراموش خدمات انجام دیں۔

(ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم: مضمون مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی)

حضرت مولانا اطہر حسین اجراڑویؒ ۱۴۲۸ھ

فراستِ ایمانی

مظاہر علوم میں عربی فارسی اردو کے با کمال استاذ تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی کی کتابوں کے دلدادہ اور فقیہ الاسلام مفتی مظفر حسین کے برادر اصغر تھے، نام تھا مولانا اطہر حسینؒ (متوفی ۱۴۲۸ھ) میں نے اپنی زندگی میں ایسا متقی، ایسا پارسا، ایسا حق گو اور ایسا حق نگر نہیں دیکھا، وہ چہرہ دیکھ کر کبھی خوش کبھی ناخوش ہو جاتے تھے، بعض لوگوں سے اظہار ناراضی کرتے ہوئے یہ تک فرمادیا کہ تم یہ گناہ کر کے آئے ہو، توبہ کرو، موت کو مستحضر رکھو۔

دفتر والی مسجد کے ایک گوشے میں اس طور پر بیٹھتے تھے کہ طلبہ مسجد کے اندر اور خود خارج مسجد، جب تک پڑھاتے پنکھا چلتا رہتا، جیسے ہی سبق ختم تو پنکھا بند، تلاوت شروع، بیٹھنے کے لئے نشست گاہ کا بھی تکلف نہیں تھا، وہی فرش جو عام نمازیوں کے لئے بچھتا ہے اسی پر بیٹھ کر اسباق پڑھاتے تھے، تپائی جس پر کتاب اور قرآن کریم رکھتے تھے وہ بھی چھوٹی سی، بالکل سادہ تھی، میں خارج وقت میں ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوا، سخت گرمی تھی، مولانا کا کرتا پسینہ کی وجہ سے جگہ جگہ سے بھیگ رہا تھا، پنکھا بند تھا، میں نے خدمت استاذ اور راحت استاذ سمجھ کر پنکھا چالو کر دیا، برافروختہ ہو گئے اور پنکھا بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

"مدرسہ کا مال مال وقف ہے اس سے ذاتی انتفاع جائز نہیں ہے"

نازک مزاجی

بڑے نازک مزاج تھے، گرمیوں کے موسم میں کسی کو شیروانی میں یا سردیوں کے موسم میں کسی کو ہلکے پھلکے کپڑوں میں دیکھتے تو بھی مزاج کرکرا ہو جاتا تھا، گفتگو کے دوران اگر کوئی

ناک، کان، منہ تک انگلی لے جانے کی کوشش کرتا تو عتاب کا شکار ہو جاتا تھا، مسجد میں داخل ہوتے یا نکلتے وقت سنت کے خلاف قدم رکھتا تو پریشان ہو جاتے تھے، قرآن کے اوپر کسی بھی طرح کی کتاب رکھنا گوارا نہیں تھا، تپائی جس پر کتاب رکھی ہوتی اس میں اگر طالب علم کا پاؤں لگ جاتا تو مولانا کا غصہ دیدنی ہوتا، ملازمین اور مدرسین مدرسہ کے وقت میں اگر بیت الخلا میں زیادہ وقت لگاتے تو فرماتے کہ یہ مدرسہ کے وقت کا ضیاع ہے گھر سے ہی فارغ ہو کر آنا چاہئے، کسی طالب علم کو اگر دیکھ لیا کہ کتاب بائیں ہاتھ میں ہے اور جوتے چپل دائیں ہاتھ سے رکھ رہا ہے تو کلاس لگا دیتے، وہ چاہتے تھے کہ طلبہ سبق میں ہمہ تن گوش رہیں، ادھر ادھر دیکھنے والوں کو عجیب وغریب سزائیں دیتے مثلاً

کسی سے فرماتے کہ کھڑے ہو کر مسجد کے ستون سے لپٹے رہو؟

کسی سے فرماتے کہ دفتر کے صحن میں کھڑے ہو کر بغلیں بجاؤ؟

کسی سے فرماتے کہ ٹریفک پولیس کی طرح مسجد کے دروازے کے پاس ایک طرف کو ہاتھ اٹھا کر چپ چپ کھڑے ہو جاؤ؟

کبھی کبھی گوشمالی بھی فرماتے اور جب طبیعت منشرح ہوتی تو فرماتے کہ میں اپنے شاگردوں کے کان دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ یہ میرا شاگرد ہے یا نہیں۔

تم دارالافتاء کے اہل نہیں ہو!

گرمیوں کا موسم تھا ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے، سر پہ موٹی سی پگڑی تھی، پسینہ میں شرابور تھے، عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیں میں نے اپنے تقرر کی درخواست مدرسہ میں دی ہے، پوچھا کس شعبہ میں؟ عرض کیا کہ دارالافتاء میں، فرمایا کہ میرے نزدیک تو تم دارالافتاء کے اہل ہی نہیں ہو، عرض کیا کہ حضرت کیوں؟

فرمایا اتنی سخت گرمی میں تم نے اتنی تگڑی پگڑی سر پر لپیٹ رکھی ہے اسی سے تمہارے تفقہ کا پتہ چلتا ہے۔

گلے پڑ گیا

ایک صاحب محلہ کے ہیں، منہ لگے ہوئے، اکثر خدمت میں حاضر باش، حضرت نے

برداشت کیا اور جانے کو نہیں فرمایا بلکہ خود ہی گھر کے لئے تشریف لے چلے، وہ صاحب بھی پیچھے پیچھے حضرت کے ساتھ گھر بھی پہنچ گئے، حضرت نے نشست گاہ کھولی اور وہ صاحب بیٹھ گئے، حضرت نے ان کے جانے کا کچھ انتظار کیا لیکن وہ تو لگتا تھا بڑی فرصت میں ہے، بس پھر کیا تھا گھر کے اندر گئے، گھر کے کاغذات کا پلندہ لائے اور ان صاحب سے بولے:

یہ اس گھر کے کاغذات ہیں اور ان کاغذات میں اس گھر کی ملکیت میرے نام لکھی ہوئی ہے، تب جا کر وہ صاحب وہاں سے رفو چکر ہوئے۔

امتحانی پرچہ

استاذ محترم حضرت مولانا اطہر حسینؒ کی طبیعت اور فہم ثاقب تھا، آپ کے قلم گہربار سے پسندیدہ اور اچھے اشعار ہی نکلتے تھے، یہ تو پتہ نہیں چل سکا کہ آپ نے شعر گوئی کب سے شروع فرمائی لیکن اتنا ضرور ہے کہ آپ اردو، عربی اور فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے، آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ بھی بڑے شاعر گزرے ہیں۔

ایک بار جلالین کا سالانہ امتحان حضرت مولانا محمد اکبر علی سہارنپوریؒ کے یہاں متعین ہوا، مولانا فرماتے ہیں کہ میری طبیعت میں چونکہ آزادی تھی، تکرار و مطالعہ کی پابندی نہ ہوتی تھی گو اسباق میں حاضری کی پابندی ہوتی تھی، لیکن اس میں بھی ذہنی غیبوبت کارفرما رہتی تھی، اس لئے تعلیمی کمزوری اور خاطر خواہ پرچہ کا نہ ہونا ایک لازمی امر تھا، امتحان ہوا میں بھی اپنی معلوماتِ محدودہ کے مطابق لکھ کر فارغ ہوگیا اور آخر میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے پرچہ میں یہ شعر لکھدیا ؎

هٰذ الذی اخترته وكتبته

لله يا اكبر علی فترحم

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا اکبر علیؒ اس سے بہت خوش ہوئے اور اس کا تذکرہ متعدد جگہ طلبہ کے درمیان کیا اور مجھ کو پاس بھی فرمادیا۔

(بزم اطہر ص ۳۴)

حضرت مولانا انعام الرحمن تھانویؒ ۱۴۲۹ھ

کفایت شعاری کی اعلیٰ مثال

''قدرت نے سرزمین تھانہ بھون کو مردم خیزی میں دوسرے مقامات پر ایک امتیازی حیثیت بخشی ہے اگر مبالغہ نہ سمجھیں تو میں وضو کر کے آپ کے متعلق بھی یہ رائے قائم کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتا ہوں کہ آپ کی پیشانی کی لکیروں میں بھی ادب کے آفتاب نصف النہار کی کرنیں مستقبل قریب میں اپنے مستقل آفتاب ہونے کا اعلان کر رہی ہیں''

یہ الفاظ مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ نیز حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ کے ہیں جو آپ نے اپنے ہی شاگرد رشید حضرت مولانا انعام الرحمن تھانویؒ (متوفی دوشنبہ ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۳؍فروری ۲۰۰۸ء) کے بارے میں تحریر فرمائے ہیں۔

آپ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ہم وطن، مظاہر علوم کے شعبہ نشر واشاعت کے نگراں، حضرت مولانا اطہر حسینؒ اور قاضی شہر سہارنپور جناب الحاج قاضی سلطان اخترؒ جیسے لوگوں کے استاذ تھے، آپ سے بہت کم لوگ واقف ہیں پر جو واقف ہیں وہ آپ کے کمالات کے معترف ومداح ضرور ہیں، فارسی اور اردو کے باکمال ادیب وشاعر، تاریخ نکالنے میں ماہر و یکتا، سادہ زندگی، سادہ غذا، مخلص انسان اور شاعری میں تلمیذ رحمان، والد بزرگوار حکیم نفیس الرحمن، مظاہر علوم میں رسالہ آئینہ مظاہر علوم کے پہلے مدیر، حضرت فقیہ الاسلام مفتی مظفر حسینؒ کے معتمد، ہر وقت اسی فکر میں غلطاں کہ مدرسہ کا کچھ بھی نقصان نہ ہونے پائے، پوری زندگی تمام معاونین کو، اہل تعلق کو، دفتر اہتمام کے تحریری امور کو اپنے

ہاتھ اور اپنے قلم سے انجام دیا، رف بنانے کے لئے ہمیشہ ایسا کاغذ استعمال فرماتے جو پہلے سے مستعمل ہو، مثال کے طور پر ڈاک کے ذریعہ آمدہ خطوط میں جو لفافہ استعمال کیا جاتا ہے آپ اس لفافہ کو سلیقہ سے کھول لیتے اور اس کی خالی پشت کو رف کے لئے استعمال فرماتے، ایک بار کچھ لکھنا تھا میں نے کمپیوٹر والا کاغذ پیش کر دیا بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ اتنا بڑا اور اتنا شاندار کاغذ رَف کے لئے میں استعمال نہیں کر سکتا، تبادلہ کے طور پر جو رسائل آتے ان کے لفافے سنبھال کر رکھ لیتے اور انھیں بھی کھول کھول کر رَف میں استعمال کرتے رہتے، کتابوں کے بنڈل جو تبصرہ، ہدیہ اور مدرسہ کے لئے عطیہ میں آتے ان پر بندھی ہوئی رسی کھول کر سنبھال کر رکھ لیتے اور وقت ضرورت کام میں لاتے اور فرماتے:

میاں! یہ مظاہر علوم ہے یہاں ایسی ایسی ہستیاں گزری ہیں جو مدرسہ کے کام کے لئے مدرسہ کا قلم استعمال کرتے اور ذاتی کام کے لئے اپنا قلم استعمال کرتے، ایسے لوگ گزرے ہیں جو مدرسہ کے وقت میں کسی عزیز کے آنے پر دورانِ گفتگو خرچ ہونے والے وقت کو شمار کرتے اور اس وقت کی تنخواہ وضع کرا دیتے، پھر فرماتے کہ آج مظاہر علوم میں ہر جگہ جو عشرت نظر آتی ہے یہ ان ہی باکمال شخصیات کے زاہدانہ، درویشانہ اور مخلصانہ کمالات کی برکت ہے، یہاں سب سے پہلی بار بجلی کے پنکھے رنگون کے اہل تعلق نے خرید کر بھیجے تھے لیکن مدت تک وہ پنکھے اس لئے نہیں لگوائے گئے کیونکہ اکابر اس وقت تک بجلی و پنکھوں کو اضاعت مال اور اسراف سمجھتے تھے، بڑی میٹنگیں، بڑے مشورے اور بڑے ردوقدح کے بعد پنکھے لگ سکے۔

کلام مجذوب کا شاندار مقدمہ، ارمغان تخیل (شعری مجموعہ) اور بے شمار مضامین ومقالات آپ کے پختہ قلم، پختہ فکر اور پختہ اسلوب کی گواہی دیتے ہیں۔

حضرت مولانا انعام الرحمن تھانویؒ زندگی کی ۸۸ بہاریں دیکھ کر دوشنبہ ۳ فروری ۲۰۰۸ء کو مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ کے صاحب زادے حضرت مولانا عبدالرؤف عالیؒ نے آپ کے بارے میں لکھا تھا کہ:

''انعام صاحب نے ذہن، فکر بلند، ذوق لطیف اور جودت طبع کے ساتھ شعر وادب کے میدان میں قدم رکھا، اردو، زبان کی حیثیت سے گھر کی لونڈی تھی، ادھر فارسی کی چاشنی نے ان کی اردو کو شستگی وشائستگی عطا کی وہیں اس کو علمی پیرایۂ بیان اور لطافت وشیرینی بخشی، ایک طرف اردو کو انہوں نے اپنے علم وفن سے شاداب کیا وہیں فارسی زبان سے لگاؤ کی بناء پر اپنے جذبات وافکار کا اظہار بڑی سجی سجائی اور آراستہ وپیراستہ فارسی میں بھی کیا، شعر کی ہر صنف پر انہیں عبور حاصل ہے ان کا ذوق ادب عمدہ اشعار بلند پایہ، فارسی زبان پر دسترس، لب ولہجہ سنجیدہ، لطافت بیان کے ساتھ اظہار مطالب پر قدرت شعر گوئی کا ملکہ کہ کوئی صنف سخن ان کی جولانگاہ قلم سے باہر نہیں، بلند انداز نظر، عربی فارسی ترکیبوں سے بھر پور مختصر جملے مگر معنویت اور جامعیت سے لبریز۔''

(ارمغان تخیل: مجموعہ کلام حضرت مولانا انعام الرحمن تھانویؒ)

۞۞۞

حضرت مولانا محمد قاسم سہارنپوریؒ ۱۴۲۹ھ

موت کی تیاری

مولانا محمد قاسم سہارنپوریؒ (۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۸ء دوشنبہ): مظاہر علوم کے اہم استاذ تھے، میرے بھی استاذ تھے، میں نے ہدایہ ثالث پڑھی ہے، زیادہ بوڑھے بھی نہیں تھے، بکثرت درود شریف پڑھتے تھے اور کاپی میں درود شریف لکھتے بھی تھے، ایسی بہت سی کاپیاں آپ کے پاس موجود ہیں جو درود شریف سے بھری ہیں، یہ عمل بہت قدیم تھا، ان کی صحت وتندرستی سے بظاہر امید تھی کہ ابھی حضرت مولانا اپنے علوم ومعارف سے ہمیں مزید سیراب وفیضیاب فرمائیں گے لیکن قول حق برحق ہے إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ (۲۹)۔

ایک بار دل کا دورہ بھی پڑ چکا تھا اس کے بعد غالباً یقین ہو گیا تھا کہ اب رخصت کا وقت آن پہنچا ہے، جس رات آپ کی وفات ہوئی بالکل ٹھیک ٹھاک تھے بظاہر کوئی مرض اور پریشانی نہیں تھی، نیند نہیں آ رہی تھی، بجلی بھی غائب تھی، اٹھ کر بیٹھ گئے، روشنی کے لئے لالٹین جلانے کا حکم دیا، ساتھ ہی کاغذ قلم طلب کیا اور ایک تفصیلی وصیت نامہ تحریر کیا، وصیت نامہ کی شروعات درود شریف، کلمۂ طیبہ اور اذکار مسنونہ سے کی، پھر مدرسہ کا حساب، آمد خرچ، رسیدات کی تفصیلات، وغیرہ لکھیں، بعض لوگوں اور تعلیمی اداروں کی صراحت بھی کی کہ فلاں شخص کو اتنے اور فلاں مدرسہ کو اتنے روپے دے دینا، ساتھ ہی اپنی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے مولوی قاری محمد ارشد گورا کا نام لکھا، وصیت نامہ پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ گویا حضرت مولانا موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

الحاج بابو محمد عبداللہؒ ۱۴۲۹ھ

مسئلہ پچاس پیسے کا نہیں ہے

دفترِ مالیات مدرسہ مظاہرعلوم کے ذمہ دار تھے نام تھا جناب الحاج بابو محمد عبداللہ (متوفی ۲۲/دسمبر ۲۰۰۸ء مطابق ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ) عالم فاضل تو نہیں تھے البتہ انگلش اور ہندی کی تعلیم بڑی مضبوط تھی، بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے، کسی سرکاری شعبہ سے ریٹائرڈ بھی تھے، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے دورِ اہتمام میں آپ اس شعبہ میں آئے، بارہا ایسا ہوا کہ کسی شخص نے مدرسہ کے خرچہ کا واؤچر پیش کیا، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے تو دستخط فرمادیئے لیکن بابو جی نے نکیر کے ساتھ انکار کردیا، مدرسہ کے مال کے خرچ کرنے میں وہ اتنے محتاط تھے کہ کبھی کبھی احتیاط کی وجہ سے مدرسہ کا بظاہر نقصان ہوتا محسوس ہوتا، مثلاً وہ کہتے تھے کہ جتنا پیدل چلنا ممکن ہو اتنا تو چلنا ہی چاہئے یہ کیا ہے کہ مدرسہ سے جامع مسجد رکشہ سے جارہے ہو؟ جناب قاری مرغوب الرحمن آدم پوری مدرسہ کی طرف سے ماہ رمضان میں ممبئی جاتے تھے واپسی پر خرچہ کا پرچہ جمع کیا تو اس میں دھوبی کی اجرت بھی درج تھی، بابو جی معترض ہوئے اور فرمایا کہ کپڑے تو اپنے ہاتھ سے بھی دھلے جاسکتے ہیں، قاری مرغوب صاحب نے عرض کیا کہ ممبئی میں وقت بہت قیمتی ہے اگر کپڑوں کے دھلنے میں لگوں گا تو وقت ضائع ہوگا، بہرحال بابو جی کا انکار واعتراض برقرار رہا تو قاری صاحب نے یہ استغاثہ حضرت مفتی مظفر حسینؒ کی خدمت پیش کیا تب جاکر معاملہ سلجھ سکا۔

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین اجراڑویؒ کی عادت تھی کہ صبح مدرسہ کا وقت ختم ہونے کے باوجود دفتر اہتمام میں موجود رہتے تھے کیونکہ لوگوں کی بکثرت آمد ورفت رہتی تھی اسی

طرح ظہر بعد تشریف لاتے تو عشاء کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے تھے۔

ایک دن عصر بعد مفتی صاحب نے دیکھا کہ دفتر مالیات کھلا ہوا ہے اور اس کا عملہ بھی مصروف ہے، مغرب بعد بھی دیکھا تو ہنوز عملہ مصروف، عشاء بعد مفتی صاحب نے آخر کار پوچھ لیا کہ بابو جی! خیریت تو ہے؟

فرمایا: اجی حضرت! میری تو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ تحویل میں پچاس پیسوں کا فرق کیوں آرہا ہے؟ مفتی صاحب نے فرمایا کہ پچاس پیسوں نے آپ سب کو پریشان کردیا ہے؟ بابو جی بولے:

''مسئلہ پچاس پیسے کا نہیں ہے مسئلہ تحویل کا ہے جب تک غلطی مل نہیں جاتی تلاش وتحقیق جاری رہے گی''

ایک بار رسالہ آئینہ مظاہر علوم (سائز ۱۶/ ۲۰×۲۶) کا غذ نہ مل سکا تو ۲۰، ۳۰ سائز لیا اس کی باریک چٹ کٹوا کر رسالہ چھپوایا، بل میں سائز بڑا دیکھا تو پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ میں نے وجہ بتائی تو فرمایا کہ وہ چٹ کہاں ہے؟ میں نے پریس سے چٹ کے بنڈل رکشہ میں لاد کر پیش کردئے، بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کچھ تو رَف میں کام آجائیں گی کچھ اوپر کتب خانہ میں جلد ساز کے کام آجائیں گی۔

۞۞۞

حضرت مولانا عبداللطیف نلہیڑویؒ ۱۴۲۹ھ

صاحبِ کشف وکرامات بزرگ

حضرت مولانا عبداللطیفؒ ۱۹۲۱ء کے آس پاس سہارنپور کے گاؤں نلہیڑہ میں پیدا ہوئے، والد صاحب کاشتکار مگر دیندار تھے، گاؤں کے مکتب کے بعد جامعہ اسلامیہ ریڑھی، تجوید القرآن محلہ قاضی وغیرہ میں پڑھ کر مظاہر علوم کا رخ کیا، مظاہر علوم میں پورے گیارہ سال میں پندرہ اساتذہ سے درسیات کی مختلف کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل کیا، فارغ ہوکر مختلف مدارس، مساجد اور مکاتب قرآنیہ میں پڑھایا، امامت بھی کی، اصلاح خلق پر بھی توجہ دی، سلوک واحسان میں پہلے سے ہی دلچسپی تھی پھر حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ کی خلعت خلافت نے مزید چار چاند لگادئے، ہر بزرگ کا رنگ الگ، ڈھنگ جدا اور انداز تربیت منفرد ہوتا ہے، آپ کے عجیب وغریب ملکات وکمالات اور واقعات وکرامات سن کر اور دیکھ کر اچھے اچھے علماء وبزرگان دین بھی انگشت بدنداں رہ جاتے تھے، جو کمالات میں نے دیکھے اور معتبر علماء کی زبانی سنے ان کو قلم بند کرنے پر آؤں تو کاپی بھر سکتی ہے، بیماروں کو دیکھ کر نہ صرف مرض کی تشخیص کردیتے تھے بلکہ جب موڈ خوش گوار اور خاص حالت طاری ہوتی تو بیمار بھی صحت مند ہوکر جاتا، کتنے ہی مریض ایکسرے رپورٹ لے کر آئے، حضرت نے رپورٹ دیکھے بغیر فرمادیا کہ رپورٹ ہی غلط ہے، بیماری یہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

گردے کی پتھری

حضرت مولانا محمد سعیدی کے گردے میں پتھری تھی، علاج اور آپریشن کے جھمیلے

سے بچنے کے لئے پہنچ گئے لال کنویں کی لال مسجد میں اور عرض کردی اپنی کیفیت اور حالت، فرمایا کھڑے ہوجاؤ، کھڑے ہوگئے، آپ کچھ پڑھتے رہے اور انگشت شہادت سے پتھری کی طرف اشارہ کرتے رہے اور فرماتے رہے اور چل اور چل، مولانا کا بیان ہے کہ جوں جوں انگشت شہادت سے اشارہ ہوتا پتھری کھسکتی رہی، تکلیف کی جگہ بدلتی رہی اور پھر فرمایا کہ اب جاؤ پیشاب کرو، چنانچہ پیشاب کے ساتھ ہی پتھری باہر نکل گئی۔

اولاد سے محرومی

ایک صاحب کو ڈاکٹروں نے بتادیا کہ تم اولاد کی نعمت سے محروم رہو گے، بڑا حیران وپریشان پہنچ گیا لال کنویں اپنی تفصیل بتا کر دعا کا طالب ہوا، مولانا جلال میں آگئے اور فرمایا، ڈاکٹر غلط بولتے ہیں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا بچہ تمہاری انگلی پکڑے ہوئے سامنے کی سڑک سے گزر رہا ہے، چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا، اولاد ہوئی، ملاقات کے لئے بار بار آپ کے پاس آتا رہا اور بچے کو بھی لاتا رہا۔

مقدمہ سے بری

حاجی سلیم احمد دریا گنج کے رہنے والے ہیں ابھی زندہ سلامت اور ماشاء اللہ تندرست ہیں، سونے کے کاروبار میں ممبئی میں دھر لئے گئے، کیس چلا، بہت پریشان ہوئے، آپ کے پاس پہنچے اور دعا کی استدعا کی، فرمایا پریشان مت ہونا اللہ ٹھیک کرے گا، ایک دن خود ہی فون کرایا اور فرمایا ممبئی فیملی کے ساتھ چلے جاؤ، وکیل سے بات کرکے مجھے بتاؤ، سلیم صاحب ممبئی پہنچے، وکیل نے سات لاکھ روپے مانگے، حضرت کو اطلاع دی تو فرمایا قیام گاہ واپس چلے جاؤ اور کل جانا، اگلے دن اسی وکیل سے دوبارہ ملے، آج اس نے تین لاکھ مانگے، اطلاع دی فرمایا واپس قیام گاہ چلے جاؤ اور کل ملنا، تیسرے دن پھر اسی وکیل سے ملے اور آج وکیل نے صرف پچاس ہزار روپے مانگے اطلاع دی تو فرمایا ہاں کردو اور جب مجسٹریٹ کے سامنے پہنچو تو مجھے فون کرانا، چنانچہ جب مجسٹریٹ کے سامنے پیشی ہوئی تو ساتھی نے فون کیا، یہاں حضرت لال کنویں کی مسجد میں فون کا انتظار کررہے تھے، جلدی

سے فون ہاتھ میں لیا اور فرمایا کہ جی ہاں میں دیکھ رہا ہوں کہ مجسٹریٹ بیٹھ چکا ہے پھر زور سے فون میں ہی فرمایا ''بری کا فیصلہ لکھ'' مجلس میں جتنے لوگ تھے سب نے یہ منظر دیکھا، ادھر جج نے بغیر بحث کے فیصلہ سنا دیا، کیس کی حساسیت اور نوعیت کی وجہ سے وکلاء کا اندازہ تھا کہ کئی سال کی جیل ہوگی، جرمانہ ہوگا، پیشی پر پیشی ہوں گی لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔

آپ حیرت کریں گے اور حیرت ہونی ہی چاہئے آپ کے مرشد گرامی حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ بھی مریضوں کو آپ کے پاس بھیجتے تھے اور ماشاء اللہ مریض صحیح ہوکر واپس آتے تھے۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ بھی مخصوص لوگوں کو بھیجتے تھے اور مریض خوشی خوشی واپس آتا تھا۔

حضرت مولانا محمد اللہ مرحوم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ کے صاحب زادے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

''ان کی روحانی قوت اور نورانی فطرت نے کافی دن پہلے مجھ سیاہ قلب پر بھی توجہ فرمائی تھی اور اب بھی وہ اپنی بزرگانہ عطوفت سے نوازتے رہتے ہیں''

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین تحریر فرماتے ہیں:

''یکسوئی، تقویٰ، معمولات کی پابندی، مجاہدہ وریاضت، اکابر سے محبت وعقیدت اور اخوت وسادگی یہ ایسی صفات ہیں جن پر احقر کو ہمیشہ رشک ہوتا رہا ہے اور بے اختیار زبان پر آتا ہے وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون''

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ کا ارشاد ہے:

''حضرت مولانا سے میری قدیم واقفیت ہے، ہمیشہ سے ہی یکسوئی، شغل بالحق، تقویٰ کا اہتمام ان کا مزاج رہا ہے''

سلسلہ تھانوی کے آخری چراغ حضرت مولانا ابرار الحقؒ ہردوئی ایک دفعہ دہلی دریا گنج کی مسجد میں تشریف فرما تھے، باتوں باتوں میں حضرت مولانا عبداللطیف نلہیڑویؒ کا ذکر خیر آیا تو ایک صاحب نے کہا کہ حضرت مولانا عبداللطیفؒ کا قیام یہیں لال کنواں میں ہے

آپ فرمائیں تو بلالوں؟

حضرت مولانا ابرار الحقؒ نے فرمایا تم بلانے کی بات کرتے ہو وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے پاس سر کے بل جاؤں تب بھی کم ہے، پھر حضرت نے ملاقات کا اشتیاق ظاہر فرمایا، فجر کے کچھ دیر بعد بغرض ملاقات لال مسجد تشریف لے گئے (حضرت مولانا تہجد کے وقت بیدار ہو جاتے تھے اور فجر تک معمولات و تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے، فجر کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے تھے) جب مسجد پہنچے تو حضرت آرام فرما رہے تھے، لوگوں نے کہا بھی کہ بیدار کر دوں لیکن حضرت ہردوئیؒ نے منع فرمادیا اور فرمایا کہ زیارت ہوگئی یہی بہت ہے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ ۱۸ر ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ کو انتقال فرمایا۔

مستفاد: (حیات حضرت مولانا عبداللطیف نلہیڑوی)

حضرت مولانا عبدالکریم بجنوریؒ ۱۴۳۲ھ

نماز باجماعت کا اہتمام

مظاہر علوم کے عظیم فرزند، بزرگوں سے اکتساب فیض کرنے والی خوش قسمت وخوش نصیب شخصیت حضرت مولانا عبدالکریم مظاہری بجنوریؒ ان افراد میں سے تھے جنہوں نے حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کی خدمت کی ہے۔

شعبان المعظم ۱۳۶۸ھ میں مظاہر علوم سے فارغ ہوئے، حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد اللہؒ، حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ کے صاحب زادے حضرت مولانا عبدالرؤف پورقاضویؒ، حضرت مولانا علامہ محمد یامین سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبدالوحید نوگانویؒ، حضرت مولانا بشیر احمد سنسارپوریؒ، حضرت مولانا سعید احمد برمیؒ سفیر مدرسہ، حضرت مولانا فضل مبارک مردانیؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمن بجنوریؒ وغیرہ آپ کے دورۂ حدیث کے ساتھی تھے۔

آپ نے ترمذی شریف اور بخاری شریف کا کچھ حصہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد اجراڑویؒ سے، مسلم شریف حضرت مولانا منظور احمد خان سہارنپوریؒ سے، بخاری شریف کا اکثر حصہ اور ابوداؤد شریف حضرت مولانا شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ سے اور طحاوی، نسائی اور ابن ماجہ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ایک زمانہ تک سہس پور ضلع بجنور میں تعلیم دی، کاشی پور ضلع ادھم سنگھ نگر (اتراکھنڈ) میں بھی پڑھایا۔

میں نے ۷/ اگست ۲۰۱۱ء میں باقاعدہ افضل گڑھ ضلع بجنور کا سفر کر کے ملاقات و

زیارت کی تھی، آپ اپنے ہی گھر کے ایک چھوٹے سے سادہ حجرے میں بستر علالت پر دراز تھے، تقریباً سو سال عمر ہو چکی تھی، بینائی نے اپنی راہ لی، قویٰ نے ساتھ چھوڑ دیا، کمر بستر سے جا لگی، لیکن ذہن ودماغ ماشاء اللہ بالکل تروتازہ، پرانی سے پرانی باتیں خوب یاد تھیں، ملاقات کے دوران سب سے زیادہ تذکرہ حضرت مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کا کرتے رہے، روتے رہے اور فرمایا:

"حضرت مفتی سعید احمد اجراڑویؒ کی مثال نہ تو ان کے زمانے میں تھی اور ان کے بعد تو امکان ہی نہیں ہے، میں نے حضرت مفتی سعید احمدؒ کی کئی سال تک خدمت کی ہے، اپنے استادزادے حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کو اپنے ان ہاتھوں میں اپنے بچوں کی طرح گود کھلایا ہے"۔

ان کا نام عبدالکریم تھا اس لئے کرم اور مہربانی ان کی عادت بلکہ طبیعت بن چکی تھی، ان سے جو شخص ایک بار مل لیتا تو ہمیشہ ان ہی کا ہو کر رہ جاتا۔

نماز باجماعت کی انھیں ایسی عادت تھی کہ اذان ہوتے ہی مسجد پہنچنے کے لئے بے چین ہو جاتے تھے، نماز سے کافی پہلے مسجد پہنچتے تھے اور کافی دیر تک مسجد میں ہی بیٹھے ذکر و تلاوت میں مصروف رہتے تھے، لوگوں کا خیال ہے کہ مولانا کی زندگی کا بیشتر حصہ مسجد میں ہی گزرا ہے۔

تلاوت قرآن کا عشق

قرآن کی تلاوت سے بھی مولانا کو عشق تھا، جب بھی فرصت پاتے تو قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دیتے، بعض لوگوں نے عجیب بات بتائی کہ مولانا صحت کے دنوں میں عموماً ایک قرآن یومیہ پڑھ لیا کرتے تھے، پھر تین منزل پڑھنے کا معمول ہو گیا، جب بالکل صاحب فراش ہو گئے تو تین پارے پڑھ لیتے تھے۔

جب تک ممکن ہوسکا باقاعدہ وضو کر کے نماز ادا کرتے رہے پھر جب بیماریوں اور معذوریوں کی وجہ سے وضو مشکل ہو گیا تو تیمم شروع فرما دیا۔

احتیاط کا یہ عالم تھا کہ نماز کے لئے مستقل الگ لنگی رکھتے تھے۔ جب بھی نماز ادا

کرتے تو پہلے نماز کے لئے مخصوص لنگی زیب تن فرماتے تھے۔

میں ۷/اگست ۲۰۱۱ء کو افضل گڑھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، اُسی دن میری سہارنپور واپسی ہوگئی، اگلے مفتی عرفان قاسمی نے فون پر خبر کلفت اثر سنائی کہ ۸/اگست ۲۰۱۱ء دوشنبہ کو حضرت مولانا عبدالکریم مظاہری افضل گڑھیؒ مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ مولانا مفتی محمد عرفان قاسمی سلمہ افضل گڑھی کو جزائے خیر سے نوازے جو اس تاریخی ملاقات کا ذریعہ بنے۔

حضرت مولانا سید وقار علی بجنوریؒ ۱۴۳۲ھ

امام الفرائض

امام الفرائض حضرت مولانا سید وقار علی بجنوریؒ (متوفی ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء) مظاہر علوم سہارنپور کے بڑے استاذ تھے، شیخ الحدیث حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ جیسے اصحاب علم وعرفان نے بھی آپ کے سامنے زانوے تلمذتہ کیا، میراث (علم الفرائض) کے امام اور غالبا اپنے عہد میں علم الفرائض کے پورے ملک میں سب سے بڑے عالم تھے، دفتر تعلیمات کے ذمہ دار بھی تھے، ان تمام خوبیوں اور کمالات کے باوصف ان کی سادگی اور ان کے لباس کو دیکھ کر اگر کسی انجان شخص سے آپ ان کا تعارف کرائیں تو وہ اول وہلہ میں انکار ہی کردے، مدرسہ کے لئے فراہمی مالیات کے سلسلہ میں کبھی دہلی کبھی کانپور، کبھی کلکتہ کبھی ممبئی تشریف لے گئے، ہر جگہ ان کے شاگردوں کی بھیڑ مل جاتی تھی، کسی بھی شہر میں کسی بھی مسجد میں ان کا کوئی نہ کوئی شناسامل جاتا تھا، طبیعت اتنی سادہ، مزاج اتنا باغ وبہار اور صلاحیت اتنی مضبوط تھی کہ ہر مجلس میں ممتاز ہوتے تھے، مظاہر علوم میں آپ کے شاگردوں کے شاگرد بھی پڑھانے لگے لیکن سب کے ساتھ خوش اخلاقی، مروت اور ہمدردی کا معاملہ فرماتے تھے، آپ ایک ایسی شخصیت ہیں جن کے احسانات کے تلے شاید پورا عملہ دبا ہوا تھا، بس شکلیں جدا جدا تھیں، کسی کی ترقی میں آپ نے مدد کی، کسی کے تقرر کی راہ آسان کی، کسی کو ملازمت سے

تدریس کی طرف منتقل کرانے میں کردار ادا کیا، کسی کے داخلے اور کسی کے تعاون میں دلچسپی لی۔ آپ کے ساتھ سفر کرنے والے بہت سے علمائے کرام اور سفراء حضرات اب بھی موجود ہیں ان کی گواہی ہے کہ مولانا نے دوران سفر فٹ پاتھ پر ستانے اور آرام کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، کوئی تصنع کوئی بناوٹ اور کوئی بڑائی آپ کے اندر نہیں تھی۔

مدرسہ کی گمشدہ امانت مل گئی

ایک بار ممبئی فراہمی مالیات کے لئے تشریف لے گئے، آپ کے پاس ایک تھیلا ہوا کرتا تھا، اسی تھیلے میں رسیدات، اسی تھیلے میں رقومات اور اسی تھیلے میں ایک آدھ کتاب چاہے ہدایہ رابع ہو یا فتح القدیر موجود رہتی تھی، آپ کے تھیلے میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے چندے کے تھے، نماز کے بعد اگلی نماز کیلئے خود کو تیار اور مستعد رکھتے تھے، ہمیشہ باوضو رہتے، جب بھی موقع ملتا جہاں بھی موقع ملتا مصلیٰ بچھا کر نماز شروع۔ تہجد کے اتنے پابند کہ ایک بار فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے ہمارے دورۂ حدیث شریف کے سال ترمذی کے سبق میں زور دے کر فرمایا کہ ’’مولوی وقار کی چالیس سال سے تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی ہے‘‘ اسی ممبئی کے سفر میں مولانا ایک مسجد پہنچے وضو کیا، تھیلا وضو خانے کے پاس رکھ دیا، جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، نماز کے بعد تھیلے کا خیال نہیں رہا اور منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے، کافی دیر بعد اپنے رفیق سفر مفتی محمود عالم سے پوچھا کہ تھیلا کہاں ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! تھیلا تو آپ ہی کے پاس تھا، پریشان ہو گئے، راستہ سے ہی واپس ہو گئے، مسجد پہنچے، اضطراب اور بے چینی دیدنی تھی، امام مسجد (جو منی پور کے رہنے والے تھے) کو اپنا واقعہ بتایا، امام صاحب نے پہلے تو مولانا کی ضیافت کی اور پھر اپنے پاس سے تھیلا نکال کر پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! نماز کے بعد وضو خانے کے پاس مجھے یہ تھیلا دکھائی دیا، میں نے یہ سوچ کر رکھ لیا کہ اگلی نماز میں اعلان کر دوں گا یہ تھیلا لیجئے! اور اپنی امانت بھی چیک کر لیجئے، حضرت مولانا امام صاحب کی اس امانت داری پر بہت خوش ہوئے خوب دعائیں دیں اور پھر بعد میں کئی بار امام صاحب کو مولانا کی ضیافت کی سعادت حاصل ہوئی۔

یہ شخص کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے؟

مالی فراہمی کے سلسلہ میں ہمیشہ کفایت شعاری کو ملحوظ رکھتے، رفیق سفر مفتی محمود عالم رام پوری نے بتایا کہ ممبئی کے ماہم سے باندرہ، باندرہ سے کھار بارہا پیدل سفر کرتے، رکشہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ مدرسہ کا خرچ ہوگا، چلتے چلتے ایک واقعہ لکھ کر بات کو سمیٹتا ہوں ممبئی میں ایک صاحب سے ملنے کے لئے ۳۵ رکلومیٹر کا سفر سواری سے کیا، ان صاحب نے مدرسہ کا نام پوچھا اور برجستہ کہا کہ کل آنا، ابھی مولانا وہیں تھے کہ دارالعلوم دیوبند کا سفیر پہنچ گیا، ان صاحب نے فوراً رسید کاٹنے کو کہا اور رقم دے کر سفیر کو روانہ کر دیا، اس واقعہ سے مولانا کو دلی تکلیف ہوئی، وہاں سے نکلنے کے بعد خود سے ہم کلام ہوئے اور کہنے لگے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شخص کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے؟ مفتی محمود عالم کہتے ہیں دوبارہ جب میں ان صاحب سے ملنے کیلئے اکیلے گیا تو پتہ چلا کہ مفلوج ہو گئے ہیں۔

آپ کی جیب میں درود شریف کی ایک کتاب ہمیشہ رہتی تھی، جب بھی فرصت ملتی درود شریف پڑھنے لگتے۔

اس ڈنڈے نے سعید و یونس کو شیخ الحدیث بنا دیا

ہدایہ رابع ایک مدت تک پڑھاتے رہے، صاحب ہدایہ کی خوب خوب تعریف کرتے لیکن فتح القدیر پر خوب رد فرماتے، کبھی کبھی دوران درس غصہ ہو جاتے اور فرماتے کہ یہاں صاحب فتح القدیر سے یہ غلطی ہوئی ہے پھر غلطی کی وجوہ بتاتے، اس کے رد میں دیگر فقہاء کے اقوال بتاتے اور جب بات بنتی نہ دیکھتے تو کتاب کے ساتھ دفتر اہتمام فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کی خدمت میں پہنچتے اور اپنا اشکال رکھتے، مفتی صاحب صاحب فتح القدیر کی حمایت میں مختلف دلائل اور توجیہات وتوضیحات سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے کافی وقت بحث ومباحثہ میں گزر جاتا، مولانا کا درس بڑا خوش گوار، انداز تدریس دلچسپ اور اسلوب تقریر عام فہم ہونے کی وجہ سے سبھی طلبہ ذوق وشوق کے ساتھ شامل درس ہوتے تھے، عصا ساتھ رہتا تھا، کبھی کبھی خاص کیف اور کیفیت میں فرماتے

کہ میرے اس ڈنڈے کی قدر کرو اس نے سعید و یونس کو شیخ الحدیث بنا دیا ہے۔

متقدمین میں ہوتا تو میرے بھی اقوال لکھے جاتے

آپ کا درس باغ و بہار تو رہتا ہی تھا، درمیان میں طلبہ کو بعض دلچسپ باتیں بھی بتاتے، ایک آدھ پر لطف واقعہ سناتے اور طلبہ تازہ دم ہو جاتے، اسی طرح ایک بار فرمایا کہ ابے نالائقو! میں متقدمین میں ہوتا تو میرے بھی اقوال لکھے اور بتائے جاتے، ایک طالب علم نے برجستہ کہا ''جی حضرت! بالکل آپ کے اقوال قیل کے ساتھ نقل کئے جاتے'' مولانا ہنسنے لگے اور طلبہ نے بھی تقلید کی۔

رات ٹھیک تین بجے آنکھ کھل جاتی

تہجد کے لئے اٹھنے کا وقت تین بجے کا مقرر تھا اور لوگوں میں مشہور ہے کہ مولانا کی آنکھ ٹھیک تین بجے خود بخود کھل جاتی تھی، سامنے والی جیب میں مسواک رکھتے تھے جب بھی وضو کرتے مسواک ضرور کرتے تھے، صحت کے دنوں میں بارہا دوران درس سراجی کہتے سنا کہ ''ممکن ہے سورۃ الفاتحہ میں سہو ہو جائے لیکن سراجی میں سہو ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا''

یاد رہا تو صرف وضو اور نماز

جب بڑھاپا آیا، آپ کا کسرتی جسم کمزور ہو گیا، آپ کی چہکتی کھنکتی آواز دھیمی ہو گئی، آپ کا نہ تھکنے والا دماغ سست ہو گیا، روشن آنکھیں پیرانہ سالی کی شکوہ سنج ہو گئیں، بھاگنے دوڑنے والے قدم بوجھل ہو گئے، نسیان طاری ہونے لگا اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ یاد ہی نہیں رہا کہ کبھی مظاہر علوم میں پڑھاتے تھے، اگر یاد رہا تو صرف وضو اور نماز۔

مفتی عبدالقیوم رائے پوری ۱۸ رسال تک مظاہر علوم میں پڑھا چکے تھے، مولانا کی ان سے گہری دوستی تھی، لیکن ایک وقت وہ بھی آیا جب مفتی عبدالقیوم صاحب مظاہر علوم کے دفتر اہتمام تشریف لائے، مولانا سید وقار علی بھی وہیں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے، ناظم مدرسہ مولانا محمد سعیدی صاحب نے مفتی صاحب سے دوران گفتگو مولانا کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ آپ ان کو جانتے ہیں؟ مفتی صاحب نے نفی میں سر ہلایا، مولانا سے پوچھا کہ آپ

مفتی صاحب سے واقف ہیں؟ مولانا نے بھی نفی میں سر ہلا دیا، بلکہ مفتی صاحب نے دفتر کی قدیم وکہنہ اور پروقار عمارت کی طرف اشارہ کرکے یہ بھی پوچھا کہ بڑا اچھا گھیر ہے کس کا ہے؟ ناظم صاحب مدظلہ نے عرض کیا کہ حضرت یہ کسی کا گھیر نہیں دفتر کی عمارت ہے جہاں آپ ۱۸ رسال پڑھا چکے ہیں، فرمایا ''اچھا مجھے تو یاد نہیں ہے''

ہائے کیسے کیسے عالی دماغ، اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک، اعلیٰ صفات ہستیاں بہاروخزاں کو دیکھ کر ہم سے رخصت ہوگئیں۔

مولانا سید وقار علیؒ خوش خوراک بھی تھے اوران کے یہاں کھانے پینے کے باب میں ٹھنڈا، گرم، ترش وشیریں کا کوئی معیار نہیں تھا، چائے کے اوپر ہی پیپسی، کوکا کولا کے ساتھ انڈے، مٹھائی کے ساتھ کھٹائی سب جمع ہوجاتا اور سب کا حق بھی ادا کرتے اور کوئی نقصان بھی نہ ہوتا۔

ہدیہ کی رقم مدرسہ میں جمع کردی

مولانا غیاث الدین دھام پوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

''مدرسہ اسلامیہ محلہ میں بندوقچیان دھام پور کے سابق مدرس جناب منشی عزیز الرحمن صاحب دھام پوری جو حضرت مولانا وقار علیؒ کے پڑوسی ہیں انھوں نے احقر کو مولانا وقار علیؒ کے متعلق ایک واقعہ سنایا کہ مولانا مظاہر علوم کے لئے فراہمی کے سلسلہ میں افریقہ گئے تو وہاں کسی صاحب خیر نے مولانا کو اپنے ذاتی خرچ کے لئے ساڑھے چار لاکھ روپئے ہدیہ دئے مگر مولانا نے ازراہ احتیاط وہ پوری رقم مدرسہ کے دفتر مالیات میں جمع کردی اور اس خطیر رقم میں سے اپنی ذات کے لئے کچھ نہ رکھا''۔

(ماہنامہ افکار قاسمی: وفیات الاعیان نمبر)

جناب ملاجی منظور احمد سہارنپوریؒ ۱۴۳۳ھ

تو نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

ملاجی منظور احمد مرحوم عام دیہاتی انسان تھے، نہ لیاقت نہ اہلیت، نہ علم نہ ہنر، تانگہ چلاتے تھے، سواریاں بٹھاتے اور منزل پر پہنچاتے بس یہی ان کا مشغلۂ روز وشب تھا، آپ تصور کریں ایسے ماحول میں رہنے والا شخص بھلا کیا جوہر دکھا سکتا ہے، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے کسی موقع پر ان کی ملاقات ہوگئی، مفتی صاحب نے فرمایا کہ تانگہ چلانے سے بہتر ہے تم مظاہر علوم آجاؤ، یہاں اذان دوگے، دفتری کام کروگے، مہمان خانے میں مہمانوں کی خدمت اور ضیافت کروگے، بزرگوں کی زیارت کا موقع ملے گا، پنج وقتہ نمازوں کی توفیق ملے گی اور دینی ماحول سے فائدہ ہوگا، آگئے، جب جہاں ضرورت ہوئی کام سپرد کردیا گیا، کبھی دفتری خدمات تو کبھی مسجد کی مؤذنی، کبھی خلیلیہ شاخ تو کبھی فراہمی غلہ جات، بڑی دھن اور ذمہ داری سے اپنے کام کو انجام دیتے تھے، داڑھی بھی رکھ لی، نمازوں کا بھی اہتمام ہوگیا، مسنون نمازیں اشراق، چاشت اور اوابین کے اوقات بھی انھیں خوب یاد تھے، بڑے اہتمام سے مسنون نمازیں وقت پر ادا کرتے تھے، باتوں میں بھی سلیقہ مندی جھلکنے لگی تھی، حضرت مفتی مظفر حسینؒ کی خدمت میں بے ضرورت بیٹھے رہتے، تانگہ چلانے کے دوران گالیاں دینا عام بات ہے آپ نے یہاں پہنچ کر خود پر کافی کنٹرول کیا، فجر بعد اور ظہر کے وقت دار الطلبہ پہنچ جاتے، بچوں کو بڑے پیار سے جگاتے اور کہتے:

’’ارے اللہ کے شیرو! اٹھ جاؤ، نماز کا وقت ہوگیا ہے‘‘

نماز و جماعت سے فارغ ہو کر پھر کمروں میں جاتے اور جھانکتے اور اگر کوئی بدنصیب سوتا ہوا مل جاتا تو ''تانگے والے زمانے'' کی زبان استعمال کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔

ایک بار ماہ رمضان المبارک میں مدرسہ کے لئے چندہ کی خاطر سہارنپور کے مواضعات اور دیہات میں نکلے، قریہ قریہ بستی بستی چندہ کرتے کرتے مرزا پور پول پہنچ گئے، مدرسہ مصباح العلوم کی شاندار و پرشکوہ مسجد میں نماز پڑھنے لگے، اور اسی دوران وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

سجدے تو سب نے کئے تیرا نیا انداز ہے
تو نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

یہ ۵ / رمضان ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۵ / جولائی 2012ء بروز بدھ کا واقعہ ہے۔

مہمانوں سے اصولی بات کرتے تھے، اگر کوئی مہمان بلا اطلاع رات تاخیر سے پہنچتا تو صاف کہتے:

''بھائی! آپ بغیر اطلاع کے آگئے ہیں، بستر تکیہ، چادر سب کچھ ملے گا بس اتنی رات کو ہوٹل وغیرہ سب بند ہو چکے ہیں اس لئے کھانا نہیں ملے گا، پہلے سے اطلاع ہوتی تو لے کر رکھ لیا جاتا''

اکثر و بیشتر دفتر آئینہ مظاہر علوم پہنچ کر کہتے:

''بھائی کوئی کتاب وتاب (رسالے) پڑھنے کے لئے آئی ہو تو دیدو'' اور جو بھی رسالہ لیا تو لے ہی لیا، یعنی وہ واپسی کی نیت سے لیتے ہی نہیں تھے، اگر کسی رسالہ کا کوئی مضمون ان کی سمجھ میں آگیا تو اس کی بہت سی فوٹو کاپی کرا کے زبردستی لوگوں کو دیتے اور کہتے کہ میرے سامنے پڑھو۔

حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ ۱۴۳۴ھ

احترامِ باہمی

آپ اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، دارالعلوم دیوبند کے ان سپوتوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے جن کی علمی خدمات اور کارناموں کے باعث مادر علمی کے اعتبار واعتماد واستناد میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تلمیذ رشید، جمعیۃ علماء کے شیدائی وفدائی، مختلف دینی اداروں میں نیک نامی کے ساتھ شاندار علمی خدمات کی انجام دہی کے بعد حضرت مولانا سید محمد سلمان مظاہری داماد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی نظر کیمیا اثر آپ پر پڑی اور اس درنایاب کو شعبہ تخصص فی الحدیث کے لئے چن لیا، آپ آئے تو طلبہ خوش کہ اتنے بھاری بھرکم عالم دین، محدث جلیل، محقق نبیل سے تلمذ کا شرف حاصل ہوگا اور مجھ جیسے بے شمار تشنگان علم شاداں کہ تحقیق وجستجو کی راہیں آسان ہوگئیں، مجھ سے بے انتہا شفقت فرماتے، جب بھی گیا کسی نہ کسی علمی یا تاریخی تحقیق کی خاطر گیا، بلا ضرورت کبھی نہیں گیا، لیکن مولانا کو میری یہ ادا بھی پسند تھی، میں عرض کر چکا تھا کہ جناب کا وقت اتنا قیمتی ہے میں صرف ملاقات کے لئے آکر سمع خراشی نہیں کر سکتا، مولانا نے فرمایا کہ سمع خراشی کے لئے آنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے بے تکلف آجایا کرو، یقین جانیں اگرچہ وہ قاسمی تھے لیکن ان کی سادگی، ان کے کمرے کی حالت وکیفیت، پان اور خوان کا منظر دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ قاسمی ہیں کیونکہ فضلائے دارالعلوم کا لباس ماشاء اللہ، ان کا انداز گفتگو سبحان اللہ، ان کے سفر وحضر کے مناظر واہ واہ لیکن

مولانا تو بالکل شان بوذری کے حامل، نہ تکلف نہ بناوٹ، نہ ٹیپ ٹاپ نہ سجاوٹ، چاروں طرف بے ترتیب نئی پرانی کتابوں کا انبار اور اس انبار میں دبا ودبکا ہوا دبلا پتلا، ہلکا پھلکا، گوراچٹا انسان کوئی اور نہیں حضرت مولانا زین العابدین اعظمی (متوفی ۱۴۳۴ھ م ۲۰۱۳ء) ہیں جو میرے نزدیک حرف تحقیق اور سند کا درجہ رکھتے تھے، صبح سے شام تک علماء کا تانتا لگا رہتا تھا، اخیر عمر میں بدن مزید لاغر اور پیر گویا جواب دے چکے تھے پھر بھی اکثر نمازیں اول وقت میں مسجد بہادران میں وہیل چیئر پر آکر ادا فرماتے، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ سے بکثرت ملاقات کیلئے حاضر ہوتے، مفتی صاحب نے کتب خانہ کے ذمہ داران کو تاکید فرما رکھی تھی کہ مولانا کو جو بھی کتاب مطلوب ہو فراہم کی جائے، حق بات کہنے اور لکھنے کی عادت تھی، اس سلسلہ کے بے شمار واقعات ذہن میں ہیں لیکن ایک واقعہ بتاتا ہوں تا کہ ہم جیسے لوگ بصیرت کی آنکھ سے حدودِ اختلاف کو سمجھیں اور توقیر العلماء پر بالخصوص توجہ دے سکیں، ہوا یہ کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی علیہ الرحمہ کی المرتضی جب نئی نئی چھپ کر آئی تو علماء نے ہاتھوں ہاتھ لیا، مولانا زین العابدین اعظمیؒ نے بھی یہ کتاب پڑھی، کتاب میں کئی جگہ تسامح محسوس ہوا تو دلائل اور واقعات ونظائر کی روشنی میں تفصیلی مکتوب حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجا، درمیان کے کسی شخص نے اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کر کے بات بڑھا دی، مولانا اعظمی نے اس مکتوب کو ''المرتضی کا علمی محاسبہ'' کے نام سے خود ہی شائع کر دیا۔

مدت بعد ایک دن میں حضرت اعظمی کی خدمت میں حاضر ہو کر ''المرتضی کا علمی محاسبہ'' نامی کتابچہ طلب کیا، حضرت نے جو جواب دیا وہ جواب سن کر میں رو پڑا، فرمایا کہ

''ارے بھئی! اس کتابچہ کے تقریباً پانچ سو سے زائد نسخے میں نے اپنے آنگن میں گڈھا کھود کر دفن کر دئے''

میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ:

''میں نے المرتضی کا نیا ایڈیشن دیکھا تو نشان زد چیزوں کی اصلاح کر دی گئی تھی اس لئے میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ اب بھی یہ کتابچہ موجود رہے''

چلتے چلتے اپنے ایک بے تکلف دوست کا واقعہ بھی بتاتا چلوں ممکن ہے اہل تعلق تک نہ پہنچا ہو، میرے ایک واقف کار دوست نے بتایا کہ اس نے ایک رات سوتے وقت اوراد ومعمولات پورے کئے اور سونے سے قبل صرف ایک دعا مانگی کہ:

"یا اللہ! مجھے خواب میں کسی ایسے زندہ بزرگ کی زیارت کرادے جو تجھے محبوب ہو"

دعا مانگنے والے نے بتایا کہ مجھے اسی رات حضرت مولانا زین العابدین اعظمی خواب میں نظر آئے۔

بے شمار علمی وقلمی خدمات ہیں جن پر مقالہ نہیں سیمینار منعقد کیا جاسکتا ہے، مضمون نہیں پی ایچ ڈی کی جاسکتی ہے، خاکہ نہیں سوانح لکھی جاسکتی ہے، یالیت!

حضرت مولانا شیخ محمد یونس جون پوریؒ ۱۴۳۸ھ

امیر بھی، غریب بھی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ (۱۶رشوال ۱۴۳۸ھ، مطابق ۱۱ر جولائی ۲۰۱۷ء) نے اپنی زندگی میں عُسر کا سَراب بھی دیکھا اور یُسر کا شباب بھی، جب دولت آئی تو ساتھ ساتھ استغنا اور قناعت بھی آئی، آپ بیک وقت غنی بھی تھے اور مستغنی بھی، امیر بھی تھے، فقیر بھی، دولت اتنی آئی کہ ایک ایک لفافہ سے امیر ہو گئے اور استغنا ایسا پایا کہ لفافہ کی طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کیا، ایک راہ سے دولت آئی تو دوسری راہ سے دولت مستحقین کو پہنچادی۔

ایک بار سفر حرمین شریفین کے دوران مدینہ منورہ میں آپ کے عرب شاگردوں نے اتنے ڈالر وریال پیش کئے کہ دو تھیلے بھر گئے لیکن استغنا و بے نیازی کا یہ عالم کہ اسی وقت اپنے ساتھ موجود شاگردوں اور خادموں کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کے تحفیظ القرآن کے اساتذہ کو تقسیم کردو۔

کسی صاحب نے پچیس ہزار روپے آپ کو دیئے، آپ نے وہ رقم اپنے مہمانوں پر خرچ کردی، کچھ دن بعد پتہ چلا کہ وہ رقم تو زکوۃ کی تھی تو اپنی خفگی اور ناراضی کا اظہار کیا کہ دیتے وقت وضاحت کیوں نہیں کی؟ پھر اپنے شاگرد رشید مولانا محمد حنیف لوہاری کو بار بار بڑی بڑی رقمیں یہ کہہ کردیں کہ بھائی! پچیس ہزار روپے مجھ سے نادانستگی اور بے علمی میں خرچ ہوگئے تھے یہ لو اس کی تلافی کے طور پر مدرسہ میں جمع کرادو، مولانا محمد حنیف فرماتے

ہیں کہ رفتہ رفتہ میرے ہی ہاتھوں مختلف مواقع پر تقریبا چھ لاکھ روپے اُن پچیس ہزار کے بدلے میں مدرسہ میں دے چکے پھر بھی یہی کہتے رہے کہ بھائی دل نہیں مانتا ہے۔

ایک بار حجاز مقدس کے سفر پر تھے متعلقین نے ڈھیر ساری رقمیں دیں، ایک امیر کبیر نے سونا بھی پیش کیا آپ نے سونے کے ریال کرائے اور تمام رقم وہیں قرآنی درجات کے اساتذہ کو تقسیم کرادی اور واپسی کے موقع پر اپنے ایک شاگرد سے سو ریال قرض لئے۔

صابون کے جھاگ سے کپڑے دھوئے

''طالب علمی کے زمانے میں میرے پاس کپڑے دھونے کے لئے صابون نہیں ہوتا تھا، طلبہ جب اپنے کپڑے دھونے لگتے تو میں بھی دور بیٹھ کر نالی سے جو پھینا (جھاگ) بہہ کر جاتا، اس کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے کپڑے دھولیتا تھا، طلبہ سمجھتے تھے کہ بس یوں ہی الگ تھلگ رہنے کا مزاج ہے، پھر جب مدرسہ سے پندرہ پیسے وظیفہ ملا تو پانچ پیسے کا صابون لے لیا اور بقیہ پیسوں کا دوسرا سامان خرید لیا''

ایک ہی سوٹ میں گزارا

''جمعہ میں مجھے پہلے ہی مسجد پہنچنے کا شوق تھا لیکن میرے پاس موٹی مارکین کا جو اکیلا سوٹ تھا اس کو دھلتا تو سوکھنے میں بڑی دیر لگتی تھی، میں ایسا کرتا کہ اپنا سوٹ دھونے کے بعد چھت پر چلا جاتا اور سردیوں کے موسم میں کپڑے کو ہاتھوں سے پھیلا کر دوڑتا رہتا تا کہ پانی وغیرہ جھڑ جائے پھر گیلا ہی پہن کر مسجد چلا جاتا تھا، الحمدللہ کبھی کسی چیز کی طرف نہیں دیکھا''

توکل کی راہ میں فاقے بہت

''مظاہر علوم میں تدریس کے دوران میں نے راہ توکل اختیار کرنے کا فیصلہ اور ارادہ کیا، اپنے اس ارادہ کا اظہار اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالحلیم فیض آبادیؒ سے کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو ہو جائے گا۔

یہی مشورہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ سے کیا تو فرمایا کہ ابھی نہیں تم سے نہ ہو سکے گا، میں نے عرض کیا کہ میں تو ارادہ کر چکا ہوں، چنانچہ دفتر میں لکھ کر بھیج دیا کہ

تا اطلاع ثانی میری تنخواہ موقوف کردی جائے، تنخواہ موقوف ہوگئی، شروع شروع میں فاقے بھی ہوئے، پہلے مہینے میں پانچ سو روپے آئے، دوسرے مہینے میں دوسو روپے آئے، تیسرے مہینہ میں پینتیس روپے آئے، میں نے یہ حالت دیکھ کر حضرت مولانا سید صدیق احمد باندویؒ سے پوچھا کہ توکل میں فاقہ بھی ہوتا ہے؟ فرمایا جی ہاں!'' (مستفاد: محدث عصر کی ہمہ جہت شخصیت)

بے زری، فاقہ کشی مفلسی بے سامانی
ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

مہمان آگئے اور پاس کچھ بھی نہیں

''ایک دن میرے پاس مہمان آگئے، میرے پاس کچھ نہیں تھا، میں پریشان ہوا، خواب دیکھا کہ میرے دائیں ہاتھ پر لکھا ہوا ہے إن اللّٰہ هو الرزاق ذوالقوة المتين، شام ہی کو پیسے آگئے''

آتے آتے آئے گی آسودگی
جاتے جاتے فاقہ مستی جائے گی

نامحرم پر نظر نہ پڑ جائے......

''آثار بزرگی درناصیہ اوپیدا'' کا مصداق تھے، جن لوگوں نے ان کا بچپن دیکھا ہے وہ بھی آپ کی بزرگی اور تقویٰ وتدین کی گواہی دیتے ہیں اور جن لوگوں نے آپ کا بچپن دیکھا ہے وہ بھی زہد وتقدس کی قسمیں کھاتے ہیں، جنھوں نے عالمِ شباب دیکھا ہے وہ صلاحیت کی گواہی دیتے ہیں اور جنھوں نے عالم شیب کو قریب سے دیکھا ہے وہ وضو کر کے حلف اٹھانے پر آمادہ نظر آتے ہیں، طلبہ ہوں، علماء ہوں، صالحین ہوں، زاہدین ہوں، مقررین اپنی تقریروں میں، صاحبان قلم اپنی تحریروں میں، واعظین اپنے مواعظ میں، ارباب حدیث اپنی علمی مجالس میں، اصحاب سلوک اپنی خانقاہوں میں، مساجد میں، مدارس میں، ملک میں، بیرون ملک میں چاہے جہاں چلے جائیں شیخ کی عقیدت ومحبت کے

آبشار بہتے تھے، ۱۹۹۳ء کے وسط کی بات ہے میں مظاہر میں نیا نیا داخل ہوا تھا، طلبہ کی زبانوں پر سب سے زیادہ تین بزرگوں کے قصے اور چرچے تھے

(۱) فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ۔

(۲) محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ

(۳) عارفِ وقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ۔

اسی دور کی بات ہے ایک طالب علم نے بتایا کہ شیخ اپنے وطن سے آج واپس آگئے ہیں، اس نے یہ بھی بتایا کہ جاتے وقت شیخ کے کوچ میں سامنے والی سیٹ پر ایک بے پردہ خاتون آکر بیٹھ گئی، شیخ نے پہلے تو نظریں جھکالیں، پھر اٹھے اور بیت الخلا کی طرف تشریف لے گئے، خادم نے کچھ دیر واپسی کا انتظار کیا، جب کافی دیر ہوگئی تو اٹھ کر دیکھنے کے لئے بیت الخلا کی طرف گیا، وہاں دیکھا کہ حضرت رحمہ اللہ بیت الخلا کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، بھاری بدن پہلے سے تھا، بیٹھنا بھی مشکل ہو رہا تھا، خادم نے عرض کیا کہ حضرت یہاں کیوں بیٹھ گئے؟ فرمایا:

”ارے بھائی! جب وہ خاتون اسٹیشن پر اتر جائے تو مجھے بتادینا میں اپنی سیٹ پر آجاؤں گا“

عسرت اور عشرت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ کے رفیق درس حضرت مولانا عبدالعلی مظاہریؒ نے مانی کلاں کے مدرسہ ضیاء العلوم میں روتے ہوئے راقم سے بیان فرمایا کہ مولانا محمد یونسؒ یہاں ضیاء العلوم میں پڑھتے تھے...... گھر والوں کی مرضی کے بغیر آپ نے پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا، اس لئے یہیں پڑھتے اور پھر یہیں پڑ جاتے، قیام مدرسہ میں رہتا، کھانا حضرت مولانا ضیاء الحقؒ نے اپنی وساطت سے کسی کے گھر سے جاری کرادیا تھا، مولانا بچپن میں بھی بیمار رہتے تھے، جب بیماری نے طول پکڑا تو مولانا نے ضیاء الحقؒ نے فرمایا کہ گھر چلے جاؤ! مگر شیخ محمد یونس گھر جانے کیلئے بالکل تیار نہ ہوتے، انھیں اسباق میں ناغہ بالکل منظور نہ تھا...... تمام طلبہ رات کو اپنے اپنے بستر پر لیٹ جاتے اور مولانا یہاں صحن میں

درد کی شدت کے باعث کروٹیں بدلتے، روتے، بلکتے رہتے تھے، کبھی کبھی پوری رات روتے رہتے، حضرت مولانا ضیاء الحقؒ نے مولانا یونس کو ڈاکٹروں کو دکھایا، ڈاکٹروں نے مثانہ میں پتھری بتائی، سوائے آپریشن کوئی متبادل علاج نہیں تھا، ادھر مولانا ضیاء الحقؒ خود نہایت غریب، مختلف غریب بچوں خاص کر مولانا شیخ محمد یونس کی حتی المقدور کفالت کے باعث عسرت میں ہی رہتے تھے پھر بھی جیسے تیسے شیخ محمد یونس کا آپریشن کروایا، سوگرام سے بڑا پتھر بذریعہ آپریشن نکالا گیا، شیخ کو سکون مل گیا، تعلیم جاری رکھی، جب مولانا ضیاء الحقؒ کی گنجائش سے باہر ہوگیا تو انتہائی تعلیم کے لئے تین ساتھیوں کو مظاہر علوم بھیجا، مظاہر علوم میں جب آپ پہنچے اس وقت آپ کے پاس صرف ایک لنگی اور ایک کرتا تھا، یہی پوشاک تھی، یہی رخت سفر تھا، یہی اس طالب علم کی کل کائنات تھی، نہ بیگ اور سوٹ کیس، بس کپڑوں کی چھوٹی سی پوٹلی، یہاں بھی بڑی تنگی کے ساتھ تعلیم پاتے رہے۔

عید الاضحیٰ کا موقع آیا...... عید کی خوشی میں تمام طلبہ سرشار تھے، لیکن مولانا محمد یونس پریشان کیونکہ ان کے پاس کرایہ کے پیسے نہیں تھے، حالانکہ اس وقت بمشکل ڈیڑھ روپے کرایہ تھا، ہم لوگوں نے مولانا یونس سے کہا کہ اگر طبیعت چاہتی ہو تو ہمارے ساتھ چلو، کرایہ کسی سے اُدھار لے لیتے ہیں مگر وہ اُدھار لینے پر بالکل تیار نہیں ہوئے، تو ہم لوگ انھیں مدرسہ میں چھوڑ کر ریلوے اسٹیشن پیدل پہنچے، گاڑی میں سوار ہوئے ہی تھے کہ مولانا محمد یونس افسردہ چہرے ..... اور ... بجھے دل کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پر نظر آئے، ہم نے پھر کہا کہ جب تمہیں جانا نہیں ہے تو یہاں کیوں آئے ہو؟ ان کی خاموش حالت اور ظاہری و باطنی کیفیت دیکھ کر ہمیں بڑی تکلیف ہوئی، کیونکہ ایک طرف تو وطن جانے کی خوشی، قربانی کی تعطیل، کم عمری و نو عمری، دوسری طرف کرایہ نہ ہونے کا غم، غربت کا عالم، ہم لوگ ریل سے اتر کر پھر مدرسہ آگئے، کسی نے حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کو خبر کردی کہ محمد یونس جونپوری نام کا ایک طالب علم بہت غریب ہے اور کرایہ نہ ہونے کی وجہ سے گھر نہیں جارہا ہے، مفتی صاحبؒ نے مولانا یونس صاحب کو بلوایا، حقیقت معلوم ہونے پر مفتی صاحب نے اپنی سرپرستی اور کفالت میں لے لیا''

مفتی صاحب بھی مالدار نہیں تھے لیکن عیالدار بھی نہیں تھے، نہ بیٹا، نہ بیٹی، لاولد، انہوں نے بالکل اپنے بیٹے کی طرح آپ کے ناز ونخرے اٹھائے، بچے کی طرح خیال رکھا، روپے پیسے، برتن، بستر چادر حتی کہ تمام فرمائشیں مفتی صاحبؒ اپنے بیٹے کی طرح پوری فرماتے تھے۔ حضرت شیخؒ فرمایا کرتے تھے کہ میری تمام فرمائشیں مفتی صاحب ہی پوری فرماتے تھے دو روپے خرچ کے لئے عنایت فرماتے تھے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ میں مفتی صاحب کے پاس خرچہ لینے کے لئے جاتا تو بڑی محبت سے فرماتے کہ میرے پاس بھی نہیں ہیں۔

اب آیئے ! میں آپ کو عشرت کا دور بھی دکھاتا چلوں! شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ کے سینے میں ایک بیدار اور مضطر قلب تھا جو خلق کے لئے دھڑکتا اور تڑپتا تھا جس کا اظہار آپ کی سحر گاہی اور عمومی دعاؤں سے ہوتا تھا۔

مظفر نگر میں ہندو مسلم فساد ہوا، بے شمار مسلمان خاک وخون میں تڑپادئے گئے، ان کی املاک کو خاکستر کردیا گیا، گھروں پر قبضے کرلئے گئے، گھر والے بے گھر ہوگئے، صاحبِ نصاب مستحق زکوۃ ہوگئے، عشرت میں پلے اور بڑھے، بچے نان جویں کے محتاج ہوگئے، حالات اتنے خراب ہوگئے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد نقل مکانی اختیار کرکے دوسرے محفوظ علاقوں میں جانے پر مجبور ہوگئے، حضرت مولانا محمد سعیدی نے ان مظلومین کے لئے تعاون کا عمومی اعلان کردیا، شہر کے دیندار تاجروں اور ایماندار لوگوں نے اپنی تجوریاں کھول دیں، کپڑے، اناج، روپے اور تمام گھریلو چیزیں خریدی اور مہیا کی گئیں، بڑے بڑے ٹرکوں میں یہ سامان لادکر مستحقین تک بھیجا جانے لگا، سامان کی تقسیم ونگرانی کے لئے راقم الحروف کو مقرر کیا گیا، گیارہ بار چھوٹے بڑے ٹرکوں سے مستحقین تک سامان پہنچایا گیا۔

حضرت مولانا شیخ محمد یونس جونپوریؒ کو پتہ چلا کہ مظاہر علوم (وقف) میں فساد زدگان کے لئے بڑے پیمانہ پر سامان رسد کا نظم کیا جارہا ہے تو کافی مقدار میں نہایت نفیس اور قیمتی کپڑا بھیجا، ضرورت کی بہت سی چیزیں بھیجیں، ایک سے زائد بار خطیر رقمیں بھیجیں۔

اسی طرح چند سال قبل کشمیر میں زبردست سیلاب آیا، مکین بے مکانوں ہوگئے، ان

کے اثاثے زیرآب اوران کی املاک تہ خاک ہوگئیں، کشمیر کی اس تباہی اور بربادی پر ایک بار پھر مولانا محمد سعیدی نے شہر کے سرکردہ حضرات کو بلاکر میٹنگ لی، طے پایا کہ ضرورت کا سامان خریدا اور مہیا کیا جائے اوراس سامان کو ٹرکوں کے ذریعہ کشمیر پہنچایا جائے، حضرت شیخ کو اس کی بھی خبر ہوگئی تو ایک بار پھر اپنی دریادلی اور سخاوت کے دہانے کھول دیئے۔

مفتی شبیر احمد مدظلہ (لندن) کے بقول یومیہ پانچ ہزار روپے مظاہر علوم (وقف) کو عنایت فرماتے تھے، اگر کوئی عرض کرتا تو فرماتے بھائی! وہی میرا مادرِ علمی ہے، اسی میں میں نے پڑھا اور پڑھایا ہے۔ آپ نے نقد رقوم اور کتابوں کے ذریعہ مظاہر علوم (وقف) کی جو عنایت فرمائی ہے، اس کی تفصیل کے لئے مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

ماحول، مطالعہ اور شخصیت سازی

اللہ پاک جب کسی کو بڑا بنانا چاہتا ہے تو اس کے لئے حالات سازگار اور ماحول کو موافق بنادیتا ہے، جس طرح زمین شورہ میں سنبل کا اگنا محال ہے اسی طرح ناموافق ماحول میں شخصیات کا بننا اور سنورنا بھی مشکل ہے، چھوٹے مکاتب کے بچے بڑے اداروں میں پہنچ کر ہوشیار ہوجاتے ہیں، کیونکہ یہاں ماحول ملتا ہے، شخصیات ملتی ہیں، کتابیں ملتی ہیں، اور یہ سب وہ عناصر ہیں جو شخصیت میں نکھار کا باعث ہوتی ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ جب تک چوکیہ میں رہے، مانی کلاں میں رہے، گورینی میں رہے تو گویا ایک محدود گھر گھروندے میں تھے جہاں ایک آدھ استاذ سے سابقہ اور استفادہ ہوتا تھا لیکن جب مظاہر علوم آئے تو یہاں کی دنیا ہی بدلی نظر آئی، ہر سو قال اللہ و قال الرسول کی صدائے دلنواز کانوں میں رس گھولتی تھی، بڑی بڑی درسگاہیں، بڑی عمارتیں، بڑی لائبریری، بڑی شخصیات سبحان اللہ، سوچیں تو سہی کہ گاؤں میں فجر کی نماز کے بعد امام صاحب فضائل اعمال پڑھتے ہیں جگہ جگہ مظاہر علوم کا ذکر آتا ہے، اساتذہ اور اکابر کا تذکرہ ہوتا ہے، سننے والوں پر ویسے بھی حیرت اور ہیبت طاری ہوجاتی ہے پھر جب یہی نمازی اس ادارہ میں پہنچتا ہے جہاں فضائل اعمال لکھی گئی، جہاں بذل المجہود لکھی گئی، جہاں بخاری شریف کا حاشیہ لکھا گیا، جہاں کے تعلیم یافتہ فیض یافتہ اور سند یافتہ طالب علم نے نورانی قاعدہ

مرتب کیا اور کیا خوب مرتب کیا کہ ملکوں ملکوں قبول ہوا، مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا، مختلف انداز میں طبع ہوا اور یوں نورانی قاعدہ سے بخاری شریف تک مختلف انداز میں علمائے مظاہر علوم نے خدمت کی، شیخ محمد یونس کی سیماب صفت طبیعت اور شخصیت میں یہاں پہنچ کر خوب نکھار پیدا ہوا، علم کا خمار ایسا چڑھا کہ گویا علم کے نشے میں مست و بے خود ہو کر رہ گئے، پڑھنا پڑھنا اور پڑھنا یہی ان کا مشغلۂ روز و شب تھا، دن کے اجالے میں درسگاہ میں، رات کی تاریکی میں قیام گاہ میں، کتابوں پر جھکے ہوئے، کتابوں میں گم اور مطالعہ کی لذت سے سرشار، کیا دور طالب علمی اور کیا دور معلمی بالکل یکساں حالت تھی، پڑھنے کے زمانے میں وہ صرف اپنے لئے پڑھتے تھے اور پڑھانے کے زمانے میں بھی وہ صرف اپنے لئے پڑھتے تھے یعنی وہ مطالعہ برائے طلبہ نہیں، مطالعہ برائے تدریس نہیں، مطالعہ برائے خود کرتے تھے، انھیں علم سے پیار تھا، کتابوں سے عشق تھا، تدریس ان کا اوڑھنا اور درسگاہیں ان کا گھر تھیں۔

السوال نصف العلم

طالب علمی کے دور میں بھی اور تدریسی زندگی میں بھی آپ کی طبیعت علم کی جستجو اور مطالعہ کے لئے مضطرب و بے قرار رہی، کوئی بات اگر سمجھ میں نہیں آئی تو اپنے اساتذہ کی خدمت میں پہنچ گئے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ ہوں یا مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ، امیر العلماء حضرت مولانا امیر احمد کاندھلویؒ ہوں یا فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کسی سے بھی پوچھنے میں کبھی شرم اور عار نہیں محسوس کی اسی ذوق فراواں، طبع جولاں، عزم رواں اور فکر دواں نے عوام و خواص کے درمیان آپ کی قبولیت اور محبوبیت میں چار چاند لگا دئے۔

کتاب الام غائب ہونے کا افسوس

ابن رجب حنبلیؒ، حافظ مغلطائیؒ، زیلعیؒ، ذہبیؒ، مزیؒ، ابن تیمیہؒ، جوزیؒ، تورپشتیؒ، سمرقندیؒ، ابن ہمامؒ، عینیؒ، دقیق العیدؒ، ابن حزم ظاہریؒ، ابن ہادیؒ، ابن ہمامؒ، اور دیگر محدثین عظام کی کتابوں کو پڑھ پڑھ کر اکثر مباحث ذہن نشین کر لئے، آپ کو کتاب الام

سے ایسا ہی پیار تھا جیسا ایک ماں کو بچے سے یا بچے کو ماں سے ہوتا ہے، حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی یہ کتاب ایک زمانے میں آپ اپنے ساتھ ایسے رکھتے تھے جیسے آج کی تاریخ میں ہر شخص اپنا موبائل رکھتا ہے، کتاب الام گویا آپ کے لئے کسی موبائل سے کم نہ تھی، اپنے تمام شوق، تقاضے، سیر وسیاحت، دلچسپی اور طبیعت کی تمام تر چاہتیں صرف اور صرف کتاب الام سے پوری کرتے تھے، مدتوں یہ کتاب رفیق سفر، مونس، غم خوار اور خلوت و جلوت کی ساتھی بنی رہی۔

ایک بار یہ رفیق آپ سے بچھڑ گیا، یعنی کتاب کہیں گم ہوگئی، آپ کی پریشانی دیدنی تھی، خوشیاں ایسے کافور ہوگئیں جیسے کسی بچے کے ہاتھ سے اس کا کھلونا چھوٹ کر گرے اور گرکر ٹوٹ جائے، پریشان ہوگئے، ہر وقت کتاب الام کی یاد آتی اور ستاتی رہی، اسی دوران جونپور سے سہارنپور کے لئے ٹرین میں بیٹھ گئے، اوپر والی سیٹ پر جاکر لیٹ کر عالم خواب میں پہنچ گئے، اچانک حضرت امام الشافعی کی زیارت ہوئی، مظاہر علوم سہارنپور پہنچے تو نئی کتاب الام کسی نے ہدیہ میں پیش کی، خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے ائمہ اربعہ میں سے صرف حضرت امام شافعی کی خواب میں زیارت کی ہے۔

مصنفین میں آپ حضرت قاضی عیاض کو بڑے چچا اور صاحب فتح الباری حضرت ابن حجرؒ کو چھوٹے چچا کہا کرتے تھے۔

پوری رات مطالعہ میں گزر گئی

شروع میں جب آپ تدریس میں لگے تو عسرت تھی، تنگ دستی تھی، فارغ البالی نہ تھی، سردی کا موسم تھا اور سردی سے بچاؤ کے لئے کپڑے ناکافی تھے، آپ مطالعہ میں مصروف ہوگئے تو کیا سردی، کیا نیند اور کیا آرام، مطالعہ کی وجہ سے دنیا ومافیہا سے بے خبر و بے تعلق ہوگئے، سامنے چراغ ٹمٹمارہا ہے، کتابیں کھلی ہوئی ہیں، ہر سو سکون ہے، سناٹا ہے، خاموشی ہے پھر بھلا سردی کیسی اور رات کا آرام کیسا، عبد اللہ کاندھلوی مؤذن نے آکر کاندھا ہلایا اور بتایا کہ

''مولوی صاحب! مولوی صاحب!! فجر کی تکبیر شروع ہوگئی ہے''

(مولانا محمد یونس جونپوری علوم وخدمات کے آئینہ میں)

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ ۱۴۴۰ھ

کچا گھر

کچے گھر کا وہ ماحول اور وہ نظام جس میں حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ (متوفی ۱۰؍ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲؍اگست ۲۰۱۹ء دوشنبہ) نے پرورش پائی، بچپن کے ایام گزارے، شباب کی بہاریں گزاریں، شیب کی حدود میں قدم رکھا، بڑے بڑوں کو اس کاخ فقیری کے آگے سر تسلیم خم کرتے دیکھا کون ہستی ہے جو یہاں نہیں آئی، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تو گویا اس خانقاہ کو اپنا گھر سمجھتے تھے، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ آئے، رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاسؒ آئے، حضرت مولانا محمد علیؒ جوہر آئے، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ آئے، حضرت مولانا علامہ کشمیریؒ آئے، گیلانیؒ و بلیاویؒ آئے، مجلس احرار اسلام کے بانیان آئے، جماعت و جمعیت کے سربراہان آئے، اِن کے علاوہ بھی بہت سی ہستیوں نے اپنے وجود باجود سے کچا گھر کو رونق بخشی، اگر غور کیا جائے تو کچا گھر نے پکے گھروں سے زیادہ کام کیا ہے، اس کاخ فقیری نے اپنے آگے شاہوں کو جھکتے اور سر نیاز خم کرتے دیکھا ہے، اس نے حالات کے بے شمار نشیب و فراز دیکھے، ملک کی تقسیم دیکھی، کانگریس کا عروج و زوال دیکھا، مسلم لیگ کا نشیب و فراز دیکھا، ختم نبوت کے جیالے دیکھے، شدھی سنگٹھن کے تعاقب میں علماء حق کی فوج ظفر موج دیکھی، مسلم عمائدین و قائدین کی سیاست دیکھی، ریشمی رومال کی تحریک دیکھی، شاردا بل کی زہرناکی اور عبادت گاہ بل کی خطرناکی دیکھی، وہ بھی دیکھا جس کو دیکھنے کی تڑپ تھی اور وہ بھی دیکھا جس کے دیکھنے کی کوئی تمنا نہ تھی اور اس طرح یہ کچا گھر بہت سے پکے گھروں کے لئے مثال و نظیر بن

گیا، سکون کی تلاش میں ہر فکر اور ہر مشرب کے لوگوں کو دیدۂ بینا نے یہاں آتے جاتے دیکھا ہے پھر بھی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان رہا کہ مداہنت کا کبھی لیبل نہیں لگا، چاپلوسی کا کوئی گزر نہیں ہوا، ریاکاری قریب نہیں پھٹکی، گندی سیاست نے راستے بدل لئے، دین ایک آئڈیل ہے اس کا عکس اور نمونہ سر کی آنکھوں نے یہاں دیکھا گویا کچا گھر، کچا گھر نہیں ایک دکان عطر و عطار ہے جہاں سے کوئی خالی ہاتھوں واپس نہیں گیا، بڑے بڑے مخالف اور بڑے بڑے سورما کچا گھر آئے اور خوشی خوشی واپس گئے، دیوبندی ہوں، اہل حدیث ہوں، مودودی جماعت سے وابستہ ہوں یا بریلوی سبھی مسالک کے لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔

علماء کو خوش حال ہونا چاہئے

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ: بہت سے لوگ انھیں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کا وارث اور روحانی جانشین سمجھتے ہیں، بہت لوگ انھیں صوفی منش مجذوب صفت مخلص اور سادہ بزرگ جانتے ہیں، لیکن میں نے مولانا کے اندر ایک آدھ چیزیں ایسی دیکھی ہیں جو کسی اور کے اندر نہیں دیکھیں، مولانا طبقہ علم و علماء کو اُمیر اور خوش حال دیکھنا چاہتے تھے، اپنی اس چاہت کا برملا اظہار فرماتے تھے۔ مجھے متعدد ایسے لوگ معلوم ہیں جن کو مولانا نے خطیر رقمیں صرف یہ کہہ کر عنایت کیں کہ: اس رقم سے فلاں کاروبار کرو، جیسے جیسے منافع ہوتا اور ترقی ملتی جائے رفتہ رفتہ میری اصل رقم مجھے واپس کرتے جاؤ۔

مولانا کہتے تھے کہ: علماء کے ہاتھ اگر خالی ہوں گے تو وہ دین کو اس خلوص اور لگن کے ساتھ وقت نہیں دے پائیں گے، جس کا دین تقاضا کرتا ہے، بہت سے لوگوں کو کتابوں کی اشاعت کے لئے رقمیں دیں، بہتوں کو کپڑے وغیرہ کی تجارت کے لئے روپے دئے، عدیم الفرصتی کے باوجود فون کراتے اور خیر خیریت بھی معلوم کرتے رہتے۔

مولانا کی اس صفت نے میری نظروں میں انھیں جو امتیاز اور تفوق بخشا ہے، وہ الحمدللہ ہنوز دل و دماغ میں رچا بسا ہوا ہے۔

تراویح میں قرآن کریم سنانے کا واقعہ

حضرت مولانا محمد طلحہؒ نئے نئے حافظ قرآن ہوئے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد

زکریا دار جدید کی مسجد میں معتکف ہوتے تھے، حکم صادر فرمادیا کہ طلحہ امسال محراب دار جدید کی مسجد میں سنائے گا۔ مولانا نے بھرپور محنت کی، تلاوت کا مکمل اہتمام رکھا، لیکن جب مصلے پر پہنچے اور قرآن پاک پڑھنا شروع کیا تو تھوڑی ہی دیر کے بعد لقمے پر لقمے ملنے شروع ہوئے، سامع کوئی عمر دراز حافظ قرآن تھے وہ بتاتے رہے اور آگے آگے گویا پڑھاتے رہے نوبت یہاں تک پہنچی کہ سامع نے پڑھنا چھوڑ دیا تو مولانا نے پورے قرآن کی گویا ورق گردانی شروع کردی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے غصہ میں اپنی نماز ترک فرمادی اور مولانا محمد طلحہ کو پیچھے سے اپنی طرف کو زور سے کھینچا، نماز تو سب کی چلی گئی، غصہ میں مولانا محمد طلحہ کو ڈانٹتے رہے اور پھر سامع سے فرمایا کہ تو بتاتا کیوں نہیں؟ وہ بندۂ خدا حضرت کا مرید بھی اور منہ چڑھا بھی، کہنے لگا کہاں تک بتاؤں پڑھ تو قرآن ہی سے رہا ہے۔

داڑھی مونڈنے والے تبلیغی کو طمانچہ رسید کردیا

بھارتی افراد پر مشتمل ایک تبلیغی جماعت بغرض ملاقات حاضر ہوئی، اس جماعت میں ایک صاحب کلین شیو تھے، مولانا نے ان صاحب کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا، وہ صاحب سمجھے کہ مولانا اُس کے سر پر دست شفقت پھیریں گے، جماعت میں نکلنے کی مبارک باد اور شاباشی دیں گے، مگر اچانک مولانا کا زناٹے دار طمانچہ اس کے بائیں رخسار پر پڑا اور چودہ بلکہ پندرہ طبق روشن ہوگئے، مولانا کی آنکھیں شعلے اگل رہی تھیں، غصہ بھرے لہجہ میں فرمایا:

”فاسقوں جیسی شکل بنا کر ادھر ادھر پھر رہا ہے، جماعت میں بھی نکلا ہے مگر پھر بھی داڑھی چہرے سے غائب ہے، کیا فائدہ ہوگا ایسی دعوت اور ایسی جماعت سے جس میں دین کی قدر و منزلت اور اسلامی شعار کی عظمت و حرمت ختم ہو جائے“

ایل آئی یو افسر کو طمانچہ رسید کردیا

ایک بار مولانا محمد طلحہ صاحبؒ کے پاسپورٹ کا وقت ختم ہوگیا تو تجدید (رینیول) کے

لئے درخواست گزاری، انکوائری کے لئے ایل آئی یو کا ایک افسر مولانا کے پاس ایسے وقت پہنچا جب عصر کے بعد کی مجلس اختتام پذیر ہو رہی تھی، اس کو دور سے دیکھ کر مولانا کا پارہ گرم ہو گیا، لوگوں سے فرمایا کہ ان کے لئے راستہ کر دو اور ان کو قریب آنے دو، چنانچہ وہ شخص قریب آ گیا، جب بالکل قریب آ گیا تو کھینچ کر ایک طمانچہ اس کے رخسار پر جڑ دیا اور فرمایا کہ:

"بنیوں جیسی شکل بنا رکھی ہے"

وہ افسر بہت غصہ ہوا اور کہا کہ میں جا رہا ہوں، مولانا نے اپنی مخصوص ادائے بے نیازی سے فرمایا کہ جاؤ بلایا کس نے ہے، چنانچہ جب وہ چلا گیا تو ایک صاحب نے آگے بڑھ عرض کیا کہ حضرت! یہ تو غضب ہو گیا، فرمایا ہوا کیا، کہنے لگا کہ یہ شخص واقعی بنیا ہی تھا، یہ تو آپ کے پاسپورٹ کی انکوائری کے لئے آیا تھا۔

دوران دعا فلسطین اور اسرائیل کا تذکرہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ کے زمانہ میں مسلسلات کا نظام بڑے پیمانے پر ہوتا تھا، اس موقع پر حدیث مسلسل کا سبق ہوتا تھا جس میں طلبہ دورونزدیک سے بڑی تعداد میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوتے تھے، دارالعلوم کے بہت سے طلبہ تو اپنی بسیں بک کر کے آجاتے اور اس دن خوب ہلچل رہتی۔ حدیث مسلسل کی تکمیل پر حضرت مولانا محمد طلحہؒ دعا کراتے تھے، ایک بار ایسا ہی موقع تھا، فلسطین پر اسرائیلی مظالم زوروں پر تھے، پورا عالم اسلام کراہ رہا تھا، مولانا محمد طلحہ صاحب اگرچہ اخبارات وغیرہ پڑھنے کے عادی نہیں تھے تاہم سینہ بسینہ کچھ نہ کچھ خبریں ان کے کانوں تک بھی پہنچ جاتی تھیں، درمیان دعا عالمِ اسلام اور مسلمانوں کا ذکر آیا تو جوش میں آگئے اور کہا کہ یااللہ فلسطین کا بیڑہ غرق فرما دے، اتنا سننا تھا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ نے مائک آگے سے کھینچ لیا اور ڈپٹ کر فرمایا یہ کیا بکواس ہے؟ حضرت مولانا محمد طلحہ نے درمیانِ دعا رک کر پوچھا کہ کیا کہنا چاہئے، شیخ صاحب نے فرمایا کہ اسرائیل کا بیڑہ غرق ہونے کی دعا کرو فلسطین کا نہیں، چنانچہ مولانا نے پھر دعا شروع کرا دی اور اسرائیل کے لئے بددعائیں شروع کر دیں اور فرمایا کہ یااللہ

اسرائیل کا بیڑہ غرق فرما، اس کی توپوں میں کیڑے پڑ جائیں۔

دعا مختصر کرنے کی توفیق عطا فرما!

دفتر مدرسہ قدیم کی مسجد میں ایک تقریب نکاح تھی، فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسینؒ نے نکاح پڑھایا اور دعا کیلئے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحبؒ کو حکم دیا، مولانا نے دعا شروع کرائی، ان کی دعا بڑی مقفع مسجع ہوا کرتی تھی، گرمیوں کا موسم تھا، لوگ پسینہ سے شرابور ہو رہے تھے اور ادھر دعا مسلسل جاری تھی، اسی درمیان ایک شخص نے زور سے کہا کہ یا اللہ! دعا کو مختصر کرنے کی توفیق عطا فرما! اور مولانا نے فوراً دعا ختم کرا دی۔

دعا میں تکرار لفظی

مولانا محمد طلحہؒ کو چونکہ لمبی دعاؤں کی عادت تھی اور ظاہر ہے لمبی دعاؤں میں تکرار بھی ہو جاتا ہے چنانچہ کئی بار امت محمدیہ کی مغفرت کی دعا کا جملہ دہرایا تو حضرت مولانا شیخ محمد یونسؒ نے یہ کہہ کر مائک اپنے آگے کھینچ لیا کہ آپ تو ستر بار دعاء مغفرت کرا چکے ہیں اور پھر باقی دعائیہ جملے حضرت شیخ نے اپنی زبان سے ادا کر کے دعا ختم کی۔

تفضّل والے تفضّل

ایک عربی جماعت حضرت مفتی مظفر حسینؒ کی خدمت پہنچی، مفتی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ مدرسہ دکھلاؤ، میں نے ایک ایک عمارت، کتب خانہ اور مساجد وغیرہ کی زیارت کرادی اور مختصر مختصر تاریخ بھی بتاتا رہا، اس جماعت کے کچھ افراد نے حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا، میں مولانا مرحوم سے کافی بے تکلف اور ان کی علمی و تحقیقی خدمات کا دل کی گہرائیوں سے قائل تھا چنانچہ ان کے دفتر لے گیا وہاں سے ملاقات کے بعد شیخ محمد یونسؒ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی مگر شیخ صاحب صبح کا آخری گھنٹہ دیر تک پڑھاتے تھے اس لئے ملاقات نہ کرا سکا، تو ان میں سے ایک صاحب نے حضرت مولانا محمد طلحہؒ سے ملنے کی فرمائش کی، میں مولانا کی خدمت میں لے گیا اور گلی کے باہر اُن حضرات کو روک کر اندر اجازت لینے گیا، مولانا کو پوری بات بتائی تو فرمایا کہ ایسے کیسے

ملاقات کرلوں، پہلے بتانا چاہئے تھاوغیرہ وغیرہ ، میں نے عرض کیا کہ آپ جتنی دیر بعد فرمائیں گے لے کر حاضر ہو جاؤں گا،فرمایا کوئی بات نہیں لے آؤ، چنانچہ ان حضرات کو اندر لے گیا،مولانا نے عربی مہمانوں کے احترام میں کھڑے ہوکر استقبال کیا اور فرمایا: تَفَضَّل، تَفَضَّل، پھر فرمایا''تَفَضَّل والے تَفَضَّل بغیر تَفَضَّل والے بھی تَفَضَّل، یہ عجیب وغریب جملہ سن کر مجھے بہت عجیب لگا زندگی میں پہلی بار ایسی تعبیر سنی تھی۔ واپسی پر فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کو تمام ملاقاتوں کی اطلاع دی اور تَفَضَّل والا لطیفہ بھی گوش گزار کیا، مفتی صاحبؒ نے پوچھا کہ اس کا مطلب سمجھے؟ میں نے عرض کیا کہ بالکل نہیں سمجھا،فرمایا کہ تَفَضَّل والے تُفَضَّل سے مراد عرب حضرات تھے اور بغیر تَفَضَّل والے تَفَضَّل سے مراد تم لوگ تھے۔

۞۞۞

حضرت مولانا محمد حنیف پرتا بگڑھیؒ

ایک وہ تھے ایک ہم ہیں

"محمد حنیف پرتاب گڑھ کے رہنے تھے، بڑی عمر میں طلب علم کا شوق ہوا، مختلف مقامات کا سفر کرتے، علم حاصل کرتے پانی پت پہنچ گئے، پانی پت میں بھی بہت دن تک پڑھتے رہے جس دن احقر پانی پت سے سہارنپور گیا اسی سال تین دن بعد وہ بھی سہارنپور پہنچ گئے، انہوں نے اپنے سفر کا حال بیان کیا کہ جس وقت پانی پت سے چلا ہوں میرے پاس تھوڑے سے پیسے تھے، پیدل سفر تھا، کتابیں زیادہ تھیں اس لئے آدھا سامان کچھ دور رکھ آتا تھا پھر دوسرے سامان کو لے جاتا تھا، جہاں رات ہوجاتی ٹھہر جاتا تھا، جب تک پیسے رہے چنے وغیرہ لے لے کر کھالیتا، کئی ہفتے بعد سہارنپور پہنچا، جس وقت احقر سے ملاقات ہوئی آنکھوں میں آنسو آگئے، کہنے لگے کئی دن کا بھوکا ہوں کھانا کھلاؤ، بہت متقی، پرہیزگار تھے، کسی سے سوال نہ کرتے تھے، تکبیر اولی اور صف اول کا بہت اہتمام تھا، تکمیل کے بعد چند دن کے لئے وطن گئے پھر فرخ آباد میں قیام کیا، ایک مرتبہ مجھے خط لکھا کہ تم کو یہ آخری خط لکھ رہا ہوں، اب زندگی ایسی جگہ گزاروں گا جہاں کوئی مجھے نہ جانتا ہو، اس کے بعد سے ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا کہ کہاں ہیں" (آداب المتعلمین)

ہم خود کو مشہور کرنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے، بغیر نام کے مضمون چھپ جائے تو چراغ پا، بغیر تعارف کے جلسہ میں نام بول دیا جائے تو برافروختہ، مفتی سے نیچے بات نہیں، علائق میں الجھ کر ملائک کے خواب دیکھنے کی عادت پڑی ہے، عبادت میں دل ودماغ حاضر نہیں اور پھر بھی خود فریبی میں مبتلا، مقام امتیاز کی خواہش، لمبے القاب کی چاہت، کوئی سلام میں پہل کرے اس کی امید، یا اللہ! تو ہر چیز پر قادر ہے، اجالے کو تاریکی سے، رات کو دن سے، دن کو رات سے، قطرے میں جان اور جان کو مٹی میں ملانے والی ذات صرف تیری ہے، الٰہی ہمیں بھی نیک بنادے، جسمانی امراض کے ساتھ روحانی بیماریوں سے مجلی ومصفی فرما!

حضرت مولانا عبدالرحمن حیدرآبادیؒ ۱۴۴۰ھ

خدمت سے خدا ملتا ہے

آپ حیدرآباد کے رہنے والے تھے، ۱۲/ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے، گھر والے عصری تعلیم دلانا چاہتے تھے لیکن آپ کے سر میں دینی تعلیم سمائی ہوئی تھی، چنانچہ کچھ دینی تعلیم علاقہ میں حاصل کر کے بلا اجازت وطن سے بھاگے، اور پہلے ہردوئی پھر شاملی کے ایک مدرسہ میں پہنچ گئے۔

طالب علمی کے دور میں بڑے مشکل حالات سے گزرے، چند سال وہاں پڑھ کر مظاہر علوم آ گئے یہاں بڑے اساتذہ، بڑا ماحول، سلوک وتصوف کی مجلسیں، حدیث وتفسیر کی بڑی بڑی درسگاہیں، شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی خانقاہ، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کی تربیت گاہ، چارسو خلوص وللّٰہیت، بڑے گھر کے چشم وچراغ، کچھ تو ماحول کا اثر کچھ مدارس بالخصوص مظاہر علوم کے اساتذہ کی تربیت کا کمال، آپ یہاں پڑھتے بھی تھے اور حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ کی خدمت بھی کرتے تھے، حضرت کے گھر سامان پہنچانا اور کچھ منگوانا ہوتو بھی ساری خدمت آپ کے سپرد تھی، آپ کی تعلیم سے دلچسپی یہاں پہنچ کر مزید بڑھ گئی تھی۔

حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ کی عادت تھی کہ نصف منٹ سے بھی کم وقت کے لئے اپنے پیر دبواتے تھے، رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے آپ تکرار اور مطالعہ کتب درسیہ سے فارغ ہوکر حسب معمول حجرہ میں پہنچے، حضرت لیٹ چکے تھے، آپ نے پیر دبانے شروع کئے ہی تھے کہ حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے پوچھا کون؟ جواب دیا عبدالرحمن حیدرآبادی،

پوچھا کیا وقت ہوا؟ عرض کیا ڈیڑھ بجا ہے، پوچھا تاریخ کیا ہے؟ جواب دیا دس ذی الحجہ، پوچھا کل کون سا دن ہے؟ عرض کیا جمعہ کا، حضرتؒ خوش ہوگئے اور فرمایا: ماشاء اللہ تین فضائل جمع ہوگئے ہیں۔

(۱) بقرعید کی شب

(۲) جمعہ کی شب

(۳) تہجد کا وقت

پھر فرمایا: میں تم کو تین دعائیں دیتا ہوں:

(۱) دین کی خدمت کا غیر معمولی موقع ملے گا۔

(۲) دولت دنیا بھی خوب ملے گی۔

(۳) عمر دراز ہوگی۔

اور پھر فرمایا کہ: ان شاء اللہ خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا۔

حضرت مولانا عبدالرحمن مظاہریؒ کا بیان ہے کہ:

”پہلی تینوں دعائیں اپنی آنکھوں سے مقبول ہوتے دیکھ چکا ہوں، ان شاء اللہ چوتھی سے بھی محروم نہیں رہوں گا“۔

حضرت مولانا محمد اسعد اللہؒ ناظم مظاہر علوم کی خدمت، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ مہاجر مدنی سے اکتسابِ فیض اور حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولویؒ کی نگرانی وتربیت میں آپ نے اپنی شخصیت کو سنوارا، نکھارا اور سیماب صفت بنانے کے ساتھ ہی اوصاف واخلاق سے مزین کیا۔

آپ نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔

علمی کرامت

حضرت مولانا عبدالرحمن مظاہری حیدرآبادی (متوفی ۳۰: جون ۲۰۱۹ء) نے اپنے وطن حیدرآباد، ہردوئی، شاملی اور مظاہر علوم میں تعلیم کی تکمیل کی، دوران تعلیم علم منطق سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہوئے، اپنی پریشانی کا اظہار اپنے محسن ومیزبان

حضرت مولانا سید ظہور الحسن کسولویؒ (مرتب ارواح ثلاثہ) سے کیا، مولانا نے حکم دیا کہ ایک دو ہفتہ میرے سے پڑھ لو مولانا نے حسب الحکم مولانا سید ظہور الحسن کسولویؒ سے ان کے مکتبہ امداد الغرباء میں منطق کے بعض اسباق پڑھنے شروع کردیے، مولانا عبدالرحمنؒ کا بیان ہے کہ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ علم منطق میرے لئے بالکل آسان ہوگیا، مشکل بحثیں سہل ہوگئی، پیچیدہ عبارتیں حل ہوتی چلی گئیں اور یہ علم مجھ پر اتنا واضح، اتنا روشن ہوگیا کہ ''کرامت علمی'' کا مشاہدہ اور تجربہ زندگی میں پہلی بار ہوا، علم منطق اب میرا پسندیدہ موضوع بن گیا جس کی وجہ سے بحث ومباحثہ اور علم مناظرہ سے بھی دلچسپی پیدا ہوگئی، اہم ترین بحثوں میں شرکت کے لئے طبیعت آمادہ اور مچلنے لگی یہاں تک کہ ''مجلس علمی'' قائم کی جس کے ذریعہ ہر ہفتہ تقریر ومناظرہ کی مشق وتمرین کا نظام بن گیا۔ (مستفاد از کاروان حیات)

آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوکر صرف ڈیڑھ سال میں قرآن کریم حفظ کیا تھا۔ (عصر حاضر ڈاٹ کام: مفتی صادق حسین)

۞۞۞

حضرت مولانا حمد اللہ جان مظاہریؒ

حضرت مولانا عبدالحکیم قریشی کے بیٹے، ڈاگئی ضلع صوابی صوبہ خیبر پختونخوا کے باشندے، مظاہر علوم سہارنپور کے ہونہار فرزند حضرت مولانا حمد اللہ جانؒ ۱۳۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحکیمؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے شاگرد رشید اور امام العلام حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے رفیق درس تھے۔آپ نے دیوبند پہنچ کر تعلیم حاصل کرنی چاہی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حصول علم کی راہیں مظاہر علوم میں کھول رکھی تھیں، اس لئے ۱۳۶۲ھ میں مظاہر علوم پہنچے، تین سال محنت کے ساتھ تعلیم حاصل کر کے ۱۳۶۵ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فارغ ہوئے، آپ نے صحیح بخاری شریف جلد اول اور ابوداؤد شریف شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے، بخاری شریف جلد ثانی حضرت مولانا عبداللطیف پورقاضویؒ سے، ترمذی شریف اور طحاوی شریف حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ سے، ابن ماجہ اور سنن نسائی حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ سے پڑھ کر سند فراغ حاصل کی، فراغت کے بعد وطن پہنچے، ۱۹۴۸ء میں ایک تعلیم گاہ قائم کی اور مادرِ علمی سے غایت تعلق و محبت کے باعث مدرسہ کا نام ''مظہر العلوم'' رکھا۔

ذاتی محنتیں، احباب و متعلقین کی کوششیں اور سب سے بڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہربانی اور فضل سے اس تعلیم گاہ نے خوب ترقی پائی اور دیکھتے ہی دیکھتے مکتب سے مدرسہ اور مدرسہ سے جامعہ بن گیا، یہاں کے فضلاء اور فارغین کا علم پختہ، طبیعت پختہ، عقیدہ پختہ، عمل پختہ اور کردار شگفتہ ہوتا ہے کیونکہ یہ ادارہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ کا مصداق ہے۔

روزانہ ۴۸ سبق

دور حاضر کے اساتذہ پانچ چھ گھنٹے پڑھا کر سوچتے ہیں کہ دین کی بڑی خدمت انجام دے دی ہے لیکن حضرت مولانا حمد اللہ جانؒ کی طرف دیکھئے تو چشمانِ حیرت وَا کی وَارہ جائیں گی چنانچہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجموعی طور پر آپ دس بیس اسباق نہیں مکمل ۴۸ اَسباق پڑھاتے تھے، ان اسباق کی وجہ سے دن کا چین اور رات کا سکون سب کچھ قربان کر دیا تھا، تہجد کے وقت اٹھتے تو اسباق شروع فرما دیتے تھے، حالت یہ ہوتی کہ ایک طالب علم اپنے ہاتھ میں لالٹین تھام لیتا اس کی روشنی میں آپ چلتے چلتے طلبہ کو پڑھاتے رہتے ، یہاں تک کہ مدرسہ پہنچ جاتے، نماز فجر کے بعد پھر اسباق کا سلسلہ شروع ہوتا تو درمیان میں نماز ظہر اور مسنون قیلولہ کے علاوہ مستقل اور مسلسل پڑھاتے ہی رہتے یہاں تک کہ رات عشاء کے بعد تک یہ مشغلہ جاری رہتا اور اس طرح صبح سے شام تک یکہ وتنہا ۴۸ / اسباق اس مردِ مجاہد نے پڑھائے ہیں۔

۱۹۸۸ء سے پہلے مدرسہ کی تنگ اور محدود عمارت درسگاہ بھی تھی قیام گاہ بھی، دارالافتاء بھی تھی دار القضاء بھی، دار التفسیر بھی تھی دار الحدیث بھی، خانقاہ بھی تھی اور دار الضیافہ بھی گویا سارے امور کی انجام دہی کے لئے یہی ایک عمارت تھی لیکن آپ کی قبولیت، مرجعیت اور شان تدریس کے باعث ملکی طلبہ کے علاوہ افغانستان، ایران، ترکی اور دیگر مما لک کے تشنگان علوم بڑی تعداد میں آنے شروع ہو گئے تھے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کوئی بھی غیر ملکی طالب علم ملک کے کسی بھی مدرسہ اور جامعہ میں پڑھنے کے لئے آتا لیکن اس کی وطن واپسی وایا ڈاگئی ہوتی کیونکہ مختلف ملکوں کے لوگ فاضلین سے پوچھتے کہ حضرت مولانا احمد اللہ جانؒ سے بھی استفادہ اور اکتساب علم کیا ہے یا نہیں؟ جواب اگر نفی میں ہوتا تو لوگ کہتے کہ پھر تم نے کچھ حاصل ہی نہیں کیا ہے۔

جہاز میں درسِ قرآن

حج بیت اللہ کے لئے پانی کے جہاز سے روانہ ہوئے تو یہ لمبا وقت آپ نے ضائع نہیں کیا بلکہ جہاز کے اندر ہی ''درسِ قرآن'' کا سلسلہ سورۃ الفاتحہ سے شروع کیا، یہ درس بڑا

مقبول اور بڑا مفید ثابت ہوا، جہاز میں موجود تمام عازمین حج اور جہاز کا عملہ بھی شرکت کرتا تھا، آپ نے اس ترتیب سے **سورۃ الفاتحہ** سے **سورۃ الناس** تک تفسیر کا درس دیا کہ اِدھر سفر تمام ہوا اُدھر درس تمام ہوا۔ چنانچہ جہاز کے کپتان نے اپنی طرف سے تمام شرکاء کو شیرینی بھی تقسیم کی۔

حرمِ محترم میں درس

۱۳۹۴ھ میں حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے تو حرمِ محترم میں درسِ تفسیر شروع کر دیا، یہ درس اپنی نوعیت کا بڑا منفرد اور مقبول درس ثابت ہوا، اس درس میں مختلف ممالک وامصار کے عازمین حج اور سعودی عرب کے باذوق علماء وطلبہ شرکت کرتے تھے، آپ نے حرمِ محترم میں ابوداؤد شریف، نخبۃ الفکر، المقصود فی الصرف، میزان الذهب فی العروض، ریاض الصالحین، دروس البلاغۃ وغیرہ کتابوں کا اس شان کے ساتھ درس دیا کہ آپ کی رواں دواں عربیت، ادبیت، اصول عربیت سے واقفیت اور عربی لب ولہجہ پر قدرت کے باعث عربی طلبہ اور علماء گرویدہ ہو گئے، ایک مدت تک آپ نے حرمِ محترم میں تدریسی خدمات انجام دیں، مسجد حرام کے استاذ شیخ محمود ترکستان طرازی سے اجازتِ حدیث بھی حاصل ہوئی۔

روحانی علاج

سلوک وطریقت میں بھی مرتبۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، تصوف کے چاروں سلسلوں میں مجاز اور عملیات کے امام تھے، اصلاح وتربیت کا تعلق حضرت مولانا شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ سے قائم ہوا پھر حضرت مولانا سید محمود صندلؒ (باباجی) نے چاروں سلسلوں میں اور حضرت مولانا شیخ عبدالسلامؒ نے بھی اجازتِ بیعت وخلافت سے نوازا تھا۔

مختلف روحانی مریض اکثر وبیشتر آپ کی خدمت میں حاضری دیتے، آپ ان کی دلجوئی فرماتے، دعائیں دیتے اور وہی مریض جو مرض کے ساتھ حاضر ہوا تھا، واپس ہوتا تو مرض سے چھٹکارا پاچکا ہوتا، بڑے بڑے علمائے کرام بھی اس سلسلہ میں آپ سے رجوع ہوتے تھے، حضرت مولانا مفتی زرولی خانؒ پر کسی بدباطن نے سحر کر دیا تو ان کا علاج بھی آپ ہی نے کیا تھا۔

اسلامی معاشیات کا مطالعہ

حضرت مولانا ابوعمار زاہد الراشدی لکھتے ہیں کہ

’’چمن میں سینکڑوں علماء کرام کے ایک اجتماع میں اسلامی معاشیات کے حوالہ سے ان کی وقیع علمی گفتگو سن کر مجھے خوش گوار حیرت ہوئی کہ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کے بعد وہ پہلی شخصیت ہیں جن سے اسلامی معاشیات کے موضوع پر اس قدر جاندار علمی گفتگو سننے کو ملی ہے‘‘۔

ایک گھنٹہ میں سورۂ بقرہ یاد ہوگئی

آپ کی زندگی کا ہر پہلو عجیب ہے چنانچہ آپ کا حافظہ اور یادداشت بھی قابل رشک تھی، جب مظاہر علوم سہارنپور پہنچے تو ایک گھنٹہ میں پوری سورۃ البقرہ یاد کرلی تھی، اسی طرح طویل طویل احادیث شریفہ، لمبی لمبی فقہی اور مناظرے کی عبارات، تفاسیر کے صفحات کے صفحات اور مختلف زبانوں کے بے شمار اشعار دوران درس وتقریر پڑھتے چلے جاتے اور سامعین عش عش کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، مناظرہ، علم کلام، نحو وصرف، شعروادب اور علوم آلیہ اور عالیہ دونوں میں مہارت رکھتے تھے۔

تبلیغ کی برکت

ایک صاحب جن کی زبان اردو تھی ملاقات کے لئے پہنچے تو حضرت کی جلالی شخصیت، عوام کا ہجوم، خواص کا رجوع اور مرجعیت کو دیکھ کر اتنا مرعوب ہوگئے کہ سلام کے بعد حلق میں آواز اٹک کر رہ گئی، حضرت نے خود ہی شفقت کے ساتھ پوچھا کہ پشتو زبان جانتے ہو؟ انہوں نے نفی میں سر ہلایا تو مسکرائے اور فرمایا: تو کیا ہوا ہم نے فضائل اعمال والے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ سے مظاہر علوم میں پڑھا ہے تم اردو میں ہی بات کرو، انہوں نے عرض کیا کہ میں سوچ رہا تھا کہ حضرت کو اردو زبان نہیں آتی ہوگی؟ مسکرائے اور فرمایا ’’ہمیں تو سترہ زبانیں آتی ہیں‘‘ عرض کیا کہ ہم لوگ تبلیغی جماعت کے ساتھ آپ کے یہاں مسجد میں آئے ہیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ تبلیغ والوں کا بھلا کرے، یہاں

تمبا کو کی کاشت ہوتی ہے لوگ بٹہ پر زمینیں دیتے ہیں اب تک کسی نے اس بابت کوئی مسئلہ مجھ سے نہیں پوچھا، اللہ بھلا کرے ایک بڑا خان تبلیغ میں گیا، واپسی پر مجھ سے ملنے آیا اور پہلی بار اس نے مزارعت کا مسئلہ پوچھا، یہ تبلیغ کی برکت ہے۔

فارسی زبان میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ شعرائے فارسی بالخصوص شیخ سعدیؒ، فریدالدین عطارؒ، مولانا رومؒ اور حافظؒ وغیرہ کا اچھا خاصا کلام زبانی یاد تھا اور درس وتدریس، وعظ وتقریر میں فارسی اشعار بے ساختہ زبان پر آ کر لطف پیدا کر دیتے تھے۔

مقبولیت اور محبوبیت

تقریباً ایک سو پانچ سال کی عمر پائی، کراچی سے خیبر تک پورے ملک میں علم اور عمر میں آپ سے بڑا کوئی عالم آپ کی حیات میں نہیں تھا، پوری زندگی سیرت وسنت سے عبارت تھی کسی نے کبھی خلاف سنت عمل کرتے نہیں دیکھا، اصول پسندی، شرافت، ملنساری اور درویشانہ خو، بو کے باعث پورے ملک میں ہی نہیں عالم اسلام میں بھی قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھے اور عقیدت ومحبت سے پہچانے جاتے تھے، سیرت کے جلسوں یا دوسری مذہبی تقریبات میں تقریر کرنے کے لئے جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو مجمع پر رعب اور سناٹا طاری ہو جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ کرامت اور شرافت بھی عطا فرمائی تھی کہ سننے والا ان کی بات سے اختلاف کے باوجود ان کی شرافت وشائستگی اور حق گوئی وبیباکی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ پاتا تھا۔ کیونکہ آپ سراپا مجسمۂ محبت اور پیکر خیر تھے، حق گوئی ان کی شناخت بن چکی تھی، ریا اور نمود ونمائش سے خدا واسطے کا بیر تھا، غیر ضروری باتیں سننا اور سنانا سخت ناپسند تھا۔ حضرت مفتی محمودؒ، حضرت عبداللہ درخواستیؒ، حضرت غلام غوث ہزارویؒ، سید گل بادشاہؒ، حضرت مولانا عبدالحقؒ وغیرہ کے ساتھ بہت قریبی اور قلبی تعلق تھا، اسی نسبت اور تعلق کی بنیاد پر حضرت مولانا فضل الرحمن انتہائی ادب سے ملتے اور حضرت کی پیشانی کا بوسہ لیتے تھے۔

دارالعلوم زکریا ترنول میں تقریب رونمائی ''الکنز المتواری شرح صحیح بخاری'' کے موقع پر حضرت مولانا حمداللہ جانؒ کی تشریف لے گئے، مختصر خطاب بھی فرمایا۔ مفتی عدنان کاکاخیل نے حضرت کا تعارف کروایا اور بتایا کہ

’’ہمارے افغان دوست جو ملک بھر کے مدرسوں سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں واپس اپنے ملک جاتے ہوئے حضرت کے مدرسہ میں ضرور رکتے اور رہتے ہیں کیونکہ وہاں پوچھا جاتا ہے کہ کہاں سے پڑھ کر آئے ہو؟ اگر حضرت سے اپنی نسبت نہ بتائیں تو کوئی عالم ہی نہیں سمجھتا، اس لئے تمام فضلائے کرام کچھ دن حضرت کے پاس رہ کر اکتساب فیض کرتے ہیں پھر روانہ ہوتے ہیں‘‘۔

انتقال پر ملال

انتقال سے ۲۸ ر دن پہلے تک آپ نے تدریسی مشغلہ جاری رکھا، ۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲ ر جنوری ۲۰۱۹ء) کو جب یہ آفتاب عالم تاب غروب ہوا، تو پورے ملک میں رنج وقلق کا ماحول طاری ہو گیا، بڑے بڑے علمائے کرام اور اکابر حضرات نے تعزیت مسنونہ پیش کی، مجمع کا اندازہ تصور سے زیادہ لاکھوں افراد پر مشتمل تھا، بڑے میدان میں آپ کا جسد خاکی موجود تھا، نماز جنازہ ہو رہی تھی، لوگوں کے رونے بلکنے کی آوازیں مجمع میں مختلف جگہوں سے بلند ہو رہی تھیں، مائک سے برابر صبر وتحمل کی ہدایات دی جا رہی تھیں تاکہ مجمع کنٹرول سے باہر نہ ہونے پائے، اُن دلوں پر کیا گزری ہوگی جن کو حضرت نے پوری زندگی تعلیم دی، تربیت دی، علم کا نور دیا، زندگی کا سرور دیا، راہ ہدایت بتائی، قرآنی تقاضوں سے واقف کرایا، شریعت حقہ سے روشناس اور طریقت غراء سے آراستہ وپیراستہ فرمایا آج وہی لوگ بدلے میں کیا دے رہے ہیں؟ آنسو، آہیں، سسکیاں، ہچکیاں، دعائیں اور اپنے لرزتے ہاتھوں سے محض تین مٹھی مٹی، کپکپاتی زبان سے محض مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝۵۵ کا وِرد۔

مصادر: ۞ علماء مظاہر علوم کے علمی کارنامے، تاریخ مظاہر جلد دوم

۞ روداد مظاہر علوم ۱۳۶۵ھ۔

۞ مضمون: مولانا اشفاق جان مدظلہ

۞ حضرت مولانا مفتی شاہ جہاں نقاب مدظلہ الافغانی (دبئی)

۞ مختلف ویب سائٹ، فیس بک وغیرہ

حضرت مولانا محمد ارشاد مظاہریؒ ۱۴۴۲ھ

تنخواہ علی الحساب نہیں دی

''بھائی جی! عقد اجارہ کہو یا حبس وقت، مشاہرہ کہو یا حق الخدمت مجھے ان اصطلاحات میں نہیں الجھنا ہے مجھے تو صرف اتنا بتادو کہ بمد تنخواہ جس رقم کا ایڈوانس مطالبہ کر رہے ہو اس کی کیا گارنٹی ہے کہ تنخواہ ملنے کے دن تک زندہ رہو گے''۔

مدت ہوگئی ممکن ہے بیس سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا ہو جب یہ کلمات مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کے خزانچی مولانا محمد ارشاد مظاہری کو کہتے سنے، ان سے ایک سفیر اپنی کسی ضرورت کے لئے قبل از وقت تنخواہ کا مطالبہ کر رہا تھا اور مولانا خندہ پیشانی کے ساتھ منع کر رہے تھے ادھر اصرار ادھر انکار، سبحان اللہ! میں درمیان میں ہی بول پڑا کہ بالکل ایسا ہی واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ بھی پیش آچکا ہے اور تقریباً ان ہی الفاظ کے ساتھ ان کے بیت المال کے ذمہ دار نے بھی جواب دیا تھا۔

مولانا محمد ارشاد مظاہری فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین کے شاگرد رشید، شیخ الحدیث موکانا محمد یونس جونپوری کے چہیتے، اکابر کو دیکھے اور برتے ہوئے، کم وبیش 35 سال آپ نے ایک ہی دفتر میں مختلف ذمہ داریاں نبھائیں اور سلیقہ کے ساتھ اکابر کی توقعات پر پورے اترے، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین آپ کی امانت داری، دیانت داری اور رازداری پر مکمل اعتماد فرماتے تھے، موجودہ ناظم مولانا محمد سعیدی بھی مولانا کی وجہ سے بے فکر رہتے تھے، مولانا محمد ارشاد مظاہری سو سے زائد عملہ سے سب

کے مناسب حال معاملہ اور برتاؤ کرتے تھے، ان کے انکار میں بھی پیار جھلکتا اور چھلکتا تھا، تلاوت قرآن کا ذوق ایسا کہ اگر دو چار منٹ بھی دفتر میں یا گھر میں یا مسجد میں مل گئے تو قرآن اٹھا تلاوت شروع، اسی لئے آپ دو دن میں بے تکلف قرآن کریم مکمل کر لیتے تھے، دفتر مالیات میں خزانچی کا عہدہ کوئی چھوٹی موٹی ذمہ داری نہیں ہے، سالانہ کروڑوں کا حساب کتاب کرنا اور رکھنا پڑتا ہے، مختلف مدات، مختلف امور، مختلف مسائل، مختلف لوگ اور مختلف حالات میں بھی ان کے لبوں کی مسکراہٹ وران کی پیشانی کی رونق کم نہیں ہوتی تھی، جسم مضبوط، دماغ تازہ، یادداشت پختہ، سینہ رازداری کا پٹارہ اور نظریں فراست ایمانی کا نمونہ، پہلے والدین کو پھر خود اپنی اہلیہ کے ساتھ حج ادا کیا، عمرہ بھی کرتے رہے، آپ کے یہاں ایک زمانے سے دودھ کا کاروبار ہوتا ہے، خود بھی جانوروں کی دیکھ ریکھ بے تکلف کرتے تھے، کوئی بناوٹ نہیں کوئی تکلف نہیں، شہر میں ہمیشہ پیدل ہی چلتے پھرتے دیکھا، میں رمضان المبارک کی تعطیل میں گھر گیا، کورونا نے پھر دستک دی، لاک ڈاؤن لگ گیا، رمضان کی آمد ہوئی تو عبادات میں بھی کثرت ہوئی، ایک دن بارہ بنکی سے کسی صاحب خیر نے مدرسہ کے اکاؤنٹ میں رقم جمع کر کے اس کی رسید کا عکس مجھے واٹسپ کر دیا، مولانا واٹسپ چلاتے نہیں تھے اس لئے کال کر کے تفصیل بتانے لگا، مولانا نے درمیان میں ہی روک دیا اور خود ہی ساری تفصیل بتادی، یہ ان کی حاضر ذہنی، اچھی یادداشت اور ذاتی دلچسپی کا ایک نمونہ ہے، رمضان کی بہاریں اچھی طرح گزر رہی تھیں، اموات کی مسلسل خبریں سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں، مولانا کو بھی بخار ہوا، سانس میں دشواری محسوس ہوئی، علاج شروع ہوا، بمشکل چند دن ہی گزرے ہوں گے کہ عید الفطر کی آمد ہوئی، عید کا دن گزرا اور مولانا بھی دنیا سے گزر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آج ان کے قبرستان جانا ہوا، بڑے یاد آئے، خموشی، سناٹا، سکون، قرار، بہت سی نئی قبریں کورونا کی تصدیق کر رہی تھیں، مجھے لگا کہ مولانا شکوہ سنج ہیں کہ تو میری نماز جنازہ میں کیوں نہیں تھا، تو نے میرے جنازے کو کندھا کیوں نہیں دیا، تو اتنے دنوں بعد کیوں آیا، آہ! سوال متعدد اور جواب ایک بھی نہیں۔

خسرو کے خسروانہ کلام پر اپنی بات کو سمیٹ رہا ہوں اور آپ سبھی خیر خواہوں سے التجا کر رہا ہوں کہ للہ! مولانا مرحوم کو بھی اپنی مخصوص دعاؤں میں یاد رکھیں ؎

خبَرم رسید امشب کہ نگار خواہی آمد
سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد

مجھے خبر ملی ہے کہ اے میرے محبوب تو آج رات آئے گا، میرا سر اس راہ پر قربان جس راہ پر تو سوار ہو کر آئے گا۔

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بہ اُمید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

جنگل کے تمام ہرنوں نے اپنے سر اتار کر اپنے ہاتھوں میں رکھ لیے ہیں اس امید پر کہ کسی روز تو شکار کے لئے آئے گا۔

کششے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدینساں
بجنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

عشق میں جو کشش ہے وہ تجھے اسطرح زندگی بسر کرنے نہیں دے گی، تو اگر میرے جنازے پر نہیں آیا تو مزار پر ضرور آئے گا۔ (وفات: ۲/شوال ۱۴۴۲ھ)

چند خانقاہیں

خانقاہ کاندھلہ

جس نے کہا غضب کا شعر کہا مجھے تو لگتا ہے شاعر کے اندر سلوک واحسان یا نورِعرفان کا ذخیرہ اچھا خاصا ہوگا تبھی تو ایسے اشعار شاعر کی نوک قلم پر آئے، قرطاس ابیض پر نمودار ہوئے اور زبان زد خاص وعام ہو گئے، شعر سے پہلے ہی واہ واہ کہہ لیجئے کیونکہ شعر کے بعد تو آہ آہ ہی نکلنا ہے

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکُوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر
میں شاخِ تاک ہوں، میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

آج میں اس مقام اور اس مکان کا ذکر کرنے والا ہوں جہاں حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش پیدا ہوئے، مولانا مظفر حسین پیدا ہوئے، زکریا و یحییٰ، الیاس وہارون، یوسف وانعام، اشفاق واسماعیل، مالک وصدیق، افتخار ومحمد علی کتنی عظیم کتنی جلیل اور کتنی ستودہ شخصیات نے

آنکھیں کھولیں بلکہ کہنا چاہئے کہ اس قصبہ نے کتنی بڑی دنیا کی آنکھیں کھولیں کہ سبحان اللہ! اس بستی نے کئی دور دیکھے، کئی تحریکیں دیکھیں، کئی حالات جھیلے کئی ماحول پائے۔

ایک دور وہ تھا کہ یہاں پردہ صرف مسلمان نہیں اغیار بھی کرتے تھے۔

ایک دور وہ بھی تھا کہ فیصلے عدالتیں نہیں یہاں کے مولوی کرتے تھے۔

ایک دور وہ بھی تھا کہ یہاں گھر گھر سے تلاوت کی آواز گونجتی تھی۔

ایک دور وہ تھا کہ یہاں کا پتہ پتہ بوٹا بوٹا اہل علم، اہل فکر، اہل ذکر اور اہل اللہ کے دیدار سے مشرف ہوتا تھا۔

کبھی اس قصبہ کی تاریخ دیکھنی ہو تو صرف یہاں کے قبرستان پہنچئے! قسم ہے واللہ! صرف کاندھلے کے قبرستان وہ وہ تاریخ اپنی خموش زبان سے بیان کرتے نظر آئیں گے کہ آپ چشم تصور میں پیچھے بہت پیچھے پہنچ کر یہاں کی تنگ گلیوں میں جید الاستعداد علماء، ماہر ترین شعراء، حاذق ترین اطباء، روحانی اور عرفانی بزرگوں، ادیبوں پروفیسروں کو علمی، دینی، ادبی، احسانی، عرفانی باتیں کرتے، مجلس جماتے، خانقاہ چلاتے، درسگاہ آباد کرتے، مدارس قائم کرتے اور انسان بناتے نظر آئیں گے، ماحول کا اثر در و دیوار سے ٹپکتا دکھے گا، مولویان، خیل، رائے زادگان یہ وہ محلے ہیں جن کے مکینوں نے کبھی محلوں کو اہمیت نہیں، تغلق سے اکبر تک، غلامی سے آزادی تک ہر دور میں یہاں کے جیالوں، سرفروشوں، اور اولوالعزم سپاہیوں نے اس کی پیشانی کو پشیمانی سے دور رکھا ہے، کون سا علم اور کون سا فن ہے جس کے ماہرین کاملین یہاں نہیں تھے، ہر چیز تھی اس قصبہ میں، مرض کی دوا بھی تھی، ہر خواب کی تعبیر بھی تھی، ہر سوال کا جواب بھی تھا کیونکہ اس بستی کا نام کاندھلہ ہے۔

خانقاہ تھانہ بھون

خانقاہ تھانہ بھون جہاں دماغوں کی تطہیر ہوتی تھی، قلوب کو صیقل کیا جاتا تھا، نفس کا گلا دبا کر اخلاص کی خو اور عمل کی بو پیدا اور ہویدا کی جاتی تھی، جی ہاں! وہی تھانہ بھون؛ جہاں پہنچ کر آزاد خیالوں نے آزاد خیالی سے توبہ کر لی، فکری بے راہ روی پر گامزن لوگوں نے راہ ہدایت اختیار کر لی، ہوا کی ہوا اکھڑ گئی، خواہشات نفسانی نے دم توڑ دیا، شیطان نے ساتھ چھوڑ دیا، خرافات نے رخ موڑ لیا، انسانیت اور للّٰہیت نے رشتہ جوڑ لیا، کتنے بے راہوں، کتنے گمراہوں، کتنے دنیا داروں اور کتنے سرمایہ داروں نے اپنی جبین نیاز خانقاہ تھانہ بھون میں ایسی خم کی کہ پھر سر اٹھانا بھول گئے، تواضع نے متواضع بنا دیا، خاکساری نے بلندی اور رفعت سے ہم کنار کر دیا، زہد نے دل کا غنی بنا دیا، دولت کی ریل پیل اور شہرت کی دھکا پیل کے ماحول میں خانقاہ تھانہ بھون نے فقر کا نعرہ بلند کیا، درویشی کی مملکت میں قدم رکھا، للّٰہیت کی وادیوں کو عبور کیا، استغنا اور بے نیازی کے پہاڑ طے کئے، خودی کو خوب بلند کیا، خود داری کو سینے سے لگایا اور پھر کان اللہ لہ کا مصداق بن گئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ جیسا عالم، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ جیسا عصری تعلیم یافتہ، شاہ عیسی الہ آبادیؒ جیسا پروفیسر، محمود الحقؒ جیسا وکیل واہ واہ بلکہ آہ آہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کے قبضہ وکنٹرول میں آنے والے نہیں تھے، ہر چیز کا جواب، ہر بات کا توڑ جانتے تھے لیکن یہی لوگ جب تھانہ بھون پہنچے تو دل کی دنیا ہی نہیں بدلی فکر کے پیمانے اور سوچ کے دریچوں نے خوش خصال بلکہ فرخندہ فال ہستی کے آگے قربان کر دیا اور کھلم کھلا اعلان کر دیا: ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

❁❁❁

خانقاہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے ذریعہ سرزمین رائے پور ہی معطر اور معتبر نہیں ہوئی بلکہ اس خانقاہ نے پاک و بھارت سمیت خدا جانے کہاں کہاں اپنی فیض رسانیوں، روحانی وعرفانی بالیدگیوں اور احسانی سرمستیوں سے خلق خدا کی کایا پلٹی ہے، کتنے دل بدلے، کتنے فکر بدلے، کتنے دَل بنے، کتنی تحریکیں اٹھیں، کتنے سیلاب کا رخ موڑا، کتنی ہستیوں نے اپنی سوچ بدلی، کتنی روحوں کو روحانی پیام اور پیغام حاصل ہوا، کتنے اذہان اور افکار اس خانقاہ نے صیقل کر کے یادِ خدا میں بیکل کر دئے، دارالعلوم یہاں، مظاہر علوم یہاں، مرکز تبلیغ یہاں، گنگوہ وتھانہ بھون یہاں، کاندھلہ وجلال آباد یہاں، نانوتہ اور لکھنؤ یہاں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبیداللہ بلیاوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الحسنؒ، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور بے شمار لوگ اسی خانقاہ اور اسی چہاردیواری سے صیقل وبیکل ہو کر یادِ خدا میں مست اور خوف خدا میں سرمست ہو گئے، سچ تو یہ ہے کہ اس خانقاہ یا خانہ گاہ نے نسلوں کی نسلیں اور فصلوں کی فصلیں تیار کر کے امت کو ایک ایسی کھیپ سونپ دی ہے جس کی جڑی زمین کے نیچے اور جس کی شاخیں آسمان کے اوپر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ع

اللہ تعالیٰ اس فیض جاری اور نہر جاری کو تا قیام قیامت جاری وساری فرمائے۔

خانقاہ سہارنپور

اسے چاہے خانقاہ خلیلیہ کا نام دیا جائے، چاہے عام مسلمانوں کی ''سرائے'' کہا جائے، چاہے تبلیغی جماعت کا منبع سے موسوم کیا جائے، یا تبلیغی نصاب کا مخزن کہا جائے، یا اوجز المسالک کا مرکز سے تعبیر کیا جائے، یا بذل المجہود کی تسوید اور تبییض کے لئے ''دارالترجمہ'' سے یاد کیا جائے، چاہے مسلمانوں کے عام دینی واصلاحی مسائل اور علمائے دین کے درمیان فروعی معاملات کو حل کرنے کی خاطر ''پنچایت گھر'' کہا جائے، چاہے مختلف تصنیفی وتالیفی کام کرنے والے محققین کیلئے مآخذ سے یاد کیا جائے، چاہے مجلس احرار اسلام کا اس علاقہ میں ٹھکانہ کہا جائے یا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مختلف دینی، سیاسی اور سماجی امور کی تکمیل کے لئے ''بیت المشورہ'' کا نام دے دیا جائے یا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی خانقاہوں میں جانے والے اکابر علماء وخلفاء کا ''پہلا پڑاؤ'' بولا جائے، تحفظ ختم نبوت کے مجاہدین کی ہر ممکن خدمت اور اعانت کے لئے ''دفتر تحفظ ختم نبوت'' کہا جائے یا اُس وقت مظاہر علوم سہارنپور کے داخلی وخارجی مسائل معاملات کے مشوروں اور فیصلوں کے باعث ''دفتر اہتمام'' کا نام دیا جائے، حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ جیسے مختلف علوم وفنون میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی شاہکار خدمات کے باعث ''دارالتصنیف'' کہا جائے، مظاہر علوم میں آنے والے مہمانوں اور خود حضرت شیخ الحدیثؒ کے ذاتی مہمانوں کے جم غفیر کی وجہ سے آپ ''مہمان خانہ'' سے یاد کریں یا اللہ اللہ اور الا اللہ الا اللہ کی ضربیں لگانے والے مشتاقان اصلاح وتربیت کی وجہ سے ''خانقاہ'' کہیں سب کچھ صحیح اور مبنی بر حقیقت ہے۔

جمعیۃ علماء ہند، ندوۃ العلماء، ندوۃ المصنفین، علی گڑھ، مجلس دعوۃ الحق، ختم نبوت، مجلس احرار اسلام، خانقاہ تھانہ بھون ورائے پور اور دور ونزدیک کے اہم علماء اور اکابر کی توجہات کا مرکز یہ ''کچا گھر'' آج بھی اسی سادہ نام سے موسوم مشہور ہے لیکن خدا جانے کتنے لوگوں کے دلوں کی دنیا اس کچا گھر سے بدل گئی، کتنے ہی ظلمت کدوں میں کچا گھر کی روشنی سے چراغاں ہوا، کتنے ہی کمہلائے اور مرجھائے چہروں پر مسرت وشادمانی کے کنول کھلے، کتنے ہی علماء وصلحاء کو اس درسگاہ علم نبوت سے بلندیاں اور تابانیاں نصیب ہوئیں، کتنے ہی سلسلوں کو کچا گھر نے تقویت پہنچائی، کتنے ہی بچوں کو کچا گھر نے والدین سے محروم نہ ہونے دیا، کتنے ہی مدارس اور مساجد اسی کچا گھر کی مرہون منت ہیں، کتنی ہی بابرکت ہستیاں دنیائے اسلام میں کچا گھر کی وجہ سے عزت وشہرت کی بلندیوں پر فائز ہیں، کتنے ہی جاہل، گمراہ اور ناخواندہ افراد کو اسلام کا نور اسی کچا گھر نے دیا، تبلیغ کے بابرکت سلسلہ سے خدا جانے کتنے لوگ ایمان واسلام پر جمے اور مستقیم رہے، بہکنے اور بھٹکنے سے بچے رہے۔ گویا

اسی دریا سے اٹھتی ہیں وہ موج تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن ہوتے ہیں جس سے تہ وبالا

❁❁❁

خانقاہ ہردوئی

صفہ کے طرز پر سنت نبوی کی ترویج واشاعت کا ایک چلتا پھرتا مدرسہ ہے! جہاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی عملی مشق ہوتی ہے۔

مردہ قلوب کو زندگی وتابندگی اور روح کو جلا وتقویت پہنچانے کا ایک عظیم مستشفیٰ ہے! جہاں روح کے مریضوں کا تشفی بخش علاج ہوتا ہے۔

سلسلہ تھانوی کا آخری دار السلطنت ہے! جہاں سے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مریدین ومنتسبین کو اسلامی احکامات اور ہدایات پر چلنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

دینی وشرعی باریکیوں، نکات آفرینیوں اور حساس وپیچیدہ مسائل کو سلجھانے کے لئے دار الشرع اور دار الشوریٰ ہے! جہاں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو تابناک بنانے کے لئے لائحۂ عمل تیار ہو کر پوری دنیا میں اس کا نفاذ ہوتا ہے۔

واردین وصادرین کیلئے دار الضیف ہے! جہاں سنت نبوی کے مطابق ان کی ضیافت اور مہمان نوازی کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔

دور ودراز اور قرب وجوار کے طلبہ اور مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک شاندار علمی مرکز ہے! جہاں لوگ دن رات علمی تشنگی بجھانے میں مصروف رہتے ہیں۔

مطالعہ کا ذوق وشوق رکھنے والے طلبہ، اساتذہ، اور عوام وخواص کیلئے باضابطہ دار الکتب اور دار المطالعہ بھی ہے! تاکہ مطالعہ کے ذریعہ ذہن ودماغ کو روشنی بخشی جاسکے۔

غیر مستطیع غریب ونادار طلبہ کیلئے باقاعدہ مطبخ بھی ہے جہاں سے ان کو ناشتہ وکھانا فراہم کیا جاتا ہے۔

پوری دنیا میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے والوں کے لئے ایک عظیم تدریبی مرکز بھی ہے! جہاں ان کو درس وتدریس کی عملی مشق اور تربیت دی جاتی ہے۔

دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے والوں کے لئے ''مرکز دعوۃ الحق'' بھی ہے جس کے راہنما اصول وقوانین اور ضابطہ وآئین باقاعدگی کے ساتھ مرتب ہیں ۔

باغ باقی ہے باغباں نہ رہا
اپنے پھولوں کا پاسباں نہ رہا
کارواں تو رہے گا رواں مگر
ہائے وہ میر کارواں نہ رہا

(آئینۂ مظاہر علوم سہارنپور: محی السنہ نمبر۔ ۲۰۰۵ء)

التجائے ناصر!

”نہ چھین لذت آہ سحر گہی مجھ سے“

دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور دونوں کی بنیاد توکل اور تقویٰ پر رکھی گئی ہے، دونوں کی بنا بھی تقریباً ایک ہی ہے، دونوں کے اکابر اہل اللہ ہمیشہ مربوط اور متفق الرائے رہے ہیں، دونوں کی سندیں آگے جا کر ایک ہوجاتی ہیں، دونوں کی منزلیں بھی ایک ہیں، دونوں کا مقصد اور مطمح نظر بھی ایک ہے، دونوں کی منشا اور مراد بھی ایک ہے۔ دونوں کی آرزو اور تمنا یہی تو ہے کہ اسلام کو آگے بڑھانے اور اسلامی تعلیمات کو آگے پہنچانے کے لئے بہترین نسل تیار ہوجائے، جو قرآن کریم کی عظمتوں کے پھریرے لہرائے، جو شریعت اسلامی کے نغمے گنگنائے جو ہر دم اور ہمہ دم اسلامی ترانوں اور زمزموں سے اسلام کی قوت وشوکت کے علَم گاڑے، جو توحید کا غلغلہ بلند کردے جو شعلہ بن کر خاشاک غیر اللہ کو پھونک دے۔

ان دونوں اداروں کی قدیم عمارات کو دیکھ کر عظمت رفتہ کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، جن کی کشش ایمان کو جلا وتقویت بخشتی تھی، جس کی قدامت اکابر کی یاد دِلاتی تھی، جس کی مربع عمارتیں مرصع سکون بخشتی تھیں، جس کے فلک بوس، فلک نما گیٹ دیکھ کر ہیبت، اور عظمت قلب ودماغ پر نقش نقش ہوجاتی تھی، جس کی گلیاں، گیلریاں، باغ وباغیچے، گل تازہ، اشجار و گلزار باغ وبہار رشک ارم تھے، اس جھرمٹ میں طالبان علوم کے ہاتھوں میں، گودوں میں موٹی موٹی کتابیں الگ شان رکھتی تھیں، ان باغیچوں میں طلبہ یہاں وہاں، ادھر ادھر بیٹھ کر گپیں نہیں مارتے تھے، کتابوں پر جھکے رہتے تھے، چلتے پھرتے علمی بحثیں کرتے رہتے

تھے، کسی باغ کے حاشیہ پر بیٹھ کر کسی کتاب کے حاشیے کو حل کرتے رہتے تھے، کسی مسجد کے گوشے میں بیٹھ کر تلاوت قرآن کرتے رہتے تھے، کسی استاذ کے لئے پانی، کسی محسن کے لئے ضرورت کی چیزیں لینے اور لانے کے لئے بھاگ دوڑ کرتے رہتے تھے، اساتذہ اُن سے اور وہ اساتذہ سے قلبی، ذہنی، فکری اور دینی وایمانی تعلق وہم آہنگی رکھتے تھے، وہ طلبہ کو اور طلبہ ان کو خوب دعائیں دیتے تھے، طلبہ مخلص، اساتذہ مخلص، ادارہ مخلص، چندہ دہندگان مخلص لیکن آہ! ساری کہنگی ختم شد، ساری مروتیں عنقا، سارا خلوص کافور اور ساری ہمدردیاں قصہ پارینہ بن گئیں، جدت نے مدت ہوئی کروٹ لے لی، اب چارسوئی نئی لامتناہی عمارات ہیں، آسمان سے باتیں کرتے گنبد و مینار ہیں، طلبہ تو اب بھی یکسوئی اور تنہائی کے ساتھ الگ تھلگ بیٹھے مل جائیں گے لیکن ان کے ہاتھوں میں کتابیں نہیں موبائل آگئے ہیں، ان کی زبانیں عالمانہ نہیں عامیانہ ہوچکی ہیں، پہلے طلب صادق تھی کہ دین کی خدمت کرنی ہے اب طلب کاذب ہے کہ سعودیہ اور فاران کنٹری جانا ہے، قطر میں امامت کرانی ہے، یورپ وافریقہ جانا ہے، دولتِ دنیا کمانی ہے، کیا کہوں کیسے کہوں پہلے کے طلبہ میں بڑوں کی عزت تھی احترام تھا وقار تھا پاس ولحاظ تھا، دین کا درد اور امت کا فکر تھا، اب جو کچھ ہے سامنے ہے، پہلے درسگاہیں بھری بھری، مسجدیں ہری ہری اور خانقاہیں کھری کھری تھیں، کوئی فجر میں اٹھانے والا نہیں تھا لیکن مساجد نمازیوں بھری ہوتی تھیں، اب جگانے والے، اٹھانے والے، بیدار کرنے والے، کمرے کمرے جا کر **الصلوۃ الصلوۃ** کی یاد دہانی کرانے والے، درسگاہوں میں حاضری، اقامت گاہوں میں حاضری، پھر بھی تعلیم ناقص، علم ناقص، تربیت ناقص اور پھر تعلیم سے فراغت ہوجائے تو ایسے ناقص افراد کے پاس پڑھنے والے طلبہ ناقص، جب بیج اچھا ہوتا ہے، جب کھیت عمدہ ہوتا ہے، جب کھاد بہتر ہوتی ہے تو فصل بھی لاجواب ہوتی ہے، لیکن جب معاملہ برعکس ہوتو فصل کیسی ہوگی؟ آپ خود سمجھدار ہیں سمجھئے! اور خوب سمجھئے!! قبل اس کے کہ زمانہ سمجھائے! ؎

ضمیرِ لالہ مئے لعل سے ہوا لبریز اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز
بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز

پرانے ہیں یہ ستارے، فلک بھی فرسودہ جہاں وہ چاہیے مجھ کو کہ ہو ابھی نَوخیز
کسے خبر ہے کہ ہنگامہ نشور ہے کیا تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز
نہ چھین لذّتِ آہِ سحَر گہی مجھ سے نہ کر نِگہ سے تغافل کو التفات آمیز
دلِ غمگیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گُل صدائے مرغِ چمن ہے بہت نشاط انگیز

حدیثِ بے خبراں ہے، تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد، تو با زمانہ ستیز

ہماری چند اہم مطبوعات

نام کتاب	مصنف
اکفار الملحدین (اردو ترجمہ)	امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ
علامہ انور شاہ کشمیریؒ، زندگی کے چند روشن اوراق	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
اکابر دیوبند اختصاصی پہلو	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
السیر الحثیث فی تاریخ علوم الحدیث	مولانا عبدالرحمٰن نعیم صاحب قاسمی
العرف الذکی شرح ترمذی (عربی) پانچ جلدیں	افادات: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ
اسلامی زندگی	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
اصلاح النساء	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
تصویر انورؒ (سوانح امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ)	حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیریؒ
حدیثِ عنبر (مجموعہ کلام)	مولانا فضیل احمد ناصری
خاتم النبیین (عربی)	امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ
دعوتی خطبات (مجموعہ بیانات اکابر دعوت وتبلیغ)	مولانا سیّد زین العابدین صاحب
دار العلوم دیوبند کی مرکزیت، ایک مسلّمہ حقیقت	مفتی محمد زید مظاہری ندوی
سیرت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم، واقعات کے آئینے میں	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
شرح عقیدۃ الطحاوی (اردو)	حضرت مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہٗ
کیا ہوئے یہ لوگ	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
مولانا ازہر شاہ قیصر، زندگی کے چند روشن اوراق	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر

مولانا انظر شاہ کشمیری، زندگی کے چند روشن اوراق	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
مختارات الامام الکشمیری رحمہ اللہ (عربی)	الشیخ محمد انظر شاہ الکشمیری
ملفوظات محدث کشمیریؒ	مولانا سیّد احمد رضا بجنوریؒ
ملفوظات ومختصر سوانح شیخ یونس جونپوریؒ	محمد جابر بن عمر پالن پوری
مناظرِ گیلانی	مولانا فاروق اعظم قاسمی
میرے مرشد میرے شیخ	مفتی محمد مرشد قاسمی
مقبول تقریریں	مولانا سیّد ازہر شاہ قیصرؒ
نوادراتِ امام کشمیریؒ	حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیریؒ
نقش دوام (سوانح علامہ انور شاہ کشمیریؒ)	حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیریؒ
وہ قومیں جن پر عذاب آیا	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ	مولانا سیّد ازہر شاہ قیصر
یادگارِ زمانہ شخصیات کا احوالِ مطالعہ	مولانا ابن الحسن عباسیؒ

ہماری چند اہم مطبوعات

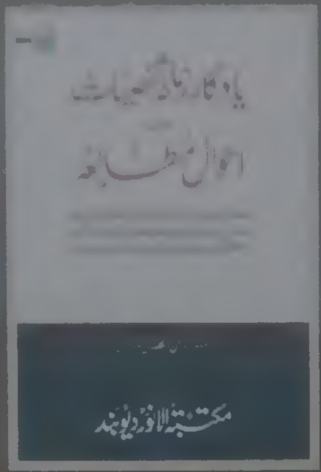

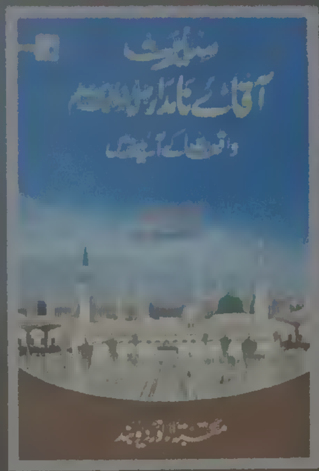

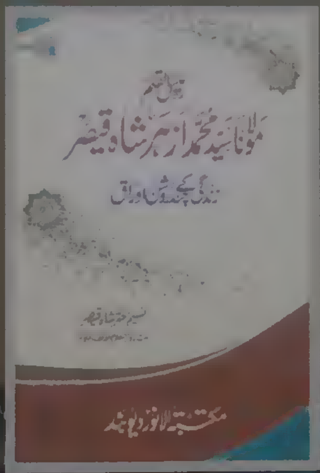

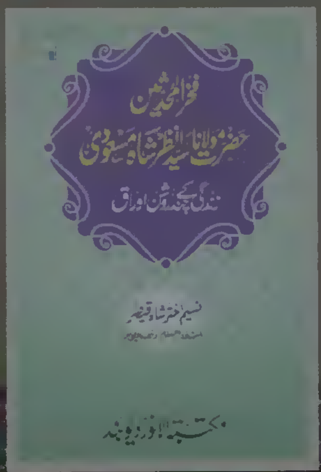

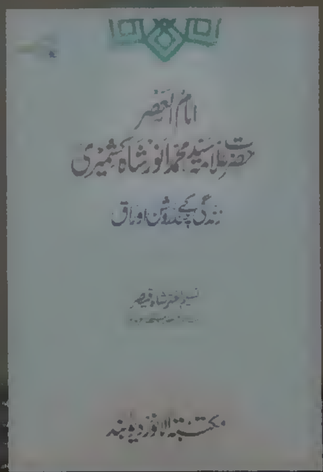

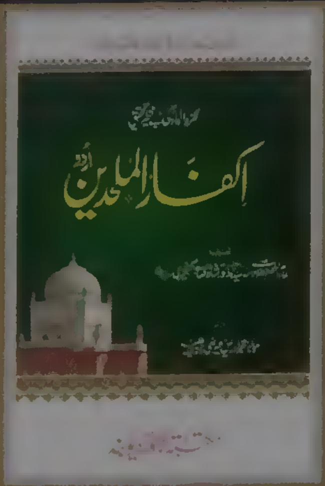

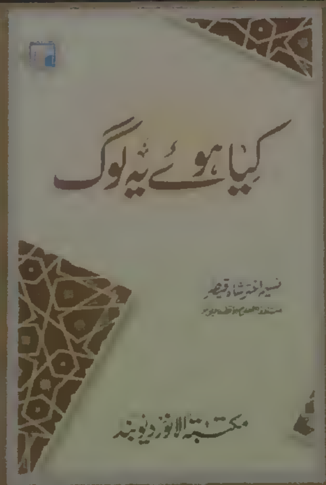

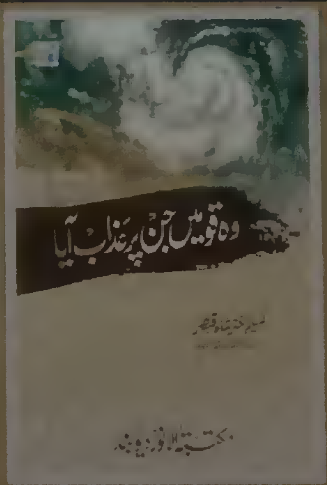

MAKTABA AL-ANWAR

Shah Manzil, Moh. Khanqah, Deoband - 247554 (U.P.)
Mob. 8171554526, 9568797801
alanwardbd@gmail.com

500/-